جمع الفضائل في شرح الشمائل

مولانا محمد اسلام قاسمی
استاذ حدیث وادب دار العلوم وقف دیوبند

تقریظ

فخر المحدثین حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری دامت برکاتہم
(صدر المدرسین دار العلوم وقف دیوبند)

زکریا بکڈپو دیوبند سہارنپور یوپی ۲۴۷۵۵۴

جَمعُ الفضائِل

فی

شرحُ الشمَائِل

مولانا محمد اسلام قاسمی
استاذ حدیث و ادب دار العلوم وقف دیوبند

ناشر: زکریا بکڈپو دیوبند

فن حدیث کی اہم ترین کتاب "شمائل ترمذی" کی پہلی اردو شرح مع تحقیق لغوی

جمع الفضائل

فی

شرح الشمائل

تالیف: مولانا محمد اسلام قاسمی

نام کتاب : جمع الفضائل فی شرح الشمائل۔
مؤلف : مولانا محمد اسلام قاسمی۔
کتابت : محمد اسرائیل قاسمی
طباعت : اشرفی آفسیٹ پریس دیوبند
ناشر : زکریا بکڈپو، دیوبند، یوپی
قیمت :

فہرست ابواب شمائل ترمذی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتابی تقریظ

از

فخر المحدثین حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری دامت برکاتہم

صدر المدرسین دار العلوم وقف، دیوبند، یو، پی

کون سا دین ہے اور کون سا فرقہ، کون سی ملّت ہے اور کون سا گروہ، جس نے اپنے مصلح یا کسی رشی اور منی، کسی پیغمبر و نبی کی ایک ایک ادا، ایک ایک قول، ہر انداز اور ہر طور وطریق کو محفوظ کیا ہو؟ تا آنکہ یہود و عیسائی آج دونوں مل کر دنیا پر عملی و فکری حکمرانی کر رہے ہیں، ذرائع ابلاغ پر ان کا قبضہ ہے، تصنیف و تالیف میں مہارت، لٹریچر کی بھرمار، بات کو بتنگڑ بنانے کی صلاحیت۔ فرہاد کی طرح کوہ کن اور جوئے شیر لانے والے۔ لیکن کسی اور کی تو در کنار موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی پاکیزہ زندگی کے اجلے نقوش محفوظ نہ رکھ سکے۔ نہ تورات کی تاریخ محفوظ نہ انجیل کا پس منظر سالم۔ بدھسٹوں کے غول کے غول ادھر سے ادھر گھوم رہے ہیں، دنیا کے ایک آدھ ملک پر ان کی حکومت بھی، موجود قوم نے صنعت و حرفت میں وہ کامیابی حاصل کی کر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی مصنوعات مارکیٹ پر چھا گئی لیکن اپنے مذہبی رہنما کی صحیح زندگی

بتانے سے قاصر۔ قوموں کی زندگی میں انقلاب آگیا۔ غلامی کے طوق توڑ کر آزادی کے تخت پر بہزار تمکنت متمکن۔ مگر جنھوں نے انقلاب برپا کیا، جنھوں نے جابرانہ قوتوں سے نبرد آزمائی کی خود اقوام ان محسنوں کی زندگی فراموش کر چکیں۔ بہرحال فراموشی و محسن کشی کی ایک بھیانک تاریخ ؟!

لیکن اِدھر آیئے! محمد رسول اللہ فداہ ابی و امی کی حیات طیبہ کا کونسا وہ رخ ہے جو اندھیروں میں ہو، کونسا وہ گوشہ ہے جسے تاریک کہیے، کون سا وہ باب ہے جسے اجالوں سے محروم قرار دیجئے، آپ کا ہر قول، ہر ارشاد، کردار کی ہر جھلک بلکہ خدو خال، گفتار و گردار، صبح و شام، شب و روز، خلوت و جلوت، ہر چیز آفتاب سے زیادہ روشن۔ ماہتاب سے زیادہ منور، تا آنکہ خُلقی شمائل کے ساتھ خِلقی خصائل بھی محفوظ۔ محدثین نے احکام سے متعلق ارشادات کو جمع کیا تو ایک ایک انداز زندگی کو بھی محفوظ کر لیا۔ اسی مجموعے کو "شمائل" کہتے ہیں۔

حدیث کی مشہور درسی کتاب ترمذی شریف کا باب شمائل شہرۂ آفاق ہے، اسے پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ آپ کی سرمہ دانی کا بھی ذکر، سلائی کا بھی تذکرہ، کنگھا بھی زیر بحث اور ملبوس مبارک سے متعلق گفتگو، غسل یا وضو کے بعد جس کپڑے کو استعمال فرماتے اس کی بھی بات، نعلین مبارک سے متعلق بھی تفصیلات، مرغوب غذائیں بھی چھوٹ نہ سکیں، مشروبات کی فہرست بھی نظر انداز نہ ہوئی، اور تو اور وہ کہانی بھی محفوظ کر لی گئی جسے ازواج مطہرات کی دلچسپی کے لئے آپ نے کبھی سنایا تھا۔

ان جامع ابواب پر قدیم محققین نے قلم اٹھایا، جدید محدثین نے ان کی تشریح کی، سیرت نگار بھی اسے لے اڑے، اور تشریح و تفصیل کے لئے قلم حرکت میں آگئے۔ جناب مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی، استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند، عربی و اردو کے ادیب، شگفتہ انشاء پرداز، مصنف و مؤلف

نکتہ سنج و نکتہ طراز، وقف دارالعلوم میں شمائل ترمذی کا درس دیا اور پھر ان ابواب کی تفصیل میں وہ کامیاب چمن بندی کی کہ باغباں سراپائے حیرت، دلکش گلدستہ تیار کرنے والے اس چابکدستی پر غرق تعجب، الفاظ کی تشریح، حدیثی نکات، ادبی چٹکلے، پھر ایسے جچے تلے بلکہ نپے تلے کہ تقریظ نگار حیران و پریشان! کہ کس خوبی کا ذکر کرے اور کس رعنائی کو نوکِ قلم پر لائے۔

اے میرے محبوب و مطلوب وقف دارالعلوم! اپنی مختصر سی زندگی پر ناز کر کہ تیرا دامن ہر سعادت سے لبریز ہے، نامور مدرس، کامیاب مقرر، پسندیدہ نثر نگار، نغمہ گو شاعر، ہر ایک مہیا۔ بے سروسامانی میں کتب خانۂ علم کے لئے یہ سروسامان۔ خدا نظر بد سے بچائے! اور مؤلف و مترجم کو وہ قبولیت نصیب ہو جس کے لئے دل تڑپتے ہیں، دماغ بے چین ہوتے ہیں اور آرزوئیں مچلتی ہیں۔

مؤلف کے ساتھ خود عاصی پر معاصی تقریظ نگار مصروف دعا بلہجہ ابرار:

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، آمین بجاہ سید المرسلین

وانا الاحقر محمد انظر شاہ الکشمیری

یوم الجمعہ ۱۴۱۹ھ

الحمد لله الذی خلق الانسان ووفقه بالوسائل والصلوٰة والسلام علی رسوله المختص بحسن الشمائل وعلى آله واصحابه الذین وصفوا بالفضائل وعلى متبعيهم من العلماء العاملين بما ثبت عنه بالدلائل۔ امابعد!

علمِ حدیث کا موضوع نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے، اس لحاظ سے ذاتِ نبی اور خصائلِ رسول پر مشتمل جو کتابیں تالیف کی گئی ہیں ان میں سب سے بہتر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الشمائل" ہے جس میں مختصر طور پر اور جامع انداز میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ان کی عادت مبارکہ بدرجۂ اتم موجود ہے امام ترمذی کی یہ کتاب اپنے موضوع اور انداز کے لحاظ سے یکتا اور ترتیب کے اعتبار سے بے نظیر ہے، اس میں صحیح روایتوں کو مختلف ابواب کے ضمن میں اس طرح جمع کردیا گیا ہے کہ اس سے قبل اس طرح کی کوئی تالیف نہیں ملتی۔

عربی زبان میں اس کتاب کی شروحات اور حاشیے بھی لکھے گئے جو بیحد معتمد اور مستند ہیں، خاص طور پر علی بن سلطان محمد القاری معروف بہ "ملا علی قاری"، شارحِ مشکوٰۃ المصابیح کی شرح "جمع الوسائل" مقبول ومعروف ہے، اسی طرح عصام الدین شافعی کی شرح اور ابن حجر ہیثمی نزیل مکہ کی شرح بھی ہے اور ان متأخر الذکر دونوں شروحات کی تلخیص اور چند اہم مواد کے اضافہ پر مشتمل علامہ عبدالرؤف مناوی کا حاشیہ ہے، یہ تمام کتابیں عربی میں ہیں اور مطبوعہ بھی مگر برصغیر ہندوپاک وبنگلادیش میں یہ دستیاب نہیں، بعض دینی واسلامی لائبریریوں میں اس کے نسخے موجود ہیں مگر عام طور پر ان کا حصول ممکن نہیں۔

اور موجودہ وقت میں عربی شروحات کے مطالعہ کی بجائے اردو شرح و حاشیہ کا رجحان زیادہ ہوگیا ہے، اور اردو میں حدیث کی کسی کتاب کی شرح اور تفصیل

کی افادیت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کتاب کی کوئی ایسی اردو شرح مرتب کی جائے جو خواص اور عوام دونوں کی ضرورت پوری کرے اور خاص طور پر اساتذہ اور طلبۂ مدارس دینیہ کے لئے مفید اور معاون ثابت ہو، برصغیر میں اس کتاب کی تدریس کا جو طریقہ ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں، حدیث کی دیگر کتابوں کی طرح ترجمہ وتشریح اور مسائل کے ذکر کے علاوہ اس میں لغوی تحقیق ایک اہم اور نمایاں اسلوب ہے، شمائل ترمذی میں زیادہ تر ایسے ابواب ہیں جن میں مشکل عربی الفاظ ہیں جن کی تحقیق اور تشریح کے بغیر اس کا حق ادا نہیں ہوتا، اور طلبۂ حدیث نبوی کو اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے، انھی امور کا خیال کرتے ہوئے بندۂ عاجز نے توکلاً علی اللہ اردو زبان میں مکمل شرح کرنے کا عزم کیا۔

دارالعلوم (وقف) دیوبند جو اپنی روایات اور درس حدیث کی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے ملک وبیرون ملک میں معروف ہے، اس میں حدیث کے مایۂ ناز اساتذہ، شیوخ اور محدثین صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں کا درس دیتے ہیں، اسی عظیم دینی درسگاہ میں کئی سال تک مؤلف کو شمائل ترمذی پڑھانے کا شرف حاصل ہوا ہے، جو خدا کا فضل اور نعمت ہے۔ دوران درس طلبہ میں اس بات کا اشتیاق بھی دیکھا کہ شمائل ترمذی کی کوئی شرح میسّر ہو جاتی تو انھیں یاد کرنے اور محفوظ رکھنے کا موقع مل جاتا، بعض احباب علماء اور حدیث سے شغف رکھنے والے طلبہ کا اصرار ہوا کہ اردو میں کوئی شرح مرتب کر دیں

اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کے اعتراف کے باوجود خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے کام شروع کر دیا، مدارس میں تعلیمی سال کے دوران کوئی ایسا علمی کام مکمل کر لینا بڑا دشوار ہوتا ہے، درس وتدریس کے علاوہ مطالعہ سے فراغت کے بعد اتنا موقع میسّر نہیں آتا کہ تسلسل کے ساتھ کسی شرح کو جاری رکھا جائے چنانچہ اختتام سال پر رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں حدیث نبوی کی اس خدمت کا عزم ہوا، شروحات کے مطالعہ، مراجع کی تلاش وجستجو اور ان کی دستیابی

میں خاصا وقت صرف ہوا، نتیجہ یہ کہ فرصت کے دو ماہ گذر گئے اور ابتدا ہی رہی، پھر تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا جس کے دوران اردو اور عربی میں مضمون نویسی کی مشغولیت بھی رہی اور بعض دیگر کتابوں کی تالیف و ترتیب یا ترجمہ کا کام ہی ہو سکا، یہاں تک کہ پھر رمضان کا مہینہ آگیا اور باضابطہ شمائل ترمذی کی شرح کا کام شروع کر دیا گیا، درس کے دوران بار بار شمائل سے متعلق شروحات کا مطالعہ اور شرح کی ترتیب کا عزم تھا، اس لئے اس کی تکمیل کے لئے یکسوئی کا موقع میسر آگیا مگر ان دو مہینوں میں تقریباً نصف حصہ ہی پورا ہو سکا، اب پھر رمضان المبارک میں تکمیل کا عزم لئے یکسو ہے۔

★

بخاری شریف اور مسلم شریف کی بعض عربی شروحات سے استفادہ کے بعد ہی کتاب الشمائل کی شرح کا ارادہ پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے، مگر اس میں بنیادی طور پر ملا علی قاری کی کتاب "جمع الوسائل" پیش نظر ہے، اور یہ شرح ہی اپنی جگہ اتنی مکمل اور جامع ہے کہ اس کا اردو ترجمہ ہی کر دیا جاتا تو بھی ایک علمی کام انجام پاتا، مگر ملا علی قاری کی یہ شرح دو جلدوں پر مشتمل اور مبسوط شرح ہے جو پیش نظر مقصد کے لحاظ سے زیادہ مفید اور مقبول ثابت نہ ہو پاتی، کیونکہ لغوی تحقیق اور علمی بحث کے لئے تفصیل تو کارآمد ہو جاتی مگر طلبہ کو استفادہ کا اتنا موقع نہیں مل پاتا۔ اس لئے اس میں جامعیت کے ساتھ ساتھ اختصار بھی ضروری تھا۔

شمائل ترمذی کا ایک اردو ترجمہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی علیہ الرحمہ کا "خصائل نبوی" کے نام سے موجود ہے، جو اساتذہ و طلبہ کے علاوہ عوام میں بھی مقبول ہے اور اسی سے مدارس کے طلبہ بھی استفادہ کرتے ہیں مگر اس میں ترجمہ اور فوائد ہیں جس سے علم حدیث کے طلبہ اور اسکالروں کو مزید کی حاجت محسوس ہوتی ہے، اس لئے علمی حلقوں کی اس ضرورت کی تکمیل کے لئے شمائل کی یہ شرح پیش کی جا رہی ہے، جس کے متعلق یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ اس سے علم حدیث کی ایک ادنی خدمت کی سعادت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

شفاعت کا وسیلہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امام ترمذی کی مستند اور منفرد کتاب شمائل ترمذی کی شرح کا حق ادا ہو رہا ہے۔

خداوند قدوس حوصلہ، توفیق اور قبولیت عطا فرمائے کہ

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

محمد اسلام قاسمی

خادم حدیث نبوی وقف دار العلوم دیوبند
ماہ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

کتاب کے مُطالعہ سے پہلے

کتاب الشمائل کی اس شرح جمع الفضائل میں ترتیب اس طرح ہے

- سب سے پہلے باب پر مختصر بحث۔
- پھر اس باب کی ایک حدیث اعراب کے ساتھ۔
- اس حدیث کا ترجمہ بغیر کسی عنوان کے۔
- ترجمہ کے بعد تحقیق لغوی، صرفی یا نحوی حسب ضرورت، عنوان "تحقیق" البتہ کوئی حدیث دوبارہ آئی یا اس کے الفاظ مشکل نہیں، اس میں تحقیق نہیں۔
- اخیر میں حدیث پر ضروری بحث یا وضاحت بعنوان "تشریح"، حدیث پہلے گذر چکی ہو یا ترجمہ سے ہی وضاحت ہوجاتی ہو تو وہاں تشریح نہیں۔
- اس طرح باب کی دیگر احادیث کا ترجمہ، تحقیق اور تشریح، ترتیب وار، مطالعہ کی سہولت کے پیش نظر ہر باب پر نمبر شمار اور باب کی جملہ احادیث پر نمبر، اور اسی حساب سے فہرست میں ان کا ذکر۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتابُ الشمائل للترمذی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان اور نہایت رحم والا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے اور سلامتی خدا کے ان بندوں پر جن کو اللہ نے برگزیدہ بنایا۔

مصنف علیہ الرحمہ نے بسم اللہ سے کتاب کی ابتدا کی ہے جو ہر خیر و برکت کے لئے لازمی ہے اس کے بعد حمد و صلاۃ، ویسے عام روش اور معروف طریقے سے الگ حمد و صلوٰۃ کا ذکر ہے، کیونکہ حمد کے بعد صلوٰۃ علی النبی کا لفظ مذکور نہیں، کہتے ہیں کہ سلامتی خدا کے ان بندوں پر جو برگزیدہ ہیں خواہ وہ بندے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، تمام انبیاء، صحابۂ کرام، متبعین، علماء و صلحاء یا اتقیاء ہوں، اس جملہ میں نبیٔ آخر الزماں، ان کے اہل و عیال، صحابۂ کرام سب ہی شامل ہیں، اس لئے مصنف پر یہ اعتراض بجا نہیں ہوگا کہ درود و سلام ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

امام ترمذیؒ نے قرآن مجید میں مذکور آیت کی اقتدا کی ہے جس میں ہے قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ پھر اس جامع کلام میں عمومیت اور شمولیت ہے اس میں خدا کے تمام برگزیدہ بندے آجاتے ہیں جو ایک طویل عبارت میں تفصیلی ذکر کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

اب رہ گئی بات صلاۃ و سلام کے سلسلہ میں کہ آیا دونوں کا ذکر بہتر ہے یا ایک لفظ ہی کافی ہوسکتا ہے تو امام نووی کہتے ہیں کہ بعض علماء نے صلوٰۃ کو بغیر سلام کے ذکر کرنا مکروہ گردانا ہے، مگر ملا علی قاری کہتے ہیں کہ کہیں بھی میرے علم میں اس سلسلہ میں علماء کی اس طرح کی صراحت نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے سب سے قدیم طریقہ کو اپنایا ہے اور مختصر طور پر حمد و صلوٰۃ کا ذکر کردیا ہے، پہلے زمانہ میں کتابوں کی ابتدا میں اس طرح کی عبارتوں کا طرز نہیں تھا، یہ انداز ہاشمی خلافت کے دور سے شروع ہوا ہے اور علمائے امت نے اس کو اپنا لیا پھر وہی طریقہ رائج ہوگیا

علامہ جزری اپنی کتاب "مفتاح الحصن" میں لکھتے ہیں کہ بہتر تو یہ ہے کہ جب درود کا ذکر ہو تو صلوٰۃ وسلام دونوں ایک ساتھ ہو، اور اگر صرف ایک لفظ پر اکتفا کر لیا جائے تو بلا کراہت درست ہے. متقدمین ومتاخرین کی ایک بڑی جماعت کی رائے یہی ہے، امام مسلم علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب صحیح مسلم کو اسی انداز سے شروع کیا ہے۔

اس عبارت کی دوسری بحث یہ ہے کہ صلاۃ وسلام کا یہ جملہ دعائیہ بھی ہو سکتا ہے اور خبریہ بھی، مطلب اس طرح ہوگا کہ خدا ان پر درود وسلامتی نازل کرے، یا یہ کہ خدا کی طرف سے ان پر درود وسلامتی ہو۔

قال الشیخ الحافظ ابو عیسیٰ محمّد بن عیسیٰ بن سورۃ الـــ ترمذی

باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تحقیق

الشیخ:- ہر ایسا فرد جو کسی فن میں کامل ہو اس کے لئے شیخ کا لفظ بولا جاتا ہے خواہ وہ جوان ہی کیوں نہ ہو

الحافظ:- یہاں مراد حافظِ حدیث ہے نہ کہ حافظِ قرآن (میرک) اور اس کا بھی احتمال ہے کہ امام ترمذی حافظِ قرآن بھی ہوں اور حافظِ حدیث بھی۔ فنِ حدیث میں محدّثین کی اصطلاح کے مطابق حافظ الحدیث وہ کہلائے گا جو ایک لاکھ حدیث سند اور متن کے ساتھ یاد رکھے۔

ابو عیسیٰ:- چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے والد نہیں تھے اس لئے اپنے کسی لڑکے کی بنیاد پر ابو عیسیٰ نام رکھنا مکروہ سمجھا جاتا ہے، نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مناسب نہیں خیال کیا ہے لیکن یہ کراہت ابتداءً یہی نام تجویز کر لینے کی صورت میں ہے، ورنہ اگر کوئی بعد میں اسی نام یا کنیت سے مشہور ہو جائے تو پھر کوئی کراہت نہیں، علماء امّت اور اصحابِ حدیث امام ترمذی کو ابو عیسیٰ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی اس نام سے شہرت ہو گئی ہے جس میں کوئی کراہت نہیں۔

سورۃ:- سین کے فتحہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ، بروزن طلحہ۔

الترمذی:- اس میں تین لغات ہیں (۱) تاء اور میم کے کسرہ کے ساتھ، اور یہی مشہور ہے (۲) دونوں میں ضمہ (۳) تاء میں فتحہ اور میم میں کسرہ۔ ترمذ دریائے جیحون کے کنارے ایک قدیم آبادی ہے جہاں بے شمار علماء ہوئے ہیں، امام ترمذی نے وہیں پر ۲۷۹ھ میں وفات پائی ہے اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔

اس پوری عبارت کے سلسلہ میں علماء کی رائے یہ ہے کہ بسم اللہ اور حمد تو امام ترمذی کی اپنی عبارت ہے، مگر قال الشیخ کی عبارت امام کے کسی شاگرد کی ہے، ایک قول یہ ہے کہ مکمل عبارت خود مصنف علیہ الرحمہ کی ہے، اور الشیخ، الحافظ کی عبارت اظہار حقیقت کے لئے ہے، خود امام ترمذی

اس کا اظہار کر رہے ہیں جس سے فخر مقصود نہیں بلکہ نفس واقعہ کا بیان ہے۔ اور ایک احتمال یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خود مصنف کی عبارت اتنی تھی قال ابو عیسیٰ الخ۔ مگر شاگردوں کی جانب سے احتراماً الشیخ الحافظ کا اضافہ کر دیا گیا۔

باب ما جاء

باب:۔ کے معنی ہیں جس سے مقصود تک رسائی ہو، ایک توجیہ یہ ہے کہ باب (دروازہ) کسی جگہ میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے، کسی مسئلہ کی ابتدا سے قبل باب قائم کرنے کا طریقہ اور باب کا استعمال تابعین کے زمانہ سے شروع ہوا ہے، کما قال ابن محمود شارح ابی داؤد۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ کتاب، باب، فصل کا جو استعمال ہوتا ہے وہ اس طرح کہ کتاب تو جنس کے درجہ میں باب نوع کے درجہ میں اور فصل صنف، کے درجہ میں۔

ترکیب میں یہاں پر باب مابعد کے لئے مضاف واقع ہے، البتہ اس کو تنوین کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے اس صورت یہ مبتدا محذوف کی خبر واقع ہوگا اور عبارت یوں ہوگی ھذا باب۔

خلق:۔ خاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا حکمت کے مطابق صحیح اندازہ، یا کسی چیز کو دوسری چیز سے ایجاد کرنا اور پیدا کرنا، اور یہاں مراد ہے ظاہری شکل و صورت اور عادت۔ اور خُلُق خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا مفہوم ہوگا طبیعت و فطرت، باطنی اوصاف، جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے انك لعلىٰ خلق عظيم۔

اس باب میں مصنف علیہ الرحمہ نے چودہ احادیث جمع کی ہیں جو سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک اور ظاہری حسن و جمال سے متعلق ہیں، امام ترمذی کے نزدیک جتنی صحیح احادیث اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ان کو جمع کر دیا ہے جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جملہ اوصاف ظاہری آنحضور کے یہی ہیں، جب کہ ابتدائے ولادت سے لے کر بعثت اور پھر وفات تک کے حالات کا ذکر صرف ان ہی احادیث میں منحصر نہیں ہیں، اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے جمال و حسن کو بیان ہی کیا جا سکتا ہے، ان احادیث سے آنحضرت کے حلیۂ مبارک اور ظاہری حسن کی صرف جھلک ہی معلوم ہوتی ہے جو امت کے لئے بیش بہا نعمت و دولت ہے۔

(۱) اَخْبَرَنَا اَبُوْ رَجَاءٍ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِالسَّبِطِ، بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَاْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ فَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَاْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت زیادہ لمبے قد کے تھے اور نہ پستہ قد، اور نہ بہت زیادہ سفید (چونہ کی مانند) اور نہ بالکل ہی گندم گوں، اور نہ ہی (ان) کے بال بہت زیادہ گھنگھریالے اور نہ بالکل ہی سیدھے کھلے ہوئے تھے، چالیس سال کی عمر میں اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا اس کے بعد آپ دس سال تک مکہ میں مقیم رہے اور پھر دس سال مدینہ منورہ میں، پھر آپ کا وصال ساٹھ سال کے بعد ہوا درانحالیکہ آپ کے سر اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

تحقیق

سمعه:۔ سمع کا فاعل ربیعہ ہیں یعنی سمع ربیعة انسا یقول۔

الطویل البائن:۔ نمایاں طوالت لئے ہوئے بائن بالھمزۃ اسم فاعل ہے۔ بان یبان بیانا سے ظاہر ہونا، یا مشتق ہے بینونة سے بمعنی جدا ہونا یعنی دوسروں سے الگ تھلگ دکھائی دینے والے۔ بہت زیادہ لمبائی کو بائن سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی آنحضور ایسے لمبے نہیں تھے کہ سب سے نمایاں دکھائی دیں۔ یا کہ سب سے جداگانہ نظر آئیں۔

القصیر:۔ پستہ قد جسے ٹھگنا کہا جاتا ہے۔ میانہ قد سے بھی چھوٹا ہونا کہ ایک عضو دوسرے میں داخل ہوتا محسوس ہو۔

الابیض الامھق:۔ ایسی سفیدی جس میں سرخی نہ ہو، بالکل چونہ کی طرح سفید ہو، آنحضورؐ کا رنگ صاف اور روشن تھا مگر اس درجہ نہیں کہ اس میں سرخی نہ معلوم دے۔

الآدم:- گندم گوں، اس کی اصل اادم ہے ہمزہ کو الف سے بدل دیا گیا، یہاں مفہوم ہے سانولا پن۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں اس حد تک سانولا پن نہیں تھا کہ اس پر سیاہی کی جھلک محسوس ہو۔

الجعد:- بالوں کا پیچدار گھنگھریالا ہونا جیم کا فتحہ عین ساکن۔ الشعر المنکسر۔

القطط:- زیادہ گھنگھریالا پن جو بال بالکل ہی مڑے ہوئے اور زیادہ پیچدار ہوں۔ قاف اور طا دونوں میں فتحہ یا قاف مفتوح اور طا مکسور، شدۃ الجعودۃ۔

السبط:- بالکل کھلا، یعنی بال ایسے کہ اس میں کوئی پیچ و خم نہ ہو، سین مفتوح

علی رأس اربعین سنۃ:- یہ بعثہ کے مفعول سے حال واقع ہے، یا پھر علیٰ فی کے معنی میں ہے شراح حدیث رأس کا مطلب آخری حصہ بتاتے ہیں یعنی چالیس سال پورے ہونے پر آپ کی بعثت ہوئی ہے چالیس سال سے کچھ زیادہ ہی عمر تھی جب آپ کو نبوت عطا کی گئی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبوت تو چالیس سال میں حاصل ہوئی تھی اور رسالت ۴۳ سال کی عمر میں۔

فاقام الخ آنحضورؐ کی بعثت ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی ہے اور باتفاق مؤرخین ۱۳ سال تک مکہ میں مقیم رہے پھر دس سال مدینہ میں اور صحیح تر روایت کے مطابق ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی لیکن یہاں روایت میں ہے کہ دس سال مکہ میں قیام رہا اور ۶۰ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ اس کی تطبیق میں محدثین لکھتے ہیں کہ جنھوں نے علی رأس ستین نقل کیا ہے اور اقام بمکۃ عشر سنین کہا ہے انھوں نے کسر کو چھوڑ دیا ہے، بجائے ۱۳ کے دس اور ۶۳ کے ۶۰ کہدیا جو ایک طریقہ رہا ہے۔

دوسری جانب کچھ افراد یہ کہتے ہیں کہ آنحضور مبعوث تو ہوئے ۴۰ سال کی عمر میں مگر پھر وحی کا وقفہ رہا تین سال کے بعد دوبارہ وحی شروع ہوئی اور اب رسالت ملی ہے اس لحاظ سے بعثت کے بعد دس سال مکہ میں قیام کا مطلب ظاہر ہے کہ ۴۰ سال میں بعثت، ۳ سال کے بعد رسالت پھر دس سال مکہ میں تبلیغ دین اس طرح ۶۳ سال کی عمر مکمل ہو جاتی ہے، ایک صورت علی رأس ستین کی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں سن ولادت اور وفات چھوڑ کر بیان کیا گیا ہے۔

تشریح

اس حدیث میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد، رنگ، بالوں کے انداز اور عمر کی وضاحت ملتی ہے، آنحضور کی ظاہری صورت مجسم حسن کا پیکر ہے، آپ کا قد اتنا میانہ اور معتدل ہے کہ نہ عام افراد سے پستہ قد اور نہ عام قدِ اعتدال سے تجاوز کرتا ہوا، زیادہ لمبائی جو اوروں سے الگ کردے اور زیادہ چھوٹا ہونا یہ دونوں ہی ظاہری حسن کے خلاف ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی عیب یا کمی سے پاک ہیں اسی طرح رنگ بھی نکھرا ہوا، صاف، روشن مگر ایسی صفائی جس میں سرخی ہو، رونق ہو اور خوبصورتی ہو اور اتنا سانولا پن بھی نہیں کہ اس میں ہلکی سی سیاہی کی جھلک محسوس ہو، گندمی جسے "سمرة" سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہی حال بالوں کا بھی۔ کہ ہلکا ہلکا گھنگھریالہ، تھوڑا خم لئے ہوئے، مگر اتنا بھی نہیں کہ ٹیڑھا اور مڑا ہوا معلوم ہو، اور پھر بالکل ہی سیدھا نہیں جس میں خوبصورتی نہ دکھائی دے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے سلسلہ میں مختلف طرح کی روایتیں ملتی ہیں، کہیں ۶۰ سال کا ذکر ہے کہیں ۶۵ کا، اور زیادہ تر روایتوں میں ۶۳ سال کی، صحیح روایت کے بموجب آپ کی عمر ۶۳ سال ہے، جنھوں نے ۶۰ سال کی روایت نقل کی ہے انھوں نے عمومی روایت کے بموجب کسر کو شمار نہیں کیا، اور جنھوں نے ۶۵ سال کا ذکر کیا ہے انھوں نے ولادت اور وفات کا سال الگ الگ شمار کرلیا، اور ۶۳ سال والی روایت صحیح تر ہے جس میں نہ کوئی اضافہ اور نہ کمی ہے، بعثت کے بعد ۱۳ سال آپ مکہ میں مقیم رہے ابتدائی تین سالوں میں وحی کا فترہ ہے، پھر مزید ۱۰ سال مکمل تبلیغ کے گذرے ہیں، اور اس کے بعد مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ وہاں دس سال اعلاء کلمۃ اللہ فرمایا اور ۶۳ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

اور جس وقت وفات ہوئی تو آپ کے سر مبارک اور ڈاڑھی کے بالوں میں ۲۰ بال بھی سفید نہیں ہوئے تھے

صحیح ترین روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضور کا وصال ہوا اس وقت ۲۰ ر بالوں سے کم ہی سفید تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ۱۷ بال سفید تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے بال سفید نہیں ہوئے تھے، یعنی بہت زیادہ سفید نہیں ہوئے تھے جو دور سے دکھائی

دے جائیں اور جو بڑھاپے کی علامت ہوتے ہیں

(۲) حدثنا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً وَلَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ، حَسَنُ الْجِسْمِ وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبِطٍ ، اَسْمَرَ اللَّوْنِ، اِذَا مَشٰى يَتَكَفَّأُ .

ترجمہ :- حضرت انس بن مالک سے روایت ہے، فرمایا کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد رکھتے تھے، نہ زیادہ لمبے اور نہ پستہ قد، خوبصورت جسم والے ان کے بال نہ بالکل پیچدار اور نہ بالکل سیدھے، گندمی رنگ کے تھے، جب چلتے تو آگے کو جھکے ہوئے چلتے۔

تحقیق

ربعۃ : میانہ قد، رار پر فتحہ اور بار ساکن، یا دونوں مفتوح، ربعہ مذکر اور مؤنث دونوں کی صفت آتی ہے۔ رجل ربعۃ، امرأۃ ربعۃ یعنی میانہ قد کا حامل۔

الطویل سے مراد الطویل البائن، یعنی زیادہ لمبے نہ تھے۔ جیسا کہ پہلی حدیث میں میں گذر چکا

اسمر اللون :- گندمی رنگ، یعنی جس میں زیادہ سانولا پن نہ ہو، آدم سے مراد زیادہ سانولا پن۔ اسمر کا مطلب سفیدی، سرخی مائل مگر سانولے پن سے کچھ ہلکا۔

یہاں حمید نے انس بن مالک سے یہ روایت بیان کی ہے جس میں اسمر اللون روایت کی ہے ورنہ اس کے علاوہ جو روایتیں ہیں اس میں ازھر اللون ہے یعنی کھلتا ہوا صاف رنگ تھا اور بیشتر صحابہ نے یہی روایت نقل کی ہے۔ یہ ترکیب میں کان کی دوسری خبر ہے اسلئے منصوب ہے، اور ممکن ہے کہ اسے مرفوع پڑھا جائے۔ اس وقت مبتدا محذوف ہوگا ھو اسمر اللون۔

یتکفأ: فا مشدد اس کے بعد ہمزہ، آگے کی طرف جھکنا، اسکا مفہوم یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار سست نہیں تھی، اور درمیانی فاصلہ دو قدموں کے زیادہ ہوتا تھا۔

تشریح یہ حدیث بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے، اس میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی ظاہری حسن کو تبلایا گیا ہے جو پہلی حدیث میں مذکور ہے البتہ اس میں چلنے کے انداز کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ چلتے تو محسوس ہوتا کہ آگے کی طرف جھک کر چل رہے ہوں، اور یہ علامت ہوتی ہے مکمل طور پر پیر جما کر چلنے اور تواضع اختیار کرنے کی۔ سر اونچا کر کے چلنا، اکڑنے والوں کا انداز ہوتا ہے، اور آگے کی طرف مائل ہو کر چلنا تواضع کی نشانی، اور یہ انداز عزم وشجاعت اور اعتدال کا ہے اور اعضاء کے لئے آرام دہ بھی۔

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ يَعْنِي الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَرْبُوعًا بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، عَظِيمَ الْجُمَّةِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ، عَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد والے مرد تھے دونوں مونڈھوں کے درمیان زیادہ فاصلہ لئے ہوئے، گھنے بالوں والے تھے جو کان کی لوتک آتے تھے، آپ پر سرخ دھاری والا ایک لباس تھا، میں نے آپ سے زیادہ حسین قطعی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

تشریح رَجِلًا: را مفتوح اور جیم پر کسرہ، جس شخص کے بال متوسط طور پر خم لئے بھی ہوں اور سیدھے بھی، یعنی بین الجعودة والسبوطة۔ دوسری صورت یہ کہ جیم پر ضمہ ہو یعنی مرد، اور واضح معنی یہی ہے۔

مَربُوعًا: میانہ قد، ربعتہ کے معنی میں، اس حدیث میں رجلاً کا لفظ ہے جو لگتا ہے کسی راوی کا اضافہ ہے، ورنہ حضرت براء ہی کی روایت آگے آرہی ہے اور بخاری میں بھی مروی ہے، لفظ رجلاً کے بغیر صرف مربوعا (میرک شاہ) ملا علی قاری کہتے ہیں کہ یہ تاویل راوی پر الزام عائد کرتی ہے جو مناسب نہیں اس کو متعارف معنی ہی میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس کا مفہوم ہوگا کہ رجولیت میں کامل تھے، یا یہ کہ خبر کے تابع بغیر کسی اضافی مفہوم کے بھی مانا جاسکتا ہے جیسے کہا جائے فلان رجل کریم، یا۔ رجل صالح۔

بَعِیْدَ:۔ قریب کی ضد، یعنی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی دوری، یہ ترکیب میں مضاف واقع ہوگا اور ما بین المنکبین مضاف الیہ، اس دوری سے مراد ہے وسعت اور سینے کی چوڑائی جو باوقار ہونے کی نشانی ہے، اور بعض نسخوں میں یہ لفظ تصغیر کے ساتھ آیا ہے۔ بُعَیْدَ جس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ دوری بہت زیادہ بھی نہیں جو بھدی محسوس ہو اور اعتدال کے منافی ہو۔

منکبین:۔ دونوں مونڈھے، ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ منکب کہا جاتا ہے بازو اور کاندھے کے ہڈیوں کے جوڑ کو، جو پشت سے اوپر کا حصہ ہوتا ہے۔

الجمۃ:۔ جیم پر ضمہ اور میم مشدد، گھنے بال، جمہ کہتے ہیں اس بال کو جو مونڈھوں تک آئے، اس سے کم ہو وہ لمۃ اور جو کانوں سے متجاوز نہ ہوں وہ وفرہ کہلاتا ہے، ویسے اہلِ لغت الجمۃ کو مطلقا بالوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں خواہ وہ کانوں تک ہوں یا مونڈھوں تک، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ یہاں یہ کہنا بہتر ہوگا کہ ایسے بال تھے جو سمیٹ لئے جاتے تو کانوں تک آتے اور انھیں چھوڑ دیا جاتا تو مونڈھوں تک پہونچتے تھے۔

الی شحمۃ اذنیہ:۔ دونوں کانوں کے لو تک، یہاں مقصود بالوں کے گھنے اور بڑے ہونے کو بتانا ہے، بالوں کی حد اور انتہا بتانا نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کانوں تک تھے، دوسری میں ہے کہ کاندھوں تک تھے، بعض میں کان کے نصف حصہ تک بیان کیا جاتا ہے، ان روایتوں کی تطبیق کے لئے قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں کہ مختلف اوقات میں بالوں میں کمی بیشی کی وجہ سے روایت کرنے والوں نے اپنے دیکھنے کے مطابق

بیان کیا ہے، جب بال چھوٹے ہوتے تو کانوں تک، اور بڑے ہوتے تو مونڈھوں تک بھی پہونچ جاتے تھے۔

حُلّۃ حَمْرَاء: سرخ جوڑا۔ حُلّہ کے معنی قاموس میں سرخ چادر یا سرخ تہمد لکھا ہے، امام نووی کہتے ہیں کہ اہل لغت حلہ کا اطلاق دو کپڑوں پر کرتے ہیں جو ایک لنگی اور چادر پر مشتمل ہو (حسن منه۔ یہ مارأیت کا مفعول ثانی ہوگا یا شیئاً کی صفت، مقصد یہ ہے کہ آنحضور سے بہتر مخلوقات میں کوئی چیز نہیں دیکھی اور نہ ہی اس کے برابر۔ جب اس طرح کی ترکیب استعمال کی جاتی ہے تو برابری کی بھی نفی ہوتی ہے اور بہتری کی بھی، اور یہاں پر جو شیئاً کا لفظ راوی نے استعمال کیا ہے وہ کمال محبت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے حسین ہونے کا اظہار مقصود ہے، یعنی دنیا کی تمام مخلوقات میں سے کوئی چیز بھی آنحضور سے حسین یا اس کے ہم پلہ نہیں خواہ وہ سورج، چاند ہی کیوں نہ ہوں۔

تشریح حضرت براء کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے دنیا کے حسین ترین شخصیت تھے، ان کے حسن میں کوئی چیز بھی ان کے برابر نہیں، ان کے بال گھنے تھے جو کانوں کی لو تک آتے تھے، آپؐ سرخ دھاری والا کپڑا استعمال فرماتے، اس حدیث کی بنیاد پر امام شافعی، سرخ لباس پہننے کو بالکل جائز قرار دیتے ہیں، احناف کہتے ہیں کہ اس سرخ جوڑے سے مراد یمن کی وہ مشہور چادر مراد ہے جو مکمل سرخ نہیں ہوتی تھی بلکہ سرخ دھاریوں والی ہوتی تھی، حنفیہ مزید کہتے ہیں کہ اگر یہاں سرخ لباس ہی مراد لیا جائے تو یہ آنحضورؐ کی خصوصیت ہو سکتی ہے، یا یہ مردوں کے لئے سرخ لباس کے استعمال سے ممانعت سے پہلے کی روایت ہو سکتی ہے

(۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِيْ لِمَّةٍ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَهٗ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ، بَعِيْدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَا بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالطَّوِيْلِ۔

ترجمہ: حضرت براء کہتے ہیں کہ میں نے کسی سرخ لباس میں بڑے بالوں والے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا ہے، ان کے بال مونڈھوں تک آرہے ہوتے اور ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصہ کسی حد تک چوڑا تھا، آپ نہ زیادہ لمبے تھے نہ ہی پستہ قد۔

تحقیق لِمَّة: لام کے کسرہ کے ساتھ جمع لِمَمْ جو بال کانوں سے بڑھ جائیں، اگر مونڈھوں تک پہونچ جائیں تو وہ جُمّہ ہے۔

يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ: جو مونڈھوں تک پہونچ رہے ہوتے۔ یہ جملہ ذی لمۃ کا بیان بھی ہوسکتا ہے اور جملہ مستانفہ بھی، صحابی کا بیان اس مفہوم میں کہ وہ گویا اس حالت میں دیکھ رہے ہوں

تشریح اس روایت میں بھی حضرت براء بن عازب پہلی روایت کی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ظاہری اوصاف کو ذکر کر رہے ہیں اور کہتے ہیں سرخ لباس میں ذرا بڑے بال والوں میں کوئی آپ کی طرح حسین اور خوبصورت نہیں تھا، قد بھی معتدل اور بال گھنے اور بڑے سینہ کشادہ اس لئے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا فاصلہ کچھ زیادہ محسوس ہوتا تھا۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، ضَخْمُ الرَّأْسِ، ضَخْمُ الْكَرَادِيسِ، طَوِيلُ الْمَسْرُبَةِ، إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْمَسْعُودِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ لمبے تھے نہ کوتاہ قد، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں بھرے گوشت والے

تھے، بڑے سر والے اور جوڑوں کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں، سینے سے لے کر ناف تک بالوں کی باریک لمبی دھاری تھی، آپ جب چلتے تو آگے کو جھک کر گویا اونچی جگہ سے اتر رہے ہوں، ان جیسا نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد دیکھا۔

تحقیق شثن الکفین:۔ یہ مبتدا محذوف ھو کی خبر واقع ہے اس لئے مرفوع ہوگا، اور اگر کان مقدر مانا جائے تو منصوب ہوگا۔ شثن شین مفتوح ثا مثلثہ ساکن یا اس پر فتحہ یا کسرہ، بھاری ہتھیلی، بھاری پاؤں۔ غلیظ الاصابع۔ جس کا مطلب موٹی کھال کے نہیں بلکہ پُرگوشت کے جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ ان کی انگلیاں اور ہتھیلیاں گوشت سے بھری ہوئی تھیں مگر چھونے میں بالکل نرم اور ملائم، ریشم جیسی۔

ضَخْم:۔ بھاری مضبوط، دوسری روایت میں عظیم الہامۃ کا لفظ آیا ہے، دونوں کا مفہوم ایک ہے کہ بھاری سر والے۔

الکرادیس:۔ ہڈیوں کے جوڑ، واحد کُرْدُوس مضبوط جوڑوں والے، ہڈیوں کے ملنے کی جگہ یعنی طاقتور اور مضبوط۔

المَسْرُبَۃ:۔ میم مفتوح، سین ساکن را پر ضمہ، سینہ اور ناف تک جو بال دھاری کی شکل میں جاتا ہو وہ مراد ہے، آپ کے سینے سے بالوں کی لکیر سی ناف تک پہونچی تھی۔

یَنْحَطّ:۔ باب انفعال سے اترنا، گرنا، نیچے آنا۔

صَبَب: صاد اور بار کے فتحہ کے ساتھ نیچے کی جانب، پانی کے گرنے کی جگہ، مطلب یہ کہ ایسا محسوس ہوتا جیسے آپ اوپر سے نیچے اتر رہے ہوں من صبب بمعنی فی صبب۔

تشریح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آنحضور کی ظاہری خوبی وجمال کو ذکر کر رہے ہیں کہ معتدل قامت بھی تھے اور ہاتھوں پیروں میں قوت تھی، بھرے بھرے ہاتھ اور پاؤں جو مردوں کے لئے خوبی ہوتی ہے، مضبوط بھاری سر بھی جو دماغی قوت اور عظیم ذہنی صلاحیت ہونے کی علامت ہے، اس کے علاوہ جوڑوں کی ہڈیاں بھی مضبوط اور بھاری جو جسمانی طاقت کی دلیل ہیں، سینے اور بطن مبارک میں زائد بال بھی نہیں مگر سینے سے ناف تک بالوں کی ایک لکیر جو خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار میں قوت اور متانت

لیکن تواضع بھی، اس طرح محسوس ہوتا کہ آپ بلندی سے نیچے کی جانب اتر رہے ہیں، آگے کو جھکتے ہوئے، متکبرین کی طرح سر اٹھا کر نہیں بلکہ سر جھکا کر، اور میں نے تو ان سا حسین شخص نہ ان سے پہلے دیکھا، نہ بعد میں، یعنی کبھی بھی کوئی ایسی نظیر نہیں ملی، ان کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی نہیں۔

(٦) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَ اَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ وَهُوَ ابْنُ اَبِيْ حَلِيْمَةَ وَ الْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالُوْا حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلٰى غُفْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ اِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَغَّطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ، كَانَ جَعْدًا رَجِلًا ، وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ وَكَانَ فِيْ وَجْهِهٖ تَدْوِيْرٌ، اَبْيَضُ مُشْرَبٌ ، اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ، جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتَدِ، اَجْرَدُ ذُوْ مَسْرُبَةٍ ، شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ اِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا، بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ، اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَاَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً ، مَنْ رَاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ وَمَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ ، يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ .

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ الْحُسَيْنِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ الْاَصْمَعِيَّ يَقُوْلُ فِيْ تَفْسِيْرِ صِفَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْمُمَغَّطُ : الذَّاهِبُ طُوْلًا وَقَالَ . سَمِعْتُ اَعْرَابِيًّا يَقُوْلُ فِيْ كَلَامِهٖ تَمَغَّطَ

فِیْ نُشَّابَتِهٖ اَیْ مَدَّهَا مَدًّا شَدِیْدًا ، وَالْمُتَرَدِّدُ: الدَّاخِلُ بَعْضُهٗ فِیْ بَعْضٍ قِصَرًا ، وَاَمَّا الْقَطَطُ فَالشَّدِیْدُ الْجُعُوْدَةِ ، وَالرَّجُلُ الَّذِیْ فِیْ شَعْرِهٖ جُعُوْدَةٌ اَیْ تَثَنٍّ قَلِیْلًا ، وَاَمَّا الْمُطَهَّمُ فَالْبَادِنُ الْكَثِیْرُ اللَّحْمِ ، وَالْمُكَلْثَمُ الْمُدَوَّرُ الْوَجْهِ ، وَالْمُشْرَبُ الَّذِیْ فِیْ بَیَاضِهٖ حُمْرَةٌ ، وَالْاَدْعَجُ الشَّدِیْدُ سَوَادُ الْعَیْنِ ، وَالْاَهْدَبُ الطَّوِیْلُ الْاَشْفَارِ وَالْكَتَدُ مُجْتَمَعُ الْكَتِفَیْنِ وَهُوَ الْكَاهِلُ ، وَالْمَسْرُبَةُ هُوَ الشَّعْرُ الدَّقِیْقُ الَّذِیْ كَاَنَّهٗ قَضِیْبٌ مِنَ الصَّدْرِ اِلَی السُّرَّةِ ، وَالشَّثْنُ الْغَلِیْظُ الْاَصَابِعِ مِنَ الْكَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ ، وَالتَّقَلُّعُ اَنْ یَمْشِیَ بِقُوَّةٍ ، وَالصَّبَبُ الْحُدُوْرُ تَقُوْلُ اِنْحَدَرْنَا فِیْ صَبُوْبٍ وَصَبَبٍ ، وَقَوْلُهٗ جَلِیْلُ الْمُشَاشِ یُرِیْدُ رُؤُوْسَ الْمَنَاكِبِ وَالْعِشْرَةُ الصُّحْبَةُ وَالْعَشِیْرُ الصَّاحِبُ وَالْبَدِیْهَةُ الْمُفَاجَاَةُ یُقَالُ بَدِیْهَةً بِاَمْرٍ اَیْ فَجَاَةً .

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالبؓ کی اولاد میں سے ابراہیم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف (حلیہ مبارک) بیان کرتے تو کہتے کہ آنحضورؐ نہ زیادہ لمبے قد کے تھے اور نہ پستہ قد، وہ تو میانہ قد افراد میں سے تھے، ان کے موئے مبارک نہ بالکل خم دار تھے نہ بالکل سیدھے، البتہ تھوڑے گھنگھریالے تھے، نہ آپ بھاری بدن کے تھے اور نہ بالکل گول چہرے والے، ہاں تھوڑی سی گولائی چہرۂ انور پر تھی، آپ کا رنگ سُرخی مائل سفید تھا، آپ کی آنکھیں بالکل سیاہ تھیں، آنحضور دراز پلکوں والے تھے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں، دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی تھی، آپ کے جسم اطہر پر بال نہ تھے، آپ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی، پر گوشت ہاتھ پاؤں والے تھے، آپ چلتے تو آگے کو جھک کر قدم جما کر گویا پستی کی طرف جا رہے ہوں، آپ جب مڑتے تو مکمل طور پر

توجہ فرماتے، دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور وہ خاتم النبیین تھے آپ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی دل تھے، اور گفتگو میں صادق اور نرم طبیعت کے، اور سب سے زیادہ شریف خاندان والے، جو آپ کو پہلے پہل دیکھتا مرعوب ہو جاتا، پھر جو آپ کے ساتھ مل کر رہتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا، آپ کا ذکر کرنے والا یہی کہتا کہ میں نے ان جیسا نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر محمد بن الحسین سے اور انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کی تشریح میں سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ تمغط فی نشابتہ یعنی تیر کو زیادہ لمبا کر دینا اور کھینچ دینا، اور المتردد کہتے ہیں ایک عضو دوسرے عضو میں داخل ہو کر چھوٹا محسوس ہو اور القطط کے معنی بالوں میں زیادہ ہی گھنگھریالا پن ہونا، اور الرجل کے معنی ہیں ایسا شخص جس کے بال میں تھوڑا خم ہو، اور المطھم ایسے بدن والا جس کا گوشت زیادہ ہو، اور المکلثم گول چہرے والا، اور المشرب جس کی سفیدی میں سرخی بھی ہو، اور الادعج جس کی آنکھوں کی پتلیاں زیادہ کالی ہوں، اور الاھدب لمبی پلکوں والا، اور الکتد دونوں کاندھوں کے ملنے کی جگہ، اور المسربۃ باریک بال گویا سینے سے ناف تک ایک لائن سی ہو، اور الشثن ہاتھ پیر کی انگلیاں جس کی بھاری اور پر گوشت ہوں، اور التقلع کا مطلب ہے کہ آدمی پوری طاقت سے چلے اور الصبب کے معنی اترنا، کہا جاتا ہے اغدونا فی صبوب وصبب ۔ جلیل المشاش سے مراد ہے مونڈھوں کی ہڈیاں، اور العشرۃ کا مطلب ہے صحبت اور عشیر کا مطلب ہے خاندان، گھرانہ۔ بدیھۃ کا مطلب، اچانک، پہلے ہی مرحلہ میں،

تحقیق

المُمَّغِط۔ میم ثانی مشدد غین مکسور اسم فاعل ہے باب انفعال سے حد سے زیادہ بڑھا ہوا اور بیحد لمبا۔ اس کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ غین پر تشدید ہو، ایسی صورت میں یہ اسم مفعول ہوگا۔

المُطَھَّم:۔ اسم مفعول باب تفعیل یعنی تطھیم سے، پھولا ہوا ہونا، بیحد موٹا ہونا یہ ایسے

شخص کے لئے کہا جاتا ہے جس کا چہرہ پھولا ہوا ہو، زیادہ گوشت بھرا ہوا امام ترمذیؒ نے اس کے معنی بھاری بدن والا لکھا ہے۔

المکلثم:۔ یہ بھی اسم مفعول کلثمۃ سے، گول چہرے والا۔

مُشرَب: یہ ابیض کی صفت واقع ہے، مفہوم ہے ابیض مشرب حمرۃ یعنی ایسی سفیدی جس میں سرخی کی آمیزش ہے، یہ اسم مفعول ہے اشراب سے، جس کا مطلب ہوتا ہے ایک رنگ کا دوسرے رنگ میں مل جانا۔

ادعج العینین:۔ آنکھوں کی پتلیاں کالی ہیں، ایک دوسری روایت میں حضرت علی ہی سے مروی ہے کان اسود الحدقۃ یعنی مطلق آنکھیں سیاہ نہیں بلکہ صرف پتلیاں کالی ہیں، اور آنکھیں کشادہ، سفید حصہ بہت سفید جس سے پتلیاں مزید سیاہ معلوم ہوں۔

الاھدب: وہ شخص جس کی پلکیں گھنی اور لمبی ہوں۔ الاشفار:۔ واحد شفر بضم الشین پلکیں یعنی آنکھوں کا کنارا جہاں بال اگتے ہیں۔

جلیل: بڑا عظیم۔ المشاش۔ میم کے ضمہ کے ساتھ، ہڈیوں کے جوڑ جیسے کہنیاں، گھٹنے، بازو۔ الکتد: تاء مفتوح یا مکسور، کاندھا، دونوں مونڈھوں کے جوڑ کی جگہ، یہ سب حصے موٹے اور بھاری تھے جو قوت اور شجاعت کی علامت ہیں۔

اجرد:۔ بغیر بالوں والا، مراد ہے کہ جس کے پورے بدن میں بال پھیلے ہوئے نہ ہوں، البتہ بعض جگہوں پر ہوں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اجرد کے لفظ کا مفہوم یہی ہے کہ زیادہ حصے پر بال نہیں تھے، البتہ سینے پر دھاری تھی جو ناف تک پہونچتی تھی۔

تقلع:۔ زور دیکر قدم اٹھانا، مکمل طور پر پیر اٹھا کر چلنا، یہ لفظ تقریباً وہی مفہوم ادا کرتا ہے جو تکفا کا ہے۔

التفت معا:۔ التفات کے معنی ہیں متوجہ ہونا، مڑنا۔ معاً کے اضافہ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبی کریمؐ جب کسی کی جانب مڑتے تو صرف آنکھوں کے اشارے یا گردن موڑ کر نہیں بلکہ مکمل طور پر پورے جسم کے ساتھ مڑتے تھے۔

خاتم النبوۃ: مہر نبوت، خاتم: تاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے، ختم

کرنیوالا یا یہ کہ جس سے ختم ہونے کی علامت ظاہر ہو، یعنی مہر، تفصیل مہر نبوت کے باب میں آئے گی۔

اجود الناس صدرا:۔ سینہ سخی ہو، چونکہ سخاوت کا تعلق سینے کی وسعت اور دل کے انشراح سے ہے اس لئے وسعت ظرف اور سخاوت کے اظہار کے لئے یہ ترکیب استعمال کی گئی ہے، کسی چیز کا نام اس کے محل سے کر دینے کے قبیل سے ہے۔

لهجة:۔ لام پر فتحہ ہا، ساکن، زبان، لہجہ، مراد ہے کہ قول میں سچے۔

عريكة:۔ طبیعت، نرم طبیعت کے، کہ آنحضور کے مزاج کی نرمی، ملائمت، حلم و تواضع کو بتایا جا رہا ہے۔

عشيرة:۔ قبیلہ کے ہم وزن وہم معنی، عشرۃ کی روایت بھی آئی ہے، اس کے معنی صحبت، میل جول کے ہیں، دونوں مفہوم ادا ہو سکتے ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ کے لحاظ سے اشرف تھے اور تمام لوگوں میں معاشرت اور اختلاط کے لحاظ سے بہتر اصحاب کے ساتھ تھے

تشریح

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان اصحاب رسول میں سے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیحد قریب اور ساتھ رہے ہیں، وہ آنحضورؐ کا حلیہ مبارک تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، علاوہ ان باتوں کے جو گذشتہ احادیث میں مذکور ہیں یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپؐ کا چہرۂ مبارک بھی بہت حسین اور مردانہ وجاہت کا حامل تھا، چہرۂ انور بالکل گول تو نہیں البتہ تھوڑی سی گولائی لئے ہوئے تھا، اور پھولا ہوا نہیں تھا جو بھدا معلوم ہو، بالکل ستواں، جسم مبارک بھی معتدل، بہادری اور قوت کا آئینہ دار، مضبوط ہڈیوں والے، آنکھیں بھی بیحد حسین، لمبی گھنی پلکیں اور پتلیاں سیاہ، بدن مبارک پر بے تکا بال ہو ایسا بھی نہیں، بس سینے پر ایک لکیر سی بالوں کی جس کا سلسلہ ناف تک جاتا ہوا، جس سے مردانہ وجاہت میں اضافہ ہوتا تھا، رفتار میں قوت، تواضع، اور جب کسی کی جانب مڑنا ہو یا متوجہ ہونا ہو تو مکمل طور پر گھوم کر تاکہ معلوم ہو مخاطب اور ملتفت الیہ کی جانب پورے طور پر متوجہ ہیں۔ دونوں مونڈھوں کے درمیان کاندھے پر مہر نبوت نمایاں، لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، نرم طبیعت کے، کشادہ دل اور سخی اور خاندانی لحاظ سے بھی معظم، ان کی ظاہری شان و شوکت بھی ایسی

کہ جب آدمی پہلے پہل نظر ڈالے تو مبہوت رہ جائے اور اس پر رعب طاری ہو جائے، اور
جب مستقل طور پر ان کے ساتھ رہنا ہو تو یہی رعب ان سے بے انتہا محبت میں تبدیل ہو جائے
ان کے بارے میں اگر کوئی حلیہ بیان کرنا چاہے تو لازمی طور پر یہی کہے گا کہ ایسی شخصیت نہ
پہلے دیکھی اور نہ بعد میں۔

(۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَيْرِ بْنِ
عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ إِمْلَاءً عَلَيْنَا مِنْ كِتَابِهٖ قَالَ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِنْ
بَنِيْ تَمِيْمٍ مِنْ وَلَدِ أَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكَنّٰى أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ
لِأَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ أَبِيْ هَالَةَ
وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَشْتَهِيْ أَنْ
يَّصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْئًا أَتَعَلَّقُ بِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، أَطْوَلَ مِنَ
الْمَرْبُوْعِ وَأَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ، عَظِيْمَ الْهَامَةِ رَجِلَ الشَّعْرِ إِنِ انْفَرَقَتْ
عَقِيْقَتُهٗ فَرَقَهَا وَإِلَّا فَلَا يُجَاوِزُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ إِذَا هُوَ وَفَّرَهٗ،
أَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِيْنِ، أَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ فِيْ غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَا
عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ، أَقْنَى الْعِرْنِيْنِ، لَهٗ نُوْرٌ يَعْلُوْهُ يَحْسَبُهٗ مَنْ
لَمْ يَتَأَمَّلْهُ، أَشَمَّ كَثَّ اللِّحْيَةِ، سَهْلَ الْخَدَّيْنِ ضَلِيْعَ الْفَمِ مُفَلَّجَ
الْأَسْنَانِ، دَقِيْقَ الْمَسْرُبَةِ، كَأَنَّ عُنُقَهٗ جِيْدُ دُمْيَةٍ فِيْ صَفَاءِ الْفِضَّةِ،
مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ، بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ عَرِيْضُ الصَّدْرِ، بَعِيْدُ
مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ أَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ، مَوْصُوْلُ مَا بَيْنَ
اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِيْ كَالْخَطِّ، عَارِي الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰى
ذٰلِكَ، أَشْعَرُ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَأَعَالِي الصَّدْرِ، طَوِيْلُ الزَّنْدَيْنِ
رَحْبُ الرَّاحَةِ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، سَائِلُ الْأَطْرَافِ أَوْ قَالَ
شَائِلُ الْأَطْرَافِ، خُمْصَانُ الْأَخْمَصَيْنِ مَسِيْحُ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُوْ عَنْهُمَا

الْمَاءُ، إِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا، يَخْطُو تَكَفِّيًا وَيَمْشِي هَوْنًا ذَرِيعُ الْمِشْيَةِ إِذَا مَشَى كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيعًا، خَافِضُ الطَّرْفِ نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَكْثَرُ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ، جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ، يَسُوقُ أَصْحَابَهُ وَيَبْدُرُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ.

ترجمہ:۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے) سے دریافت کیا وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک بیان کرتے تھے، اور میری خواہش تھی کہ مجھے بھی سنائیں تاکہ اپنے لئے محفوظ رکھوں اور ویسا ہی بننے کی کوشش کروں تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود عظیم تھے اور دوسروں کے نزدیک بھی معظم، آپ کا چہرۂ انور چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا، آپ کا قد میانہ قد والوں سے کچھ نکلتا ہوا تھا اور زیادہ لمبے قد والے کے لحاظ سے کچھ چھوٹے تھے، سر مبارک بڑا تھا، ہلکے خم دار بالوں والے تھے، اگر بالوں میں مانگ نکل آئے تو مانگ نکالتے ورنہ اس کا اہتمام نہیں فرماتے، جب آپ بال بڑھاتے تو وہ کانوں کی لوتک آجاتے، چمکدار کھلتا ہوا رنگ تھا، کشادہ پیشانی والے تھے، لمبے اور خمدار گھنے بھوؤں تھے، دونوں ابرو الگ الگ، ان کے بیچ میں ایک رگ تھی جو غصہ میں ابھر جاتی آپ کی ناک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک نور تھا، بغیر غور کئے دیکھنے والا بلند اور اونچی خیال کرتا، آپ گھنی داڑھی والے اور ہموار رخسار والے، کشادہ دہن تھے، دانتوں کے درمیان تھوڑی کشادگی تھی، سینے پر بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، گویا آپ کی گردن مورتی کی طرح خوبصورت تراشی ہوئی چاندی کی طرح صاف تھی، آپ کا جسم مکمل طور پر معتدل اور پر گوشت اور گٹھا ہوا تھا، پیٹ اور سینہ برابر، دونوں مونڈھوں کے درمیان نسبتہً زیادہ فاصلہ، جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط اور بھاری، کپڑا اتارنے کی حالت میں آپ کا بدن روشن اور چمکدار ہوتا، سینہ اور ناف کے درمیان بال

کی باریک لکیر جاتی ہوئی جیسے کوئی لائن ہو، اس کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی، البتہ دونوں بازوؤں اور مونڈھوں نیز سینے کے بالائی حصہ میں کچھ بال تھے، دونوں کلائیاں طویل اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں، دونوں ہاتھ اور پیر پُر گوشت، انگلیاں لمبی تلوے مکمل زمین سے لگ جانے والے نہیں بلکہ کچھ گہرے، اور دونوں پاؤں ہموار چکنے، کہ پانی ان سے چکنے پن کی وجہ سے فوراً ڈھل جاتا، جب پاؤں اٹھاتے تو پوری قوت سے اور آگے کی طرف جھک کر چلتے تو بہت آہستہ قدم پڑتا، تیز رفتار تھے، قدم فاصلہ کے ساتھ رکھتے، چلتے تو لگتا کہ اتر رہے ہوں، جب مڑتے تو مکمل طور پر، نظریں جھکائے رکھتے، زمین کی طرف آپ کی نظریں بہ نسبت آسمان کی طرف اٹھانے کے زیادہ رہتیں۔ آپ کا دیکھنا زیادہ تر گوشۂ چشم سے ہوتا، ساتھ چلتے ہوئے اپنے اصحاب کو آگے رکھتے، کوئی ملتا تو سلام میں سبقت فرماتے۔

تحقیق

فَخْمًا: فاء پر فتحہ اور خاء ساکن، عظیم تر، مُفخمًا اسم مفعول باب تفعیل سے، دوسروں کی نظروں میں عظیم اور باعزت، یعنی حقیقۃً بھی عظیم تھے اور دیکھنے والوں کی نظروں میں بھی عظیم ترین تھے۔

یتلألأ:۔ باب تفاعل سے چمکنا، منور ہونا، روشن ہونا۔

اطول من المربوع:۔ میانہ قد سے کچھ لمبے، یعنی دور سے دیکھا جاتا تو محسوس ہوتا لمبے ہیں مگر حقیقۃً میانہ قد کے تھے۔

المشذّب:۔ مفعول کا صیغہ، باب تفعیل سے بہت زیادہ لمبا، جو واقعۃً لمبا ہو اور نمایاں ہو،

الھامۃ:۔ میم بغیر تشدید کے، سر، کھوپڑی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر بڑا تھا، مگر اعتدال کے ساتھ

انفرقت:۔ جدا ہوا، باب تفعیل سے آئے تو جدا کرنا، اور ثلاثی مجرد میں بھی معنی جدا کرنا۔

عقیقۃ: سر کے بال، اس کے اصل معنی ہیں بچے کے پیدائشی بال، اس کو مونڈنے سے پہلے، مجازاً اس کو مطلق بال کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

وفرہ :- باب تفعیل سے بڑھانا، زیادہ کرنا، آپؐ جب بال چھوڑ دیتے، نہ سمیٹتے، تو وہ کانوں سے بڑھ جاتے تھے۔

ازھرالون :- سفید رنگ، روشن، کھلتا ہوا، سرخی آمیز۔

واسع الجبین :- پیشانی کشادہ، حقیقۃً در نہ یہ مفہوم ہوگا کہ پیشانی پر بل نہ ڈالتے، کھلی رہتی

ازج الحواجب :- ابرو، کمان کی طرح اور طویل، حاجب کے معنی رکاوٹ، چھپانے والا، کیونکہ وہ آنکھوں کے لئے رکاوٹ ہیں۔

سوابغ :- مکمل گھنے، حواجب سے حال واقع ہے، یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے، واحد سابغۃ۔

فی غیر قرن :- دونوں ابرو ملے ہوئے نہیں تھے، کہا جاتا ہے رجل اقرن جسکے ابرو ملے ہوئے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ابرو گھنے اور لمبے تھے مگر بالکل ہی ملے ہوئے نہیں بلکہ وہاں ذرا فصل بھی تھا ایک رگ کی صورت میں۔

یُدِرُّہٗ :- باب افعال سے، بھر دینا مراد غصہ کی حالت میں اس میں حرکت ہوتی اور رگ ظاہر ہو جاتی۔

اقنی العرنین :- ناک لمبی۔ قنا کے معنی ناک کی لمبائی اور باریکی۔

اشم :- ناک کی پھنگل اٹھی ہوئی اور بلند۔

کث اللحیۃ :- گھنی ڈاڑھی والے کث کے معنی کثیف

سھل الخدین :- سھل ہموار، الخد، رخسار۔

ضلیع الفم :- کشادہ دہن، اس کے معنی عظیم الفم بھی ہے اس میں دراصل قوت فصاحت وبلاغت کا اظہار مقصود ہے، منہ کا بڑا ہونا نہیں۔

مفلج :- باب تفعیل سے مفعول کا صیغہ کھلا کھلا، ایک دوسرے سے بالکل پیوست نہیں

جید دمیۃ :- تراشی ہوئی گردن، سڈول، ہموار اور خوبصورت، جید بمعنی عنق، دمیۃ مورتی، تصویر، یعنی گردن معتدل حد تک لمبی اور خوبصورت جیسے کسی فنکار نے تراشا ہو۔

معتدل الخلق :- خار مفتوح یعنی متناسب الاعضاء، یہ جملہ ایک طرح سے تمام تفصیلات،

کا خلاصہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر ہر عضو میں معتدل اور متناسب تھے۔

بادن متماسك۔ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ورنہ مبتدا محذوف کی خبر، بادن کے اصل معنی ہیں بھاری بدن والا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت نہیں ہے مگر یہاں اس سے مراد مضبوط اور قوی بدن۔ اس کی تائید متماسك سے ہوتی ہے یعنی ایسا بدن تھا جو گٹھا ہوا اور کسا ہوا تھا، یعنی آپ کا بدن پر گوشت بھی تھا مگر زیادہ نہیں اور ڈھیلا نہیں بلکہ اس حد تک کہ وہ گٹھا ہوا تھا۔

انور المتجرد:۔ المتجرد بفتح الرار باب تفعیل سے، جس کے کپڑے اتار دیئے گئے ہوں، یہاں یہ مطلب ہوگا کہ بدن کے جس حصہ پر کپڑا رہتا ہے اگر وہاں سے کپڑا ہٹا دیا جائے تو روشن اور چمکدار ہو، یہ بکسر الرار ہو تو اسم فاعل ہوگا اور مراد ہوگا کہ بدن کا وہ حصہ جو کپڑوں سے خالی ہو۔

اللبة:۔ لام کے فتحہ کے ساتھ سینے کے اوپر جو ہڈی نکلی ہوئی ہوتی ہے یا جو قلادہ ڈالنے کی جگہ ہوتی ہے۔

عاری الثدیین۔ سینے کے دونوں کناروں اور پیٹ کے کسی حصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہیں تھے سوائے اس کے جو سینہ سے ناف تک ایک لکیر کی صورت میں تھے۔

اشعر:۔ بالوں والا، یہ اجرد کی ضد ہے، اس عبارت سے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کلائیوں پر مونڈھوں پر اور سینے کے بالائی حصہ پر آنحضور کے بال تھے، یہ حصے بالوں سے خالی نہیں تھے۔

الزندین:۔ زار مفتوح، نون ساکن۔ دونوں بازوؤں کے ہڈیوں کے کنارے، قاموس میں ہے کہ جو حصہ انگلیوں سے ملا ہوا ہے ہاتھ کا وہ مراد ہے۔

رحب الراحة:۔ کشادہ ہتھیلی ظاہری معنی میں بھی اور معنوی طور پر بھی، ہتھیلیاں کشادہ تھیں، یا یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کھلا ہوا تھا، سخاوت کا اظہار مقصود ہو سکتا ہے۔

سائل الاطراف:۔ کنارے لمبے، یعنی انگلیاں لمبی، ایک قول یہ بھی ہے کہ ہاتھوں کی لمبائی مراد ہے جو حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔

شائل:۔ اس کا مفہوم بھی سائل ہی کا سا ہے، انگلیوں کی لمبائی، ارتفاع الاصابع۔

خُمصَان الاخمصین، خُمص۔ بضم النحار، پیٹ کا اندرونی حصہ، ابن اثیر کہتے ہیں

کہ الاخمص من القدم کا مطلب ہے، پیر کے نیچے کا وہ حصہ جو چلتے ہوئے زمین سے نہ لگے خمصان الاخمصین کا مفہوم ہوگا پاؤں کے نیچے کا وہ حصہ جو زمین سے بالکل علیحدہ رہے، مبالغہ کے ساتھ۔

مسیح :۔ یعنی چکنا، ہموار، دراڑ نہیں، تڑگاف نہیں، نبی کریم کے پاؤں مبارک نہایت موزوں اور چکنے کہ اگر اس پر پانی ڈالا جائے تو فوراً نیچے چلا جائے، کوئی ایسی جگہ نہیں تھی کہ پانی وہاں رک جائے۔

زال قلعًا :۔ زال، جب آپ چلتے، قدم اٹھاتے، اپنی جگہ چھوڑتے قلعًا، بفتح القاف وسکون اللام، پاؤں مکمل طور پر اور پورے زمین سے اٹھاتے، گھسٹنے کی کیفیت نہیں ہوتی جو متکبرین کا انداز ہوتا ہے۔

یخطو :۔ خطوۃ باب نصر سے چلنا۔

ھونا :۔ آہستہ، یہ موصوف محذوف مشیا کی صفت ہوگی، یا پھر حال ہر گا ھینا کے معنی میں، مطلب یہ کہ آپ اس طرح چلتے آہستگی کے ساتھ جس میں سکون، وقار اور بردباری محسوس ہوتی، نہ پیر پٹخنے اور جوتے رگڑنے کی کیفیت ہوتی اور نہ کسی قسم کی اکڑ ہوتی۔

ذریع المشیۃ :۔ میم کے کسرہ کے ساتھ، عام رفتار، تیز روی، لمبے قدم، کہ آنحضور اسطرح چلتے کہ اس میں تیز رفتاری ہوتی، محسوس ہوتا کہ فاصلہ سمٹتا جا رہا ہے۔

خَافِضٌ :۔ یہ مرفوع ہے خبر کی بنیاد پر مبتدا ھو محذوف مان کر، خفض کے معنی جھکانا، نیچے کرنا۔

الطَّرْف :۔ فتحہ، راء ساکن، آنکھ، گوشہ۔

جُلّ نظرۃ :۔ جل جیم پر ضمہ لام مشدد، زیادہ تر، عام طور پر۔

الملاحظۃ :۔ مفاعلت ثلاثی لَحَظَ آنکھوں کے کنارے سے دیکھنا، عام حالات میں دیکھنے کا انداز۔

یسوق :۔ باب نصر، آگے کر دینا، بڑھا دینا، آپ اپنے ساتھیوں کو خود سے آگے رکھتے۔

یبدر :۔ باب نصر، پہل کرتے بمعنی یسبق، یبادر۔

تشریح یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک کے بیان میں سب سے مفصل اور طویل ہے، آپ کے پروردہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ہند بن ابی ہالہ خاص طور پر آنحضور کا حلیۂ مبارک بیان کرنے والوں میں سے ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اسی واسطے ان سے آپؐ کا تفصیلی حلیہ معلوم کر رہے ہیں کہ وہ تو خود کم عمر تھے اس لئے آپ کے نقوش اور تمام تفصیلات ان کو یاد نہیں تھے، ان کو محفوظ رکھنے اور اس پر قائم رہنے کے ارادہ سے اپنے ماموں سے دریافت کر رہے ہیں اور یہاں پر یہ صرف حلیۂ مبارک پر مشتمل ہے مگر کتاب کے اخیر میں یہی حدیث دو جگہ اور مذکور ہے، جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات و مشغولیات نیز اہل مجلس کے ساتھ برتاؤ کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے۔

(۸) حَدَّثَنَا اَبُوْمُوْسٰی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيْعُ الْفَمِ اَشْكَلُ الْعَيْنِ، مَنْهُوْسُ الْعَقِبِ قَالَ شُعْبَةُ قُلْتُ لِسِمَاكٍ مَا ضَلِيْعُ الْفَمِ قَالَ عَظِيْمُ الْفَمِ قُلْتُ مَا اَشْكَلُ الْعَيْنِ، قَالَ طَوِيْلُ شَقِّ الْعَيْنِ قُلْتُ مَا مَنْهُوْسُ الْعَقِبِ قَالَ قَلِيْلُ لَحْمِ الْعَقِبِ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ دہن تھے، آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے، ایڑی میں گوشت کم تھا۔

تحقیق ضلیع الفم:۔ اس کا ترجمہ خود حضرت سماک جو راوی ہیں انھوں نے عظیم الفم کیا ہے، فراخ دہن تھے جو عبارت ہے کمال فصاحت وبلاغت سے۔

اشکل العین: امام ترمذی نے اس کا جو ترجمہ نقل کیا ہے وہ ہے طویل شق العین یعنی آنکھوں کے کنارے طویل تھے، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہ حضرت سماک سے وہم ہوا ہے، ورنہ درست معنی وہ ہے جو تمام علماء اور اصحاب لغت کہتے ہیں الشکلۃ یعنی آنکھوں کی سفیدی

میں سرخی جو عربوں کے نزدیک بے حد محبوب ہے اور جس سے خوبصورتی نمایاں ہوتی ہے ۔آنکھیں مخمور معلوم ہوتی ہیں ۔

منھوس العقب :۔ ایڑی میں جس کے گوشت کم ہو۔ المنھوس اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بدن میں گوشت کم ہو، یہاں پر العقب کی قید لگا کر صرف ایڑی میں کم گوشت ہونے کو بتا رہے ہیں۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فراخ دہن تھے، یہ اصل میں کنایہ ہے آپ کی فصاحت لسانی سے، مزید اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ کی آنکھیں خمار آلود محسوس ہوتیں کیونکہ آنکھوں کی سفیدی میں ہلکی ہلکی سرخی تھی جیسے ڈورے ہوں، نیز یہ کہ آپ کے جسم اطہر پر گوشت مناسب تھا مگر ایڑی میں گوشت کم تھا ۔

(۹) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا عَبْثَرُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَشْعَثَ يَعْنِي ابْنَ سَوَّارٍ عَنْ اِسْحَاقَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ لَيْلَةٍ اِضْحِيَانٍ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاِلَى الْقَمَرِ، فَلَهُوَ عِنْدِيْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ ۔

ترجمہ :۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ چاندنی رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس حال میں کہ آپ کے بدن پر سرخ جوڑا تھا تب میں ان کو دیکھنے لگا اور پھر چاند کو ۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ میرے نزدیک چاند سے بھی زیادہ حسین لگے ۔

تحقیق اِضْحِيَان :۔ ہمزہ مکسور ضاد ساکن اور حاء حطی پر کسرہ، اخیر میں نون پر تنوین اس کے اصل معنی ظاہر ہونے کے ہیں جب کہ یہ صفت ہے لیلۃ کی یعنی لیلۃ مُقمرۃ، چاندنی رات۔

تشریح راوی کہتے ہیں کہ ایک چاندنی رات میں آنحضورؐ سرخ لباس پہنے ہوئے تھے، میں کبھی ان کو دیکھتا اور کبھی چاند کو مگر دل کی بات یہ ہے کہ آپ چاند سے

بھی زیادہ حسین تھے، اس میں اس بات کا اظہار ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور ان کی روشنی تمام دنیا کے لئے ہے ظاہری اور باطنی خوبیوں کے ساتھ، آپ کا نور چاند کی طرح دل پر اثر کرنے والا مگر چاند میں گویائی کہاں، اس میں وہ کمال کہاں، وہ صفات کہاں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں۔

(۱۰) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرُّوَاسِيُّ عَنْ زُهَيْرٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ أَكَانَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ السَّيْفِ قَالَ لَا بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ.

ترجمہ:۔ ایک آدمی نے حضرت برار بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور تلوار کی طرح تھا، انھوں نے جواب دیا نہیں بلکہ چاند کی مانند۔

تشریح سوال کرنے والے نے حضرت برار بن عازب سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کے بارے میں جو پوچھا کہ کیا وہ تلوار کی طرح تھا، تو اس سوال کے دو معنی ہو سکتے تھے، حسن وچمک اور تلوار ہی کی طرح لمبا پن تو اس کے جواب میں حضرت برار نے فرمایا کہ چہرہ کی لمبائی تو تھی ہی نہیں جو بری معلوم ہوتی، رہ گئی چمک کی تو وہ تلوار کی دھار کی طرح تیز نہیں بلکہ چاند کی طرح ملائم اور حسین، ورنہ حقیقت میں تو چاند سے زیادہ حسین اور منور۔

(۱۱) حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْمَصَاحِفِيُّ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ الْأَخْضَرِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْيَضَ كَأَنَّمَا صِيغَ مِنْ فِضَّةٍ، رَجِلَ الشَّعْرِ.

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ رض راوی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح گورے رنگ کے تھے گویا ان کا بدن چاندی سے ڈھالا ہوا ہو، آپ قدرے گھنگھریالے بالوں والے تھے۔

تحقیق صیغ من فضۃ۔ صیغ، صوغ کا ماضی مجہول ہے، ڈھالنا، زیور بنانا تیار کرنا۔ مراد ہے چاندی کی طرح سفیدی چمکتی ہوئی تھی، کہا جاتا ہے صاغ اللہ فلاناً یعنی اس کو بہت اچھا بنایا۔

تشریح اس روایت میں آپ کا رنگ چاندی کے رنگ کے مشابہ قرار دیا ہے، اس سے یہی مراد ہے کہ آپ کا رنگ بالکل صاف تھا اس میں کوئی سیاہی یا سانولا پن نہیں۔ البتہ سرخی کی آمیزش تھی جیسا کہ دوسری روایتوں میں آیا ہے، رنگ صاف اور چمکدار و روشن تھا۔

(۱۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ الْاَنْبِيَاءُ فَاِذَا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ كَاَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ، وَرَاَيْتُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ، وَرَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ الْكَرِيْمَةَ وَرَاَيْتُ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا دِحْيَةُ۔

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو تمام انبیاء پیش کیے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو وہ قبیلہ شنوءۃ کے لوگوں کی طرح معلوم ہوئے، اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو دیکھا تو میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے ان میں عروۃ بن مسعود کے مشابہ دکھائی دیئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو جو زیادہ ملتے جلتے دکھائی

دیئے وہ خود تمھارے ساتھی ہیں، آنحضور یہاں اپنی ذات مراد لے رہے ہیں،
اور جب جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو وہ دحیہ کلبی کے مشابہ نظر آئے۔

تحقیق ضَرْبٌ : ضاد پر فتحہ اور را ساکن ہلکے بدن والا، کم گوشت والا
شنوءۃ : بروزن فَعُوْلَۃ۔ یمن کا ایک مشہور قبیلہ، قاموس میں لکھا ہے کہ یہ
لوگ ہلکے بدن کے ہوتے تھے لیکن یہاں آنحضور کا تشبیہ دینا دراصل ان کی صورت اور انکے
چہروں کے نقوش سے ہے، دبلے پتلے ہونے کے بارے میں آپ پہلے ہی بتا چکے ہیں، اور یہ
اندازہ و تخمیناً ہے کلی طور پر نہیں۔

تشریح اس روایت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت بھی معلوم ہوتی ہے
کیونکہ خود آنحضور ان انبیاء کی خدمت میں پیش نہیں ہوئے ہیں بلکہ خدا
نے آپ کے حضور ان انبیاء کرام کو پیش کیا ہے، اور یہ ملاقاتیں معراج کی رات میں ہوئی
ہیں جیسا کہ دوسری روایتوں سے تصدیق ہوتی ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ آنحضور کو خواب
میں دکھائی دیا ہے، خواب ہی میں تمام انبیاء کی شبیہ آپ نے دیکھی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں روایتیں ملتی ہیں کہ وہ طویل جسامت کے تھے، اس
روایت کے بموجب طویل جسامت کے ساتھ ہی ہلکے بدن کے تھے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
بارے میں آتا ہے کہ وہ جعد مربوع تھے یعنی میانہ قد اور گھنگھریالے بالوں والے، رنگ سرخی
آمیز سانولا پن، کشادہ سینے کے تھے، البتہ اس جگہ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جو ذکر فرمایا ہے
وہ بایں طور کہ وہ انبیاء کے بہت قریب رہے اور ان سے تبلیغ وحی کے سلسلہ میں ملنا جلنا رہا،
حضرت جبرئیل حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے مشابہ ہیں اور حضرت دحیہ ان لوگوں میں سے
ہیں جو عربوں میں حسین ترمانے جاتے تھے اور ان کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا

(۱۳) حَدَّثَنَا محمد بن بشار و سفیان بن وکیع اَلْمَعْنٰی وَاحِدٌ قَالَا
اَخْبَرَنَا یَزِیْدُ بْنُ هٰرُوْنَ عَنْ سَعِیْدِ الْجُرَیْرِیْ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الطُّفَیْلِ
یَقُوْلُ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا بَقِیَ عَلٰى وَجْهِ

الْاَرْضِ اَحَدٌ رَاٰهُ غَيْرِيْ ، قُلْتُ صِفْهُ لِيْ قَالَ كَانَ اَبْيَضَ مَلِيْحًا مُقَصَّدًا ۔

ترجمہ:۔ حضرت سعید جریری روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو طفیل کو یہ کہتے سنا کہ اب روئے زمین پر میرے علاوہ اور کوئی نہیں رہا جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، تو میں نے ان سے آپ کا حلیۂ مبارک بیان کرنے کو کہا انھوں نے فرمایا کہ آپ گورے ملیح اور معتدل جسم کے تھے ۔

تحقیق

مَلِيْحًا ۔ ملح الشئ ملوحة وملاحة حسین ہونا، ملاحة کے معنی صباحت کے بھی لیتے ہیں، یعنی خوبصورتی حسن کے ساتھ ساتھ بدن کی بھی پرکشش ہونا ۔

مُقَصَّدًا : بتشدید الصاد المفتوحہ، متوسط درجہ کے، میانہ روی کے ساتھ، معتدل ۔

تشریح

اس حدیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوبصورت ترین اور ملیح وحسین ومعتدل الجسم ہونے کے بارے میں بتایا گیا اس کے راوی ہیں حضرت ابو الطفیل، جن کا کہنا ہے کہ اب دنیا میں میرے علاوہ کوئی صحابی نہیں رہا جنھوں نے حضور کو دیکھا ہے، یعنی وہ آخری صحابی ہیں جو سب سے زیادہ عرصہ تک آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے ہیں، ان کا نام عامر بن واثلۃ اللیثی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک ان کی عمر صرف آٹھ سال تھی اور آپ نے ۱۰۲ھ میں وفات پائی ہے، علامہ عبد الرؤف مناوی کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہے اور ان کے بعد کوئی صحابی زندہ نہیں رہا ہے ۔

بہرحال ان کے آخری صحابی ہونے میں علماء ومؤرخین کا اتفاق ہے، سوائے چند افراد کے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت معمر مغربی اور بابا رتن ہندی دو ایسے صحابی ہیں جن کی عمر پانچ سو سال سے زائد ہوئی ہے، اور وہ حضرات اس بات کے لئے اپنے طور پر دلیل بھی لاتے ہیں مگر محققین یہ کہتے ہیں کہ قطعی غلط ہے اور یہ دونوں حضرات صحابی نہیں ہیں کذا ذکرہ ابن حجر۔ البتہ خضر علیہ السلام اس قول سے مستثنیٰ ہوں گے، کما اتفق علیہ اہل الصدق ۔

(۱۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ ثَابِتٍ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنِيْ اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنُ اَخِيْ مُوْسٰى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ ۔

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے اگلے دو دانتوں کے درمیان کچھ کشادگی تھی، جب گفتگو فرماتے تو محسوس ہوتا کہ جیسے ایک نور ہے جو دانتوں کے درمیان سے نکل رہا ہے۔

تحقیق

فلج :۔ دانتوں کے درمیان ہلکی کشادگی اور فاصلہ۔

الثنتین :۔ آگے کے دو دانت، منھ میں چار دانت ثنایا کہلاتے ہیں جو سامنے ہوتے ہیں۔

رُئِیَ :۔ بضم الراء وکسر الہمزۃ۔ دکھائی دیتا، محسوس ہوتا، راوی نے رأیت نہیں کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے دیکھنے کو خاص نہیں کرنا چاہتے ہیں کہ جو بھی دیکھتا نور اور روشنی دکھائی پڑتے، صرف مجھے ہی ایسا نہیں دکھائی دیتا۔

تشریح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کے سلسلہ میں جو روایتیں ملتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جملہ دانت کے درمیان ہلکی سی ریخ اور کشادگی تھی، صرف اگلے دانتوں کی تخصیص نہیں ہے، البتہ یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آگے کے جو ثنایا دکھائی دیتے ہیں ان میں جو کشادگی تھی اور جو فاصلہ تھا اس سے آپ کی گفتگو کے وقت ایک نور سا ظاہر ہوتا تھا، اور یہ نور دکھائی دینا یا تو تشبیہ ہے ظاہری چمک سے یا پھر حقیقۃً نور ظاہر ہوتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا ـــــ شارحین شمائل کہتے ہیں کہ امام ترمذی کی روایت کردہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے مگر اس کی تائید دارمی اور طبرانی کی روایت سے ہوتی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ
فِی
خَاتَمِ النُّبُوَّۃ
مہر نبوت کے بیان میں

خاتم بفتح التاء بمعنی آلۂ ختم یعنی مہر، اور بکسر التاء خاتِم، ختم کرنے والا، آخری، لیکن یہاں نبوت کی طرف اضافت کی وجہ سے بفتح التاء مناسب ہے، خاتم بکسر التاء کی اضافت الانبیاء کی جانب کی جاتی ہے جیسے خاتم النبیین (ملا علی قاری)

خاتم نبوت کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے کتفین کے درمیان کاندھے کے پاس گوشت کا ایک ابھرا ہوا ٹکڑا تھا جو آپ کے نبی ہونے کی ایک علامت بھی تھی۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی، جیسا کہ روایت میں آتا ہے حضرت اسماء صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اب وہ نبوت کی نشانی نہیں رہی جو آپ کے وصال کی دلیل ہے،

گرچہ ختم نبوت کی یہ نشانی حلیۂ مبارک کے ضمن میں آتا ہے اس لئے اس کو پہلے باب میں ہی ذکر کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ ایک حدیث میں گذرا بھی ہے مگر امام ترمذی نے مہر نبوت کے بیان کے لئے الگ باب قائم کر کے گویا اس کی اہمیت اور عظمت کی جانب متوجہ بھی کرنا چاہا ہے کہ یہ علاماتِ نبوت میں سے ایک اہم نشانی اور معجزہ ہے۔

اس مہر کی کیفیت اور کمیت کے بارے میں مختلف روایتوں میں الگ الگ سائز اور کیفیت کو بتایا گیا ہے، بظاہر ان میں تعارض بھی معلوم ہوتا ہے مگر محدثین نے ان کو تطبیق دی ہے اور بتلایا ہے کہ اس کی اصل صورت اور حجم کیا ہے، اس کی تفصیل حدیث کے ضمن میں آئیگی

(۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ انا حَاتِمُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدٍ يَقُوْلُ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ وَتَوَضَّاَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلَى الْخَاتَمِ الَّذِيْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَاِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ ۔

ترجمہ :۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں اور ان سے کہا کہ یا رسول اللہ میرا بھانجہ بیمار ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ نے وضو فرمایا تو میں نے وضو کے بچے ہوئے پانی کو پی لیا، اور یوں ہی آپ کی پشت پر کھڑا ہو گیا تو میں نے وہ مہر دیکھی جو آپ کے کتفین کے درمیان تھی وہ مسہری کی گھنڈی کے برابر تھی ۔

تحقیق

وَجِع :۔ بفتح الواو وکسر الجیم ذو وجع تکلیف والا، درد میں مبتلا، مریض، کہیں بھی تکلیف ہو گی، مگر بخاری کی روایت میں لفظ وقع آیا ہے جس کے معنی آتے ہیں پاؤں میں تکلیف کے ۔

وضوء :۔ بفتح الواؤ، وضوء کا باقی ماندہ پانی، مولانا اعزاز علی علیہ الرحمہ نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے هو ماء الوضوء سواء استعمل للوضوء او بقی وفضل بعد الوضوء او استعمل فی الاعضاء للوضوء ۔

البرکۃ :۔ بفتح الباء والراء یہ مشتق ہے برك البعیر سے یعنی اونٹ کو کسی مقام پر ٹھہرایا تو وہ ٹھہر گیا، پھر اس کو خیر کی زیادتی کے معنی میں استعمال کرنے لگے، امام راغب کہتے ہیں کہ برکت کہتے ہیں خدا کی جانب سے کسی چیز میں خیر کا ثبوت، یہاں غالباً عمر میں برکت کی

دعا مقصود ہے۔

ذرالحجلة:۔ ذر کی جمع از رار ہے گھنڈی جو بٹن کے مانند ہوتی ہے، الحجلة: چھپر کھٹ، مسہری، ایک قول کے مطابق اس کے معنی ہیں کبک جسے چکور کہتے ہیں، یہ ایک پرندہ ہوتا ہے، جو اس کا پہلا معنی مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسہری میں گھنڈی ہوتی ہے اس کے برابر ختم نبوت بھی تھی، اور جو پرندہ مراد لیتے ہیں ان کے نزدیک پرندہ کے انڈے کی طرح مہر نبوت کا ہونا مراد ہے۔

تشریح حضرت سائب بن یزید مشہور صحابی ہیں، سنہ ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے دادا کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کی ہے یہ ابھی صغر سن ہیں ان کو کوئی تکلیف ہوئی تو ان کی خالہ (نام معلوم نہیں) آنحضور کی خدمت میں لے گئیں اور آنحضورؐ سے کہا کہ یہ درد میں مبتلا ہے، آپ نے شفقت سے ان پر ہاتھ پھیرا ہے اور برکت کی دعا دی ہے، پھر آپ نے وضو فرمایا جس کا مقصد ان کو وضو کا پانی بھی بغرض دوا پلانا ہے انھوں نے پانی پیا اور پھر آپ کی پشت پر چلے گئے وہاں دونوں مونڈھوں کے درمیان جو مہر نبوت نمایاں تھی وہ دیکھی، جس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ گھنڈی کے برابر تھی۔

اس حدیث میں دو چیزیں توضیح طلب ہیں، ایک یہ کہ انھوں نے وضو کا پانی پیا ہے، اسی سے شوافع یہ استدلال کرتے ہیں کہ ماء مستعمل طاہر و مطہر ہے، جب کہ یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ یہ محقق نہیں کہ انھوں نے اس پانی کا کون سا حصہ پیا ہے، اور وضو بفتح الواو بہت سے مفہوم پر مشتمل ہے، احناف کہتے ہیں کہ باقی ماندہ پانی تھا جو بہر حال پاک ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آنحضور کا جھوٹا، فضلہ، ماء مستعمل سب پاک ہیں ان کے اوپر دوسروں کے معاملات کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری چیز اس میں زر الحجلة کی بحث ہے، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ جمہور نے اس کا ترجمہ مسہری کی گھنڈی ہی کیا ہے، مگر کچھ افراد اس کا مطلب چکور کے انڈے سے لیتے ہیں جو کہتے ہیں کہ دوسری روایت میں بیضة الحمامہ کا لفظ اس کی تائید کر رہا ہے، امام ترمذی نے بھی جامع ترمذی میں یہی ترجمہ کیا ہے۔

مہر نبوت کے سلسلہ میں مختلف طرح کی روایتیں ہیں کہیں تو راوی نے مسہری کے بٹن کی مانند بتایا ہے، کہیں کبوتر کے انڈے کے برابر، کہیں بالوں کا مجموعہ، کہیں گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا کہیں سرخ غدود کہیں ہرے رنگ کا ٹکڑا اور کسی جگہ نور کا لفظ آیا ہے، لیکن علماء کہتے ہیں کہ ان روایات میں حقیقت میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ دیکھنے والوں نے دیکھا اور اپنی منشا کے مطابق اس کی تشبیہ دیدی، لیکن سبھوں نے گویا یہ ضرور بتایا کہ گوشت کا ایک ٹکڑا سا تھا جو نمایاں تھا، بعض اصحاب نے مزید یہ روایت کی ہے کہ اس کے اردگرد بال بھی تھے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بالوں ہی کا کوئی مجموعہ ہو، امام قرطبی کہتے ہیں کہ جو احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت ایک سرخ رنگ کی ابھری ہوئی چیز تھی جو ان کے کاندھے کے بائیں جانب تھی، کبھی یہ کم بھی ہوتا تو کبوتر کے انڈے کے برابر ہو جاتی اور کبھی اس میں زیادتی بھی ہوتی تب یہ مٹھی بھر ہو جاتی۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ اس پر عبارت بھی لکھی ہوئی تھی محمد رسول اللہ، یا سر فانک المنصور، اس پر ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے، ابن حبان کا وہم ہے،

(۲) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطَّالَقَانِيُّ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ بْنُ جَابِرٍ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُدَّةً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ ۔

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے مہر نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کاندھوں کے درمیان دیکھی ہے جو سرخ غدود ہے جیسے کبوتر کا انڈا۔

تحقیق غُدَّةٌ: بضم المیم، گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا جسے اردو میں غدود کہتے ہیں، یعنی اس کے مشابہ۔

حمراء:- سرخ، یہ صفت ہے مگر یہاں مفہوم ہے سرخی مائل، کیونکہ مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ کے جسد مبارک ہی کے رنگ کا تھا، اس طرح تطبیق ہو جائے گی۔

بیضة الحمامة:- کبوتر کا انڈا، یہ تشبیہ مقدار اور صورت میں ہے، یعنی اس کے برابر بیضوی شکل میں۔

تشریح اس حدیث میں کبوتر کے انڈے کے مشابہ مہر نبوت کو قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسی کے برابر یہ گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا جو سرخی مائل تھا اس میں خاص چمک اور روشنی تھی۔

(۳) حَدَّثَنَا اَبُوْمُصْعَبٍ الْمَدَنِيُّ اَخْبَرَنَا يُوْسُفُ بْنُ الْمَاجِشُوْنَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَبْنِ قَتَادَةَ عَنْ جَدَّتِهٖ رُمَيْثَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْاَشَاءُ اَنْ اُقَبِّلَ الْخَاتَمَ الَّذِيْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِنْ قُرْبِهٖ لَفَعَلْتُ يَقُوْلُ لِسَعْدِبْنِ مُعَاذٍ يَوْمَ مَاتَ اهْتَزَّ لَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ۔

ترجمہ:- حضرت رمیثہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی اور میں ان کے اتنا قریب تھی کہ اگر چاہتی تو مہر نبوت کو بوسہ دے لیتی، حضرت سعد بن معاذ کے بارے میں یہ فرمایا کہ جس دن ان کا انتقال ہوا اس دن خداوند قدوس کا عرش بھی ہل گیا۔ (جھوم اٹھا)

تحقیق اقبل:- باب تفعیل سے، بوسہ دینا، چومنا۔

اھتز:- باب افتعال سے، ہل جانا، حرکت میں آجانا مشتق از ھز باب نصر۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن معاذ کی فضیلت اور ان کے شان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی وفات کا اثر عرش پر بھی تھا، آپ جس وقت

یہ بیان فرما رہے ہیں ایک صحابیہ حضرت رمثیہ آپ کے بہت قریب بیٹھی ہوئی ہیں، اتنی قریب کہ وہ خود کہتی ہیں اگر میں چاہتی تو ان کی مہر نبوت کو چوم سکتی تھی۔
حدیث میں خاتم النبوۃ کا ذکر ہے اس لئے اس باب کے تحت اس کو ذکر کیا گیا ہے۔
حضرت سعد بن معاذ بڑے جلیل القدر ہیں، ان کی فضیلت اور عظمت شان ہے کہ جب وفات ہوئی ہے تو اس کے غم میں عرش خداوندی ہل گیا ہے، غم اور خوشی دونوں مفہوم متبادر ہوتا ہے، اور محدثین نے دونوں معنوں کو لکھا ہے، پھر اس احتزاز و حرکت سے مراد یا تو خود عرش کا جھومنا ہے کہ استبشاراً بقدومہ تھا یا غضباً علی قاتلہ، دوسری توجیہ علماء یہ کرتے ہیں کہ اس حرکت سے مراد ہے کہ حاملین عرش میں خوشی ہوئی تھی، ایسی صورت میں یہاں مضاف محذوف ہوگا اھتزلہ اھل العرش یا حملۃ العرش، یہ روایت صحیحین میں بھی اسی عبارت کے ساتھ منقول ہے

(۴) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَنْبَأَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلٰى غُفْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ اِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ وَقَالَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ .

ترجمہ:۔ راوی ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں کہتے ہیں کہ جب حضرت علی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرماتے تو مکمل حدیث ذکر کرتے اور پھر یہ بھی کہتے کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم الانبیاء تھے۔

تشریح

ابراہیم بن محمد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کا حوالہ دے رہے ہیں وہ حلیۂ مبارک کے بیان میں گذر چکی ہے، اس باب کے تحت اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں مہر نبوت کا تذکرہ ہے اور اس کے محل وقوع کو بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضور کی پشت مبارک پر دونوں مونڈھوں کے درمیان میں تھی اور یہ مہر علامت تھی اس بات کی کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں، نبوت کے جاری رہنے کا جو سلسلہ تھا وہ اختتام کو پہونچ گیا ہے جس کے لئے آپ کی شخصیت پر مہر نبوت کے طور پر نشانی بھی ڈالدی گئی ہے گویا یہاں نبوت کا مضمون انتہار کو پہونچ گیا ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَاصِم اَخْبَرَنَا عزرة بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنِيْ عَلْبَاءُ بْنُ اَحْمَرَ الْيَشْكُرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْزَيْد عَمْرُو بْنُ اَخْطَبَ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا زَيْد اُدْنُ مِنِّيْ فَامْسَحْ ظَهْرِيْ فَمَسَحْتُ ظَهْرَهٗ فَوَقَعَتْ اَصَابِعِيْ عَلَى الْخَاتَمِ قُلْتُ وَمَا الْخَاتَمُ قَالَ شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ۔

ترجمہ:- حضرت ابوزید عمرو بن اخطب الانصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ابوزید قریب ہوجاؤ اور میری پیٹھ مل دو میں نے آپ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو میری انگلیاں مہر نبوت پر لگ گئیں، ابوزید سے روایت کرنے والے حضرت علباء بن احمر نے ابوزید سے پوچھا کہ وہ مہر نبوت کیا تھی تو انھوں نے جواب دیا کہ بالوں کا مجموعہ تھا۔

تحقیق

ادن: قریب ہوجاؤ، فعل امر از دُنُوّ باب نصر، قریب ہونا۔

امسح: امر از مَسَحٌ چھونا، رگڑنا، ملنا، باب فتح۔

شعرات: بفتحتین، شعرة کی جمع ہے بال، مطلب بالوں کا مجموعہ، ایک جگہ بال اکٹھے ہوں تو وہ شعرات مجتمعات کہلائے گا۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوزید کو اپنی کمر ملنے کا جو حکم دیا تو وہ اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ آپ پشت پر کوئی تکلیف یا کھجلاہٹ محسوس کر رہے ہونگے یا اس وجہ سے کہ آپ ابوزید کو مہر نبوت دکھلانا چاہتے ہوں مگر اس لطیف انداز میں فرمایا کہ انھیں یہ محسوس نہ ہو اس لئے فرمایا کہ ذرا کھجلادو۔

اس روایت میں راوی کہتے ہیں کہ مہر نبوت دراصل بالوں کا ایک مجموعہ تھا جب کہ دیگر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گوشت کا ابھرا ہوا حصہ تھا، دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اصلاً تو وہ غدۂ حمراء ہی ہے مگر اس کے اردگرد بال بھی ہیں، اور چھونے سے بال ہی معلوم ہوں گے، اور یہاں پر راوی نے یہی تو بتایا کہ میری انگلیاں پڑگئی ہیں مہر نبوت پر، اس طرح چھو کر دیکھنے سے تو معلوم ہوتا کہ وہ کچھ بال ہیں جو ایک جگہ اکٹھے ہیں، البتہ آنکھوں سے دیکھنے کی صورت میں ہی واضح طور پر پتہ چلتا کہ غدود کی طرح ابھرا ہوا ٹکڑا تھا جس کے گرد کچھ بال بھی تھے۔

(٦) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ الْخُزَاعِيُّ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ بُرَيْدَةَ يَقُوْلُ جَاءَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بِمَائِدَةٍ عَلَيْهَا رُطَبٌ فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا سَلْمَانُ مَا هٰذَا فَقَالَ صَدَقَةٌ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَصْحَابِكَ فَقَالَ ارْفَعْهَا فَاِنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ فَرَفَعَهَا فَجَاءَ الْغَدَ بِمِثْلِهٖ فَوَضَعَهٗ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا سَلْمَانُ فَقَالَ هَدِيَّةٌ لَكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ اُبْسُطُوْا ثُمَّ نَظَرَ اِلَى الْخَاتَمِ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰمَنَ بِهٖ وَكَانَ لِلْيَهُوْدِ فَاشْتَرَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا عَلٰى اَنْ يَغْرِسَ

لَهُمْ نَخْلاً فَيَعْمَلَ سَلْمَانُ فِيْهِ حَتّٰى تُطْعِمَ فَغَرَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ اِلَّا نَخْلَةً وَاحِدَةً غَرَسَهَا عُمَرُ فَحَمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ عَامِهَا وَلَمْ تَحْمِلِ النَّخْلَةُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَانُ هٰذِهِ النَّخْلَةِ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا غَرَسْتُهَا فَنَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَرَسَهَا فَحَمَلَتْ مِنْ عَامِهٖ .

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ جب مدینہ تشریف لائے تو حضرت سلمانؓ ایک خوان لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جس میں تازہ کھجوریں تھیں اور آپ کے سامنے رکھ دیا، آنحضورؐ نے دریافت فرمایا کہ سلمان! کیسی کھجوریں ہیں، انھوں نے جواب دیا: یہ آپ کے اور آپ کے احباب کیلئے صدقہ ہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر تو انھیں اٹھالو کیونکہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ سلمان وہ خوان وہاں سے اٹھالے گئے، اگلے دن پھر لے آئے اور آپ کے سامنے رکھ دیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کے لئے ہدیہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احباب سے فرمایا کہ دسترخوان بچھالو اور ہاتھ بڑھاؤ، پھر حضرت سلمان نے آپ کی مہر نبوت دیکھی تو ایمان لے آئے ابھی سلمان ایک یہودی کی ملکیت میں تھے، آنحضورؐ نے اس یہودی سے ان کو اتنے درہموں کے ذریعہ خرید لیا اس شرط پر کہ حضرت سلمان ان کے لئے کھجور کے درخت لگائیں گے اور اس میں پھل دینے تک کام بھی کریں گے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کھجور کے درخت بو دیئے البتہ ایک درخت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لگایا تو جو درخت آپؐ نے بوئے تھے اس نے تو اسی سال پھل دینا بھی شروع کر دیا سوائے اس کھجور کے جو حضرت عمرؓ نے لگایا تھا، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس ایک درخت کا کیا معاملہ ہے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا یارسول اللہ! یہ اس درخت کو میں نے لگایا تھا، پھر آپ نے وہ درخت اکھاڑا اور دوبارہ سے

بودیا تو وہ درخت بھی اسی سال سے پھل دینے لگا۔

تحقیق

مائدہ :۔ خوان، دسترخوان۔ وہ خوان جس میں کھانے کی کوئی چیز ہو، کھجوریں طعام کے ضمن میں آتی ہیں اس لئے مائدہ کا لفظ لایا گیا، ورنہ جو کھجوروں کو طعام نہیں مانتے بلکہ فواکہ کے تحت مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہاں مائدہ مجازاً استعمال ہوا ہے۔

علیہا رطب :۔ یہ جملہ مائدہ کی صفت واقع ہے۔ رطب کے معنی تر کھجور، تازہ کھجور اس روایت میں رطب کا ذکر آیا ہے، اور بعض روایتوں میں حضرت سلمان فارسی کے اسی واقعہ کے ضمن میں لحم کا تذکرہ ہے اور بعض میں ثرید کا، تو ان روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ تینوں چیزیں رہی ہوں گی، روایت کرنے والوں نے کسی ایک چیز کو اصل بنا کر اسی کا تذکرہ کر دیا

ما ھذا : یہ کیا ہے؟ عام طور پر اس سے حقیقت دریافت کی جاتی ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ معلوم کر رہے تھے کہ کیسے لائے، کس وجہ سے لائے

یا سلمان :۔ حضرت سلمان کی آپ سے یہ پہلی ملاقات ہے تو آپ کو ان کا نام کیسے معلوم ہو گیا اس سلسلہ میں محدثین مختلف توجیہات بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں ممکن ہے آتے ہی حضرت سلمان نے اپنا نام بتا دیا ہو یا پھر آپ نے صحابہ کرام سے پوچھ لیا ہوگا، یا یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا ہوگا اس لئے نام لے کر مخاطب کر رہے ہیں۔

الصدقة :۔ خیرات، ایسا عطیہ جس میں دینے والا ثواب آخرت کی امید رکھتا ہو، اور یہ اعلیٰ کی جانب سے ادنیٰ کو دیا جاتا ہے۔ اور ھدیہ کے معنی مطلق عطیہ، اس میں دینے والا محبت اور تعلق کا طلب گار ہوتا ہے، صدقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم کے لئے حرام تھا اس لئے آپ نے منع فرما دیا۔

ابسطوا۔ بسط باب نصر سے ہے۔ بچھا دینا، پھیلا دینا، یا ہاتھوں کو بڑھانا، مطلب ہوگا کہ اس خوان کو پھیلا دو تاکہ سب کھائیں، یا یہ مطلب ہوگا کہ اپنے اپنے ہاتھ بڑھاؤ اور کھاؤ۔ ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ خوش کر دو سلمان کو، اسی سے آتا ہے انبساط خوش ہو جانا، یعنی سلمان کا ہدیہ کھا کر اسے خوش کرو۔

بکذا و کذا درھما۔ دوسری روایتوں میں اس کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ ہم اوقیہ

پر معاملہ ہوا تھا اس وقت ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا۔

علی ان یغرس: غرس باب ضرب پودا لگانا، بونا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خریداری کا ذکر یہاں ہے، دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں خریدا ہے بلکہ حضرت سلمان کو فرمایا ہے کہ تم اپنے آپ کو خرید لو یعنی آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنے مالک سے مکاتبت کرو، یہودی مالک نے بدل کتابت میں چالیس اوقیہ نقد طلب کیا اور اس کے علاوہ ایک شرط یہ بھی رکھی کہ سلمان فارسی کھجور کے درخت بوئیں گے اور اس وقت تک اس کی خبر گیری کرتے رہیں گے جب تک ان درختوں پر پھل نہ آجائے، چونکہ حضرت سلمان یہ مشروط بدل کتابت ادا نہیں کرسکتے تھے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تعاون کیا تھا نقد کی صورت میں بھی اور کھجور کے درخت بو کر بھی۔

حملت :- درخت نے پھل دیا۔

تشریح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس کے قریب اصفہان کے رہنے والے تھے، ان کو فارسی کا لقب اس لئے دیا گیا کہ عرب والے غیر عرب کو فارسی بھی کہتے تھے وہ فارس کے رہنے والے نہیں تھے مگر عجمی تھے، ان کے والد کا نام معلوم نہیں، بڑے جلیل القدر صحابی ہیں اور بڑی طویل عمر پائی ہے، ایک قول کے مطابق ساڑھے تین سو سال زندہ رہے ہیں اور صحیح ترین روایت کے مطابق دو سو پچاس سال کی عمر پائی، ابتداء ہی سے علم کا شغف تھا مذہب کی تحقیق و تفتیش میں لگے رہتے، ان کا ایک بھائی مجوسی تھا، اس سے بھاگ کر وہ ملک شام پہونچے ہیں، نصاریٰ کے گرجے میں تشریف لے گئے اور ایک راہب کے پاس رہنے لگے وہاں سے راہبوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیت المقدس بھی پہونچے، عیسائی اور یہودی عالموں کی خدمت میں لگے رہے ان میں سے ایک نے ان کو بتایا کہ اب زمانہ قریب آگیا ہے کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہوں گے، ان کی چند علامتیں ہونگی کہ وہ ہدیہ تو لیں گے مگر صدقہ قبول نہیں کریں گے، اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت بھی ہوگی، حضرت سلمان ایک یہودی کے پاس رہتے تھے، اس نے ان کو بنو قریظہ کے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا اس طرح وہ مدینہ چلے آئے اور خاتم النبیین کی تلاش میں رہے

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے ہیں تو حضرت سلمان کو ان علامات کی تحقیق کا موقعہ ملا، اسی کے سلسلہ میں اس حدیث میں ذکر ہوا ہے کہ وہ کھجور لے کر آئے اور کہا کہ صدقہ ہے تو آپ نے انکار فرما دیا، پھر ہدیہ کہہ کے پیش کیا تو آپ نے قبول فرما لیا اور اپنے اصحاب کے ساتھ نوش فرمایا، یہ دیکھ کر حضرت سلمان کسی حد تک مطمئن ہو گئے اور اب آخری علامت یعنی مہر نبوت دیکھنے کی کوشش میں سرگرداں رہے، ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں شرکت کے لئے جا رہے تھے تو وہ آپ کے پیچھے لگے رہے، آنحضور کو احساس ہوا تو آپ نے اپنے پشت مبارک سے چادر سرکا دی تاکہ وہ مہر نبوت دیکھ لیں، چنانچہ انھوں نے وہ خاتم النبوۃ دیکھا اور ایمان لے آئے، کچھ عرصہ کے بعد آنحضور نے ان سے کہا کہ تم اپنے یہودی مالک سے بدل کتابت کر کے آزادی حاصل کر لو، یہودی نے چالیس اوقیہ اور تین سو کھجور لگانے کی شرط لگائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تعاون فرمایا اور اپنے دست مبارک سے درخت لگائے جو ان کے معجزہ کے طور پر اسی سال پھلدار ہو گئے، ایک درخت حضرت عمرؓ نے بویا تھا اس میں حسب معمول پھل نہیں آیا تو آپ نے اسے اکھاڑا اور دوبارہ درخت لگایا وہ بھی اسی سال پھل دینے لگا، اس طرح حضرت سلمان کو آزادی نصیب ہوئی۔

(۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْوَضَّاحِ اَنْبَأَنَا اَبُوْعَقِيْلِ الدَّوْرَقِيُّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ الْعَوْقِيُّ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيَّ عَنْ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ خَاتَمَ النُّبُوَّةِ فَقَالَ كَانَ فِيْ ظَهْرِهٖ بِضْعَةٌ نَاشِزَةٌ۔

ترجمہ:۔ ابونضرہ العوفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مہر نبوت کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کی پشت مبارک پر گوشت کا ابھرا ہوا ایک ٹکڑا تھا۔

تحقیق

بضعة :- بار مکسور، ضاد ساکن، گوشت کا ٹکڑا، کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یہ ایک لحاظ سے مرفوع بھی ہو سکتا ہے جب کان تامہ ہو، یا یہ کان کا اسم مؤخر ہو، اس کی جمع بضعٌ ہے۔

ناشزة۔ بدن سے اٹھا ہوا۔ ابھرا ہوا، زمین کا ابھرا ہوا حصہ۔

(۸) حَدَّثَنَا اَبُو الْاَشْعَثِ اَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِيُّ الْبَصْرِيُّ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ نَاسٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَدُرْتُ هٰكَذَا مِنْ خَلْفِهٖ فَعَرَفَ الَّذِيْ اُرِيْدُ فَاَلْقَى الرِّدَاءَ عَنْ ظَهْرِهٖ فَرَاَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلٰى كَتِفَيْهِ مِثْلَ الْجُمْعِ حَوْلَهَا خِيْلَانٌ كَاَنَّهَا ثَاٰلِيْلُ فَرَجَعْتُ حَتّٰى اسْتَقْبَلْتُهٗ فَقُلْتُ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ وَلَكَ فَقَالَ الْقَوْمُ اسْتَغْفَرَ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَلَكُمْ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ : وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

ترجمہ :- عبداللہ بن سرجس کی روایت ہے کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، درانحالیکہ وہ اپنے اصحاب کے مجمع میں تھے تو میں نے ان کی پشت پر اس طرح چکر لگایا، آپ نے میرا مدعا سمجھ لیا تھا چنانچہ انھوں نے اپنی پشت سے چادر ہٹا دی تو میں نے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت کی جگہ دیکھ لی جو مٹھی کی مانند تھی اور اس کے گرد تل تھے لگتا تھا وہ مسے ہوں، پھر میں واپس انکے سامنے آگیا اور کہا اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، تو آپ نے فرمایا تمھاری بھی تو لوگوں نے مجھ سے کہا خدا کے رسول نے تمھارے لئے مغفرت کی دعا فرمائی، انھوں نے کہا ہاں اور تم لوگوں کے لئے بھی پھر حضرت عبداللہ بن سرجس نے یہ آیت تلاوت کی

واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات

تحقیق

دَرتَ :۔ فعل ماضی دال کے ضمہ کے ساتھ مشتق از دَوْرٌ چکر لگانا، گھومنا، ایک طرف سے دوسری طرف جانا۔

علی کتفیہ :۔ اس لفظ سے بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ دونوں شانوں پر مہر نبوت تھی یعنی دو مہر نبوت، جبکہ صحیح ترین روایتوں سے ثابت ہے کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ہی مہر تھی، راوی کا مقصد یہ ہے کہ وہ خاتم کتف کی طرح ابھری ہوئی تھی۔

جُمَعُ :۔ بضم الجیم ہاتھوں کی انگلیوں کو بند کرنا، مٹھی، مجموعہ، یہاں تشبیہ ہیئت میں ہے نہ کہ مقدار میں۔

خیلان :۔ جمع خال، تِل۔

ثآلیل :۔ قنادیل کے وزن پر واحد ثؤلول، وہ دانہ جو دال کی طرح چمڑے پر ابھر آتے ہیں۔

تشریح :

حضرت عبداللہ بن سرجس نے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی جو ایک مٹھی کے برابر لگ رہی تھی، اس کا مقصد یہ نہیں کہ ایک مٹھی کے بقدر تھی بلکہ وہ خود ہی کہتے ہیں کہ مسوں کی طرح تل معلوم ہو رہے تھے جس طرح مٹھی میں لکیریں نمایاں ہوتی ہیں اسی طرح اس میں بھی لکیریں سی محسوس ہو رہی تھیں اور چونکہ آپ نے شفقت فرمائی اور مہر نبوت دکھائی تو شکریہ کے طور پر انھوں نے یہ دعائیہ جملہ کہا غفر اللہ لک یعنی مغفرت کی زیادتی ہو یا یہ کہ اللہ آپ کے ذریعہ امت کی مغفرت فرمائے۔

بَابُ مَاجَاءَ
فِي شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کا بیان

شَعر ۔ عین کے سکون کے ساتھ ہو تو جمع شعور، فتحہ کے ساتھ بھی آسکتا ہے، شعرۃ مفرد ہے اور شعر جمع کے معنی میں آئیگا یا اسم جنس کے درجہ میں۔

گو کہ حلیۂ مبارک کے بیان میں اجمالی طور پر بالوں کا ذکر آچکا ہے مگر یہاں مستقلاً باب قائم کر کے شعر کا تذکرہ صراحۃً مقصود ہے، اس باب میں آٹھ حدیثیں ہیں

موئے مبارک کے سلسلے میں مختلف قسم کی روایتیں وارد ہوئی ہیں، جن میں بہرحال تعارض نہیں ہے، یہ تو روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنا سر کئی مرتبہ منڈوایا ہے وہ بال رفتہ رفتہ بڑھتے رہے، صحابۂ کرام نے جس موقع پر جتنے بال سر میں دیکھے اسی طرح ذکر کردیا چھوٹے چھوٹے بھی اور لمبے پٹھوں کی صورت میں بھی جو کندھوں تک پہونچ جایا کرتے تھے۔

(۱) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَأَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى نِصْفِ اُذُنَیْهِ ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک ان کے نصف کانوں تک تھے۔

تشریح: اس سے پہلے حلیۂ مبارک کے ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی لمبائی

کے بارے میں جو ذکر تھا وہ تین طرح کے معلوم ہوئے تھے، لیکن اس باب میں حضرت انس کی پہلی روایت سے بالوں کی چوتھی حالت معلوم ہو رہی ہے یعنی آپ کے بال پورے کانوں تک نہیں تھے بلکہ اس سے کم کانوں کے نصف حصہ تک پہونچتے تھے، دراصل بالوں کی یہ مختلف حالتیں مختلف اوقات میں تھیں اس لئے ان روایتوں میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے ہی غسل کیا کرتے تھے، ان کے بال جمہ سے زائد اور وفرہ سے کم تھے

تحقیق: فوق الجمه، دون الوفرہ:۔ فوق اور دون اضداد میں سے ہیں، ایک کے معنی کم تو دوسرے کے زیادہ، اس کی تحقیق میں محدثین فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مقصد دونوں کے بین بین بتلانا ہے، ورنہ تو یہی حدیث امام ابوداؤد نقل کرتے ہیں دون الجمة وفوق الوفرة: یعنی مذکورہ حدیث کے برعکس جن کے معنی ہیں جمہ سے کم اور فرہ سے زیادہ، عراقی شارح ترمذی نے دونوں کے درمیان تطبیق کی یہ شکل لکھی ہے کہ فوق اور دون کہیں محل کے لحاظ سے ہے اور کہیں مقدار کے اعتبار سے، فوق الجمہ سے مراد محل کے لحاظ سے ہوگا کہ جمہ سے اونچا اور دون الجمہ کا مطلب ہوگا جمہ سے مقدار میں کم، اور اسی طرح اس کے برعکس والی روایت میں، حاصل یہی ہے کہ جمہ اور وفرہ کے بین بین تھا۔

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے غسل فرمانے کا ذکر کر رہی ہیں کہ ہم دونوں ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے، جس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہم یکے بعد دیگرے ایک ہی برتن سے نہایا

کرتے تھے ایسی صورت میں آنحضور کا پہلے غسل کیا جانا درشان ادب معلوم ہوتا ہے، اور اگر اس کا یہ مطلب ہو کر ہم ساتھ ہی میں غسل کیا کرتے تھے معیت کے مفہوم میں تو ایسی صورت میں مکمل پردے کی صورت ہو گی کیونکہ آنحضور اور ام المؤمنین دونوں کا باکمال اور حیادار ہونا محقق ہے حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میرا محل شرم نہیں دیکھا، اور بلاشک آپؐ کا دوسروں کی بہ نسبت حیار کا حامل ہونا ثابت ہے اور ان کی شان بھی ہے۔

(۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْقَطَنٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوْعًا بُعَيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ وَكَانَتْ جُمَّتُهُ تَضْرِبُ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ۔

ترجمہ:۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متوسط قامت کے تھے، آپ کے دونوں شانوں کا درمیانی حصہ نسبتاً کشادہ تھا اور ان کے بال مبارک کانوں کی لو تک جا پہونچتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں تحقیق و تشریح آچکی ہے یہاں ایک بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اہل لغت جمہ کو مطلقاً بالوں کے معنی میں لیتے ہیں، علامہ زمخشری اس جگہ جمہ کو وفرہ کے معنی میں قرار دیتے ہیں، بعید ما بین المنکبین مصغر بھی ہو سکتا ہے اور مکبر بھی اس کے معنی رحب الصدر کے ہیں۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنِي اَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ، كَانَ يَبْلُغُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ۔

ترجمہ:۔ مشہور اور ثقہ تابعی حضرت قتادہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کیسے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ نہ بالکل خمدار اور نہ بالکل سیدھے کھلے ہوئے اور ان کے بال دونوں کانوں تک پہونچتے تھے،

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ عُمَرَ الْمَكِّيِّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ نَجِيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا مَكَّةَ قَدْمَةً وَلَهٗ اَرْبَعُ غَدَائِرَ .

ترجمہ:۔ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب فرماتی ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد ایک دفعہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے بال مبارک چار مینڈھوں کی صورت میں تھے ۔

تحقیق قدمۃ:۔ بفتح القاف وسکون الدال، ایک دفعہ قدوم سے مشتق ہے بابِ سمع آنا غدائر:۔ جمع غدیرۃ، بالوں کی چوٹی، گوندھے ہوئے بالوں کا حصہ، یہ جملہ حالیہ واقع ہے کہ آپ تشریف لائے درانحالیکہ آپ کے بالوں . . . . . .

تشریح یہاں ہجرت الی المدینہ کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ واپسی کے ایک دفعہ کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے، ورنہ آنحضورؐ چار مرتبہ مکہ تشریف لائے ۱۔ عمرہ قضا کے لئے ۲۔ فتح مکہ کے موقع پر ۳۔ عمرۂ جعرانہ ۴۔ حجۃ الوداع کے موقع پر، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا جو واقعہ بیان فرمارہی ہیں وہ فتح مکہ کا واقعہ ہے اس لئے اس موقع پر آنحضور نے غسل فرمایا تھا اور نماز پڑھی تھی، اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالوں کو گوندھتے تھے، حالانکہ فقہاء کہتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں کی طرح بال نہ گوندھنے چاہئیں کیونکہ تشبہ بالنساء سے ممانعت آئی ہے، ابن حجر کہتے ہیں کہ اس روایت کی بنیاد پر بال گوندھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور اس میں عورتوں ہی کی تخصیص نہیں ہے، ملا علی قاری

کہتے ہیں کہ بعض ملکوں میں بڑے لوگوں کی عادت رہی کہ وہ بال چوٹی کی شکل میں گوندھتے تھے مگر دو چوٹیوں کی شکل میں جو سامنے رہتے، اس لئے کہ عورتوں کی بھی چوٹیاں ہوتی ہیں مگر وہ پیچھے رکھتی ہیں، اس طرح تشبہ بھی نہیں ہوتا ہے جو ممنوع ہے، حاصل یہ کہ جہاں عورتوں سے مشابہت نہ ہو وہاں بال گوندھنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہوگی اور جہاں عورتیں چوٹیاں بناتی ہوں وہاں تشبہ کی وجہ سے مردوں کے لئے ممانعت ہوگی۔

(٦) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِلٰى اَنْصَافِ اُذُنَيْهِ ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال دونوں کانوں کے نصف حصہ تک ہوتے تھے۔

(٧) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْدِلُ شَعْرَهٗ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرُقُوْنَ رُءُوْسَهُمْ وَكَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُوْنَ رُءُوْسَهُمْ، وَكَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيْهِ بِشَيْءٍ ثُمَّ فَرَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں کو یوں ہی چھوڑ دیا کرتے تھے جب کہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے اور اہل کتاب اپنے سروں کو ویسے ہی چھوڑ دیتے، آپ اہل کتاب کی اس حد تک موافقت

فرمالیتے تھے جس میں کوئی حکم خداوندی نہ ہوتا، پھر بعد میں آپ مانگ نکالنے لگے تھے۔

تحقیق: یسدل: اسدال بمعنی ارسال، یسدل بضم الدال بھی محتمل ہے یعنی بالوں کو بغیر مانگ نکالے اپنی حالت میں چھوڑ دیتے تھے، کوئی اہتمام نہیں ہوتا کسی خاص جانب رکھنے کا۔

یفرقون: فرق باب نصر یا تفریق سے، جدا کرنا، الگ الگ کرنا، عسقلانی کہتے ہیں الفرق کا مطلب ہے قسمة الشعر یعنی بالوں کی تقسیم، دو حصوں میں یا کئی حصوں میں بانٹ دینا۔

تشریح: بالوں کے مانگ نکالنے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے پہل معمول یہی رہا کہ آپ بغیر مانگ نکالے چھوڑ دیتے تھے اس لئے کہ مشرکین مکہ مانگ نکالتے تھے اور آپ مشرکین کی مخالفت ضروری سمجھتے تھے کیونکہ آپؐ کا آخری عمل یہی رہا ہے، قاضی عیاض تو کہتے ہیں کہ سدل منسوخ ہو گیا ہے، سدل کی ایک صورت یہ ہوتی کہ بالوں کو پیشانی پر لا کر چھوڑ دیا جاتا، خاص اہتمام کے ساتھ، آگے کہتے ہیں کہ اس سے بہر حال مانگ نکالنے کا جواز ثابت ہوتا ہے وجوب نہیں، ابن حجر کہتے ہیں کہ اس سے بہر حال سدل کا جواز بھی باقی رہتا ہے اور سدل کے جواز کی متعدد روایتیں بھی ملتی ہیں، خاص طور پر صحابہ کا عمل، کچھ تو بالوں کو چھوڑ دیا کرتے اور کچھ مانگ نکال لیا کرتے تھے۔

آپ نے مشرکین کا طرز اپنانے کی بجائے اہل کتاب کا طریقہ اپنایا جس کی حکمت علماء یہ بتاتے ہیں کہ اہل کتاب تو پھر بھی کسی حد تک دین پر قائم تھے توحید و رسالت کے قائل تھے اور مذہب سے یک گونہ لگاؤ تھا، مشرکین تو دین ہی سے الگ تھے، توحید و رسالت کے قائل نہ تھے اس لئے آپ نے ان کی مخالفت فرمائی، پھر اہل کتاب کے انداز کو اپنانے میں ان کو اپنی جانب متوجہ کرنا بھی تھا اور وہ لامحالہ مشرکین کی نسبت سے خدا اور رسول پر ایمان لانے میں زیادہ رغبت رکھتے، اور یہ بھی ان معاملات میں جس میں کوئی وحی نہ آئی ہوتی، اور ابتداء اسلام کی بات ہے، جب دین کا غلبہ ہونے لگا تب آپ نے اہل کتاب کے طریقہ کو بھی چھوڑ دیا۔

اس سے یہ بات بہرحال واضح ہو جاتی ہے کہ کسی ایسے معاملہ میں جس میں شریعت کا کوئی واضح حکم موجود نہ ہو اس میں مشرکین اور اہل کتاب کے طرز سے جداگانہ ہی انداز اپنانا ضروری ہے، مشرکین کے طور وطرز معاشرت سے بہرحال تشابہ نہ ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں بھی جب تالیف قلب کا مسئلہ سامنے تھا آپ نے مشرکین کے طریقے کی مخالفت فرمائی، اور اہل کتاب کی روش کو اپنالیا، اس واضح مخالفت کے بعد پھر آپ نے مانگ نکالا بھی ہے کیونکہ اس سے صفائی اور سلیقہ کا زیادہ اہتمام ہوتا تھا، مخالفت برائے مخالفت نہیں تھی بلکہ ان سے اپنے جداگانہ طرز کا اظہار مقصود تھا اور وہ مقصد حاصل ہو گیا تو آپ نے اب وہ صورت اپنائی جس میں صفائی اور تہذیب نمایاں تھی اور اس میں بھی جواز کا پہلو تھا وجوب کا نہیں۔

(۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ نَافِعِ الْمَكِّيِّ عَنِ ابْنِ اَبِيْ نَجِيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَا ضَفَائِرَ اَرْبَعٍ۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بظاہر وہی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ غدائر اور ضفائر دونوں ایک ہی مفہوم میں ہیں۔

باب ما جاء
فی ترجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھا کرنے کے بیان میں

ترجل:- باب تفعل سے اور ترجیل باب تفعیل سے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، کیونکہ باب میں ترجل استعمال کیا گیا ہے اور بعض احادیث میں ترجیل آیا ہے گویا امام ترمذی اس بات کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں کہ دونوں ایک ہی مفہوم میں ہیں یعنی بالوں کو خوبصورت بنانا، صاف کرنا اور سیدھا کرنا، مشارق میں اس کا ترجمہ لکھا ہے بالوں کو نرم یا گرد وغبار کو صاف کرنے کے لئے تیل یا پانی سے ملا کر کنگھا کرنا، بالوں کی صفائی یا اس میں کنگھا کرنا نظافت کے ضمن میں آتا ہے جس کو شریعت نے مستحب قرار دیا ہے، کہا گیا ہے النظافۃ من الدین، اور اس لئے بھی کہ ظاہر کی صفائی باطن کا عنوان ہے، البتہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھار کنگھا کرنا چاہئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں مبالغہ نہ ہو، یہ نہ ہو کہ ہمہ وقت کنگھا کرنے میں ذہن کو مشغول رکھا جائے، اور صرف ظاہری آرائش کی طرف توجہ دی جائے ورنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کنگھا کیا ہے اور اس کی ترغیب بھی فرمائی ہے، ایک حدیث ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو پراگندہ بال اور الجھی داڑھی میں تھا تو آپ نے اسے سر اور داڑھی کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے

اس باب میں امام ترمذی نے پانچ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا اِسْحٰقَ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيْسٰى حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ۔

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی درانحالیکہ میں حیض کی حالت میں ہوتی۔

تشریح: اس حدیث کو اس باب میں لانے کا مقصد ترجّل کا اثبات ہے، اسی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت سے حالت حیض میں اختلاط میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس میں اس بات پر دلالت ملتی ہے کہ حائضہ عورت کا بدن اور اس کا پسینہ پاک ہوتا ہے، بعض ائمہ نے اس روایت سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ عورت کے لمس سے وضو باطل نہیں ہوتا، کیونکہ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ آپ مسجد میں معتکف ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ سے ہی آپ کے بالوں کو درست فرماتیں، ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ استدلال درست نہیں اس لئے کہ ضروری نہیں کہ معتکف ہمہ وقت باوضو رہے۔ اور پھر یہ بھی ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فوراً بعد ہی بلا وضو نماز بھی پڑھی ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبَانَ هُوَ الرَّقَاشِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيحَ لِحْيَتِهِ وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ حَتَّى كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ۔

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے سر میں تیل استعمال فرماتے اور داڑھی میں کنگھا کرتے اور اکثر کپڑے کا ایک ٹکڑا ڈال لیا کرتے جس کی وجہ سے محسوس ہوتا کہ یہ کپڑا کسی تیل بنانے والے کا ہو

تحقیق: دَهن:- بفتح الدال وسکون الہاء۔ تیل استعمال کرنا، اور دال کے ضمہ کے ساتھ تیل، اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔ استعمال دهن رأسه۔

تسریح لحیته:- داڑھی کی صفائی کرنا، درست کرنا، کنگھا کرنا، تسریح کے معنی چھوڑنا۔

القناع :- بکسر القاف، کپڑے کا کوئی ٹکڑا جو سر پر پگڑی یا ٹوپی کے نیچے سر میں رکھ لیا جائے تاکہ تیل کے استعمال کی وجہ سے کپڑے گندے نہ ہوں، قناع کے معنی آتے ہیں نقاب کے۔

زیات :- بفتح الزاء وتشدید الیاء، تیل بنانے والا یا بیچنے والا، تیلی، اسم فاعل از زیت جس کے معنی تیل کے ہیں۔

تشریح :- اس حدیث میں دو باتیں خاص طور پر قابل تشریح ہیں ایک تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیل بکثرت استعمال کرنا، دوسرے ثوبہ کثوب زیات۔

یہ تو درست ہے کہ آنحضورؐ عام طور پر اپنے سر میں تیل کا استعمال فرماتے تھے اور بالوں کی مضبوطی اور صفائی کا خاص اہتمام فرماتے، سر کے بالوں میں کنگھا کرنا اور داڑھی میں بھی کنگھا کرنا معمول تھا، خطیب بغدادی نے حضرت عائشہؓ ہی کی ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں کو حضر اور سفر میں نہیں چھوڑتے تھے ۱ آئینہ، ۲ سرمہ دانی ۳ کنگھا ۴ تیل ۵ مسواک۔ اور یہ جملہ چیزیں پاکیزگی جسم سے تعلق رکھتی ہیں، بعض روایتوں میں قینچی کا ذکر بھی ملتا ہے۔

دوسری چیز اس روایت میں یہ ہے کہ آپ کا کپڑا ایسا محسوس ہوتا کہ وہ کسی تیلی کا کپڑا ہو، اور یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ آنحضورؐ لوگوں میں سب سے زیادہ صاف کپڑے والے، اچھی صورت والے اور سلیقہ مند نیز صفائی کا خیال رکھنے والے تھے، خود آپ نے اپنے اصحاب میں سے بعض کو اس طرف توجہ دلائی ہے۔ کپڑے کی صفائی کے لئے فرمایا اصلحوا ثیابکم اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ آپ کے لباس میں کوئی میل، تیل کا دھبہ، یا گندگی ہو، یہاں جو ثوب کہا گیا ہے اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو سر کے اوپر عمامہ کے نیچے رکھتے تھے یعنی قناع۔ یہ ٹکڑا بھی آپ اسی لئے سر پر رکھتے تھے تاکہ تیل کا اثر عمامہ پر یا لباس کے کسی دوسرے حصہ پر نہ پڑے، اور یہی ٹکڑا تیل کے استعمال کی وجہ سے پورا تیل میں بھیگا محسوس ہوتا، لگتا جیسے کسی تیلی کا کپڑا ہو۔

(۳) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَشْعَثَ

بْنِ الشَّعْثَاءِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِيْ طُهُوْرِهٖ اِذَا تَطَهَّرَ، وَفِيْ تَرَجُّلِهٖ اِذَا تَرَجَّلَ وَفِيْ اِنْتِعَالِهٖ اِذَا انْتَعَلَ ۔

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تیمن (دائیں جانب سے کرنا) کو پسند فرماتے اپنی طہارت میں جب طہارت حاصل فرماتے، اسی طرح جب کنگھا کرتے یا جوتا پہنتے تو اس میں بھی دائیں کو ترجیح دیتے تھے

تحقیق

ان :۔ مخففہ من الثقیلہ، ضمیر شان محذوف ہے، انہ کان ۔

التیمن :۔ باب تفعل سے مصدر، کام کو داہنے ہاتھ سے کرنا یا داہنے پیر سے کرنا یا دائیں جانب سے شروع کرنا، تیمن اس لئے پسند فرماتے کہ اصحاب جنت کو ان کے اعمال کا حساب داہنے ہاتھ میں پیش کیا جائے گا ۔

تطہر :۔ باب تفعل پاکیزگی حاصل کرنا یہاں مفہوم ہے جب پاکی کے لئے مشغول ہوتے، اور یہ وضو غسل اور تیمم کو شامل ہے ۔

ترجل :۔ جب آپؐ بالوں کی صفائی یا کنگھا کرنا شروع فرماتے

انتعال :۔ جوتا پہننا مشتق از نعل، جوتا ۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس چیز میں جس کا تعلق زیب و آرائش، صفائی اور تکریم سے ہوتا، اس میں تیمن پسند فرماتے تھے یہاں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں، اس پر انحصار نہیں ہے بلکہ مراد واشالہا جیسے کچھ دینا یا لینا، مسجد یا گھر میں داخل ہونا، سر کا حلق کرانا، مونچھ ناخن وغیرہ صاف کرنا، کھانا پینا، سرمہ لگانا، لیٹنا اور مسواک کرنا، وغیرہ، برخلاف ان چیزوں کے جن کا تعلق شرف و زینت سے نہ ہو جیسے مسجد سے نکلنا بیت الخلاء جانا، جوتا اتارنا اور اس جیسی چیزیں اس میں آپ بائیں کو اپناتے ۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ شریعت کا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق تکریم و زینت سے ہے اس میں تیمن مستحب ہے اور جو اس کی ضد ہوں اس میں تیاسر، اور اس کی بنیاد بھی صحاح کی وہ روایتیں ہیں جس میں اس کی پوری وضاحت ملتی ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا.

ترجمہ:۔ عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کنگھا کرنے کو منع فرماتے تھے مگر کبھی کبھی۔

تحقیق

غِبًّا:۔ بکسر الغین وتشدید الباء ای وقتا بعد وقت گاہے بگاہے، کبھی کبھی دراصل یہ اس کا مفہوم ہے، اونٹ کا ایک دن پانی پینے کے لئے آنا اور ایک دن چھوڑ دینا۔

تشریح

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نظافت کو پسند فرماتے تھے اور زینت کو بھی، مگر مستقل طور پر زیب و آرائش میں منہمک ہونے کو منع فرماتے کہ یہ عورتوں کا شیوہ ہے، اسی لئے اس حدیث میں بھی یہی فرما رہے ہیں کہ کنگھا کرنا نظافت کے لئے ہو، بالوں کو درست کرنے کے لئے لیکن اس کو معمول بنا لینا درست نہیں، غبا کی تشریح میں ایک قول یہ ہے کہ ایک دن کرے ایک دن چھوڑ دے اور ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار کرے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اصل مقصد مبالغہ اور انہماک سے ممانعت ہے حسب ضرورت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور یہ ممانعت کراہت کے معنی میں ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ

حَرْبٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ خَالِدٍ عَنْ اَبِي الْعَلَاءِ الْاَوْدِيِّ عَنْ حُمَيْدِ
بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا ۔

ترجمہ:۔ حمید بن عبدالرحمٰن ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی
اللہ علیہ وسلم گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے ۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی شَیْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی کا بیان۔

شَیْبٌ وشَیْبَۃٌ:۔ مصدر ہے باب ضرب سے، معنی بالوں کا سفید ہونا، بوڑھا ہونا، بڑھاپے کے آثار میں سے ہر ایک کا اپنا الگ نام ہے، بدن میں کمزوری آجائے تو ھرم کہلاتا ہے، بالوں میں سفیدی ہو تو شیب، اور دماغ میں کمزوری آجائے تو خرف

اس باب کو باب الشعر اور باب الترجل کے بعد ذکر کرنے کی مناسبت بہت واضح ہے اس باب میں آٹھ حدیثیں ہیں

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ، اِنَّمَا كَانَ شَيْبًا فِىْ صُدْغَيْهِ وَلٰكِنْ اَبُوْبَكْرٍ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ ۔

ترجمہ:۔ حضرت قتادہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے خادم نبی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ کے بالوں کی سفیدی اس حد تک پہونچی ہی نہیں تھی، البتہ ان کی دونوں کنپٹیوں میں سفیدی آئی تھی، ہاں حضرت ابوبکر صدیق نے مہندی اور کتم سے خضاب کیا ہے۔

تحقیق

خَضَبَ:۔ بفتح الضاد، رنگنا، بالوں میں رنگ لگانا، خضاب کرنا، اس کا مفعول شَعْرُہٗ محذوف ہے۔

لَمْ یَبْلُغْ:۔ نہیں پہونچا تھا، آپ کے بال خضاب لگانے کی مقدار میں سفید نہیں ہوئے تھے تو اصل عبارت یوں ہوگی۔ لم یبلغ شعرہ حدالخضاب او محل الخضاب۔

انما کان: ضمیر شیب کی طرف راجع ہے، کان شیبہ شیئا ای قلیلا

صدغیہ:۔ بضم اول و سکون الدال۔ صدغ جو آنکھ اور کان کے درمیان کا حصہ ہوتا ہے کنپٹی، اس جگہ جو بال اُگتے ہیں اس پر بھی صدغ کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں پر یہی مراد بھی ہے۔

الحناء:۔ حاء مکسور اور نون پر تشدید، مہندی، اس کے رنگ میں سرخی اور پیلا پن ہوتا ہے۔

الکتم:۔ بفتح الکاف والتاء، بعض لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کتم ایک طرح کا پتہ ہوتا ہے جس سے رنگنے کا کام لیا جاتا ہے اور کچھ اس کو وسم کہتے ہیں، اور فائق میں لکھا ہے کہ ایک طرح کی گھاس ہے جسے وسم کے ساتھ ملا کر کالے خضاب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

تشریح:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی کے بالوں میں اخیر عمر میں سفیدی ظاہر ہوگئی تھی، لیکن روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ بال مجموعی طور پر بیس کی تعداد سے بھی کم تھے، ایسی سفیدی بالکل نہیں تھی جو دور سے بھی نظر آتی ہو جو بڑھاپے کی علامت ہے (موجودہ دور میں بالوں کا سفید ہونا بوڑھے کی علامت نہیں ہے، اب صحیح غذاؤں کی کمی اور بیماریوں کی وجہ سے جوانی بلکہ نوعمری میں بھی بال سفید ہوجاتے ہیں) تو حضرت قتادہ نے یہی خیال ظاہر کرتے ہوئے کہ آنحضورؐ کے بال سفید ہوئے ہوں گے، ان میں خضاب کیا گیا ہوگا، اس کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کر رہے ہیں کہ کیا آپؐ نے خضاب فرمایا تھا؟۔ حضرت انسؓ آنحضورؐ کے خادم ہیں اس لئے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، بالوں کی سفیدی بھی اور ان پر خضاب بھی، وہ قتادہ کو جواب دیتے ہیں کہ تم سمجھتے ہوگے کہ آپ کے بال بہت سفید ہوگئے ہوں گے اور ان پر خضاب فرماتے ہوں گے آپ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار کو تھی ہی نہیں، اس سے بظاہر یہی متبادر ہوتا ہے کہ آپ نے خضاب کا استعمال نہیں فرمایا ہے، حالانکہ آگے ایک مستقل باب آرہا ہے جس میں آپ

کے خضاب کرنے کے متعلق ثبوت صحیح روایتوں سے مل رہا ہے، مگر حقیقۃً حضرت انسؓ خضاب کے استعمال کی نفی نہیں کر رہے ہیں بلکہ بالوں کے کم سفید ہونے کو واضح کر رہے ہیں، کہتے ہیں کہ بال اتنی مقدار میں سفید ہی نہیں ہوتے تھے، یہ کلام خضاب کی نفی نہیں کر رہا ہے جس کے لئے تطبیق دینے کی ضرورت پیش آئے ہکذا فسر العسقلانی، دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت انس یہاں پر مطلق نفی نہیں کر رہے ہیں، نفی ایک وقت کے لحاظ سے اور اثبات دوسرے وقت کے اعتبار سے۔

اس حدیث کے ضمن میں دوسری بات حضرت ابوبکر کا خضاب کرنا حنا اور کتم سے بتایا جا رہا ہے، حنار سے خضاب کرنا تو بالاتفاق درست ہے کہ اس میں بالوں کا رنگ کالا نہیں ہوتا، البتہ کتم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس سے بال کالے ہو جاتے ہیں اور کالا خضاب کرنے کی ممانعت آئی ہے (الا فی بعض الاحوال) اور جب کتم اور حنار کا مخلوط استعمال ہو اس میں بھی بال زیادہ تر کالے ہو جاتے ہیں، اس طرح حضرت ابوبکر نے اپنے بالوں میں کالا رنگ کیا ہو ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کے لئے عسقلانی یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے دونوں کو ملا کر استعمال فرمایا ہے جس سے بالوں میں کالا پن مائل بہ سرخی آتا ہو جس کی ممانعت بہر حال نہیں ہے ایسا نہیں کہ انھوں نے کبھی مہندی کو الگ استعمال کیا اور کتم کو علیحدہ، یہاں واؤ جمع کے لئے استعمال ہوا ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ لگایا ہے، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ دونوں ملا کر استعمال کرنے میں اگر حنار کا غلبہ ہے تو سرخی نمایاں ہوتی ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور جب کتم کا غلبہ ہو تو بال سیاہ ہو جاتے ہیں، یہ ممنوع ہوگا، اگر حنار مائل بہ سیاہی ہو جائے تو اس میں حرج نہیں۔

(۲) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَيَحْيَى بْنُ مُوْسٰى قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا عَدَدْتُ فِىْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحْيَتِهٖ اِلَّا اَرْبَعَ عَشْرَةَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ۔

ترجمہ :۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی کے بالوں میں ۱۴ سے زیادہ سفید بال نہیں گنے۔

تشریح :- یہاں حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ کے سفید بال سر اور داڑھی مبارک میں ۱۴ ہی تھے، دوسری روایتوں میں آتا ہے ۱۷ یا اٹھارہ، اور خود حضرت انس کی ایک ایک روایت گذر چکی ہے کہ بیس بال بھی سفید نہیں تھے، ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اگر حضرت انس نے شمار بھی کئے ہوں اور ۱۴ پاتے ہوں تو یہ ایک وقت کی بات ہوگی دوسرے وقت ۱۷ یا ۱۸ بھی ہو سکتے ہیں اور اس کے لئے تخمیناً کہا گیا ہے کہ تقریباً بیس بال سفید تھے اس سے زیادہ کی کوئی روایت نہیں ملتی۔

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ اَنْبَاَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يُسْاَلُ عَنْ شَيْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ اِذَا دَهَنَ رَاْسَهٗ لَمْ يُرَ مِنْهُ شَيْبٌ فَاِذَا لَمْ يُدَّهِنْ رُءِيَ مِنْهُ۔

ترجمہ :۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آنحضور کے بالوں کی سفیدی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جب آپ سر میں تیل لگاتے تھے تو سفیدی ظاہر نہیں ہوتی اور جب تیل استعمال نہیں فرماتے تو بالوں کی سفیدی جھلکنے لگتی۔

تحقیق دَهَنَ باب ضرب سے یا ادھن باب افعال سے دونوں کے معنی تیل لگانا، اور اگر ادھن دال پر تشدید کے ساتھ ہو تو باب افتعال سے ہوگا جو لازم آئیگا تو ایسی صورت میں راسہ فاعل ہوگا اور اگر منصوب رکھیں تو منصوب بنزع الخافض ہوگا یعنی ادہن فی راسہ

لم یر منہ :۔ یعنی من شعر راسہ یا من اجل دھنہ۔

تشریح:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے کم بال مبارک سفید تھے کہ بظاہر نظر بھی نہ آتے، اور جب اس میں آپ تیل لگاتے تو بالوں کے ایک دوسرے سے مل جانے کی وجہ سے سفید بال دکھائی نہیں پڑتے تھے اور جب تیل نہ لگایا ہوا ہو تو بال الگ الگ ہوتے اس لئے سفید بال چمکنے لگتے تھے اور نمایاں ہو جاتے تھے۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْوَلِيْدِ الْكِنْدِيُّ الْكُوْفِيُّ اَنْبَانَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّمَا كَانَ شَيْبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِنْ عِشْرِيْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ۔

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تقریباً ۲۰ رسفید تھے۔

(۵) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِىْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔

ترجمہ:- حضرت ابن عباس روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے آپؐ نے جواب دیا کہ مجھے چند قرآنی سورتوں نے بوڑھا کر دیا وہ سورتیں یہ ہیں ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت

تحقیق:- شبت:- آپ بوڑھے ہو گئے، آپ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے یعنی کمزوری اور بڑھاپے کی علامتیں دکھائی دینے لگیں اس کے جواب میں آپ نے فرمایا شیبتنی

یعنی مجھے کمزور کردیا، میرے اعضاء کمزور ہوگئے، بڑھاپا ظاہر کردیا۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کمزوری یا بڑھاپے کے آثار دکھائی دے رہے ہیں وہ قرآن کی چند سورتیں ہیں جن میں قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر ہے، علامہ تورپشتی کہتے ہیں کہ آنحضور یہ فرما رہے ہیں کہ ان سورتوں میں قیامت کے حالات کا جو احساس مجھے ہوا ہے، اور سابقہ قوموں پر جو عذاب نازل ہوا ہے اسی کے خیال نے قبل از وقت بڑھاپے کے آثار ظاہر کردیئے۔

اسی طرح کی مزید روایتیں ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ شیبتنی هود واخواتها، اور بعض روایت میں کسی دوسری سورت کا ذکر ہے، مراد یہ ہے کہ اس طرح کی جو سورتیں ہیں ان میں قیامت کا ذکر ہے اور اسکے دہشت خیز امور اور گذری ہوئی امتوں پر عذاب وغیرہ کے تذکرے ہیں انھیں کے خیال نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کردیا، مجھے اپنی قوم کا خیال رہتا ہے اور جو حساب وکتاب ہونا ہے اس کا احساس ہے، یہ دراصل آپؐ کی اپنی امت پر شفقت کا اثر ہے۔

متعدد روایات میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کثیر الفکر طویل الحزن رہتے تھے اور ان سورتوں میں مابہ الاشتراک چیز فاستقم کما امرت ہے، جو بہت دشوار ہے شرح السنۃ میں ایک واقعہ درج ہے کہ ایک شخص نے خواب میں آنحضورؐ کو دیکھا، تو سوال کیا یا رسول اللہ آپ سے یہ قول مروی ہے کہ شیبتنی هود تو اس سورت میں ایسی کون سی آیت ہے آپ نے فرمایا فاستقم کما امرت، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ الاستقامة خير من الف كرامة

(۶) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَرَاكَ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَأَخَوَاتُهَا .

ترجمہ:۔ ابو جحیفہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

(۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ اَنْبَأَنَا شُعَيْبُ بْنُ صَفْوَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اِيَادِ بْنِ لَقِيْطٍ الْعِجْلِيِّ عَنْ اَبِيْ رِمْثَةَ التَّيْمِيِّ تَيْمِ الرَّبَابِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ ابْنٌ لِيْ قَالَ فَاُرِيْتُهُ فَقُلْتُ لَمَّا رَاَيْتُهُ هٰذَا نَبِيُّ اللّٰهِ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ، وَلَهُ شَعْرٌ قَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ، وَشَيْبُهُ اَحْمَرُ.

ترجمہ:۔ حضرت ابو رمثہ تیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میرا ایک بیٹا بھی تھا، لوگوں نے آنحضورؐ کو پہچنوایا، توجب میں نے آپ کو دیکھا تو برملا یہ کہہ اٹھا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، آپ کے بدن مبارک پر دو ہرے کپڑے تھے، اور ان کے بالوں میں سفیدی ظاہر ہو گئی تھی، اور یہ بال بھی سرخ تھے۔

تحقیق:۔ تمیم الرباب: راوی حضرت ابو رمثہ قبیلہ تمیم سے تعلق رکھتے ہیں تمیم قریش کا قبیلہ بھی ہے اور یہ رباب کا بھی، بفتح الراء وکسرہا، یہ رباب سے تعلق رکھتے ہیں، قریش کے قبیلہ بحر کے تمیم سے نہیں۔

معی ابن لی:۔ بیٹے کا نام واضح نہیں ہو سکا ہے، یہاں پر روایت باپ کی ہے ورنہ ابو داؤد اور نسائی میں یہی واقعہ مذکور ہے اور وہاں اس کا عکس ہے یعنی معی ابی، ملا علی قاری کہتے ہیں دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں دونوں الگ واقعہ کی صورت میں ممکن ہے۔

اریتہ:۔ فعل مجہول ہے، کہ میں آنحضور کو پہچانتا نہیں تھا لوگوں نے دکھلا دیا کہ

وہ آنحضورؐ ہیں۔

اخضران:۔ ہرے رنگ کے کپڑے یعنی جو ہرے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، میرک کہتے ہیں کہ یہ لباس اہل جنت کا ہے جیسا کہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے دونوں کپڑے (چادر اور تہبند) ہری دھاریوں والے ہوں۔

علاہٗ: علوّ بلند ہونا، شامل ہونا، احاطہ کئے رہنا۔

احمر:۔ یعنی آپ کے جو بال اپنا رنگ بدل گئے تھے اور جو بڑھاپے کے آثار تھے وہ سرخ رنگ کے معلوم ہو رہے تھے، دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ بالوں میں سفیدی آچکی تھی مگر اس کو سرخ رنگ سے رنگ دیا گیا تھا

تشریح حضرت ابو رمثہ آنحضورؐ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوتے ہیں جب آخری عمر تھی اور وہ آپ کو پہچانتے بھی نہ تھے، اس لئے جب لوگوں سے استفسار کیا تو انھوں نے آپ کی جانب اشارہ کرکے دکھلا دیا اور جب انھوں نے دیکھا تو چہرۂ انور کی نورانیت اور جلال سے فوراً یہ کہہ اٹھے کہ بلاشبہ آپ خدا کے نبی ہیں، اس حدیث میں بالوں پر سفیدی آجانے کا ذکر بھی ہے مگر تبلایا کہ وہ سفید بال بھی سرخ رنگ سے خضاب آلود تھے۔

(۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ قِيْلَ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ اَكَانَ فِيْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْبٌ، قَالَ لَمْ يَكُنْ فِيْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْبٌ اِلَّا شَعَرَاتٌ فِيْ مَفْرِقِ رَاْسِهٖ اِذَا ادَّهَنَ وَارَاهُنَّ الدُّهْنُ ۔

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سفید بال تھے، تو آپ نے جواب دیا کہ آپ کے سر کے

بالوں میں سفیدی نہیں تھی البتہ چند بال مانگ میں سفید تھے جب آپ تیل استعمال فرماتے تو تیل اس سفیدی کو چھپا لیتا تھا۔

تحقیق

شعرات: تنوین کے ساتھ جو تقلیل کے معنی میں ہے یعنی شعرات معدودۃ، چند بال۔

مفرق: بفتح المیم وسکون الفاء وکسر الراء بال ادھر ادھر ہونے کی جگہ، مانگ، سر کا درمیانی حصہ اس کے لئے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔

تشریح

حضرت جابر نے فرمایا کہ عام طور پر بڑھاپے میں بالوں میں زیادہ سفیدی ہو جاتی ہے ویسی نہیں تھی، البتہ کچھ بال سفید تھے وہ بھی مانگ کے قریب، مگر تیل لگا لینے کے بعد یہ سفیدی بھی نظر نہیں آتی تھی، کیونکہ وہ چند بال سمٹ کر کالے بالوں میں مل جاتے اور نمایاں نہ ہوتے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی خِضَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے خضاب فرمانے کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں خضاب فرمانے کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، بعض میں یہ ہے کہ آپ کے بال اتنے سفید ہی نہ تھے کہ آپ انھیں رنگتے اور خضاب کا استعمال فرماتے، بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ نے خضاب کیا ہے، یا اس طرح کہ آپ کے بال خضاب آلود اور رنگے ہوئے تھے، اس طرح کی روایتیں امام ترمذی بخاری، مسلم اور دیگر حضرات نے بھی روایت کی ہیں۔

اسی اختلاف کی بناپر ائمہ اور علماء کے مابین اختلاف ہوا ہے کہ آیا خضاب کرنا اولیٰ ہے یا نہ کرنا بہتر، تو ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ خضاب کرنا مستحب ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے خاص طور پر ہے جو ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے ہیں اس لئے تم لوگ ان کی مخالفت کرو، اخرجہ الشیخان والنسائی وغیرہم، اور اسی بناپر بہت سے صحابۂ کرام نے خضاب کیا ہے۔

اور بہت سے علماء کی رائے ہے کہ خضاب نہ کرنا اولیٰ ہے اور اس کی دلیل عمرو بن شعیب کی مرفوع روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ جس کے بال سفید ہوجائیں تو وہ اسکے لئے نور ہے الا یہ کہ وہ انھیں اکھاڑدے یا خضاب کرے۔ یہ روایت طبرانی نے نقل کی ہے، امام ترمذی نے بھی روایت کی ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے، اس کے علاوہ ترمذی اور ابن ماجہ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ بحالت اسلام جس کے بالوں میں سفیدی آئی وہ قیامت کے دن نور ہوگی۔

طبری نے دونوں طرح کی روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اگر کسی کے سفید بال خراب لگتے ہوں یا خستہ تو اس کے لئے خضاب کرنا اولیٰ ہے ورنہ نہیں مگر خضاب کرنا بہرحال بہتر ہے، کیونکہ اس میں آنحضور ص کے حکم کی تعمیل بھی ہوتی ہے اور اہل کتاب کی مخالفت، نیز بالوں کو غبار آلود ہونے سے بچانے کا ذریعہ بھی، مگر اگر وہاں کے رہنے والے افراد زیادہ تر خضاب نہ کرتے ہوں تو پھر خضاب نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

پھر جو حضرات خضاب کے مستحب ہونے کے قائل ہیں وہ بہرحال یہ کہتے ہیں کہ سرخ رنگ یا زرد رنگ کا خضاب افضل ہے، البتہ کالے خضاب کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، زیادہ تر علماء کالا خضاب مکروہ بتاتے ہیں، امام نووی مکروہ تحریمی بتاتے ہیں، البتہ کچھ افراد کالے خضاب کو بعض مصلحتوں کی بنیاد پر درست قرار دیتے ہیں جیسے جہاد کے لئے، بعض علماء عورتوں کے لئے کالا خضاب مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں اور مردوں کے لئے مکروہ کہتے ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ اِيَادِ بْنِ لَقِيطٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُو رِمْثَةَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اِبْنٍ لِي فَقَالَ اِبْنُكَ هٰذَا فَقُلْتُ نَعَمْ اَشْهَدُ بِهٖ قَالَ لَا يَجْنِي عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ قَالَ وَرَاَيْتُ الشَّيْبَ اَحْمَرَ، قَالَ اَبُو عِيسٰى هٰذَا اَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هٰذَا الْبَابِ وَاَفْسَرُ لِاَنَّ الرِّوَايَاتِ الصَّحِيحَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ، وَاَبُو رِمْثَةَ اسْمُهٗ رِفَاعَةُ بْنُ يَثْرِبِيِّ التَّيْمِيُّ

ترجمہ:۔ ابو رمثہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بیٹے کو لیکر حاضر ہوا، آپؐ نے پوچھا کہ یہ تمہارا لڑکا ہے میں نے کہا کہ ہاں یہ میرا بیٹا ہے میں اس کی گواہی دیتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی کسی غلطی کی سزا تمھیں نہیں ملیگی اور نہ ہی تمھاری جنایت کا بدلہ اس پر آئیگا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے کچھ

بالوں کو سرخ دیکھا۔

قال ابو عیسیٰ: امام ترمذی کہتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں وارد روایتوں میں یہ روایت سب سے زیادہ صحیح اور واضح ہے کیونکہ صحیح روایتوں میں ہے کہ آپ کے بالوں میں اتنی سفیدی آئی ہی نہ تھی اور ابو رمثہ کا نام رفاعہ بن یثربی ہے۔

تحقیق خضاب بروزن کتاب، مایخضب بہ۔ بالوں کو رنگنا، انسانی اعضاء کو رنگنا، ابنک ھذا: یہاں ہمزۂ استفہام محذوف ہے، اور یہ مبتدا مؤخر ہے ابنک خبر مقدم، نعم اشھد بہ: یہ مضارع متکلم بھی ہوسکتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں، اور صیغۂ امر بھی ہوسکتا ہے، یعنی آپ گواہ رہیں، مشتق از شہادۃ، آنحضورؐ نے دریافت فرمایا اس پر ان کا جواب کافی تھا مگر مزید تاکید کے لئے کہا اشہد بہ۔

لایجنی علیک: جنایۃ باب ضرب جرم کرنا، جنایت کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس کلام سے جاہلیت کی ایک غلط روایت کی تردید فرمائی ہے جاہلیت کے دور میں باپ کے کئے کی سزا بیٹے کو اور بیٹے کی سزا باپ کو بھی دیدی جاتی جب اصل جانی غائب ہوجاتا، آپؐ نے فرمایا کہ اسلام میں کوئی شخص دوسرے کی غلطی کا ذمہ دار نہیں ہوتا ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔

تشریح امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ روایت اس باب میں سب سے واضح اور حسن ہے کہ جس میں یہ نہیں کہا کہ آپ نے بالوں میں خضاب فرمایا ہے، امام ترمذی اسی کے قائل ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا ہے اور جو دوسری روایتیں وارد ہوئی ہیں خضاب کرنے کے سلسلے میں وہ اس مذکورہ حدیث کے مقابلہ میں حسن نہیں ہیں۔

(۲) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبِىْ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سُئِلَ اَبُوْهُرَيْرَةَ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَرَوٰى اَبُوْعَوَانَةَ

هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ فَقَالَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ :

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں میں خضاب فرمایا تھا، انھوں نے کہا ہاں

تشریح:۔ امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد قال ابوعیسیٰ کے ذریعہ تاثر دے رہے ہیں کہ یہی روایت ابوعوانہ نے اس طریق سے نقل کی ہے مگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے نہ کہ حضرت ابوہریرہ کا، اور اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ مذکورہ حدیث جو شریک عن عثمان عن عبداللہ بن موہب ہے وہ شاذ ہے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، دراصل امام ترمذی کا رجحان اس قول کی جانب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں میں خضاب نہیں کیا ہے اسی لئے پہلی روایت کے بارے میں یہ کہا کہ یہ اصح الحدیث فی ہذا الباب ہے جس میں یہ کہا گیا تھا کہ آپ کے بال اتنے سفید تھے ہی نہیں کہ اس میں خضاب کیا جاتا۔

(۳) حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ أَنْبَأَنَا النَّضْرُ بْنُ زُرَارَةَ عَنْ أَبِيْ جَنَابٍ عَنْ إِيَادِ بْنِ لَقِيْطٍ عَنِ الْجَهْذَمَةِ امْرَأَةِ بِشْرِ بْنِ الْخَصَاصِيَةِ قَالَتْ أَنَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ يَنْفُضُ رَأْسَهُ وَقَدِ اغْتَسَلَ وَبِرَأْسِهِ رَدْعٌ أَوْ قَالَ رَدْغٌ مِنْ حِنَاءٍ، شَكَّ فِيْ هٰذَا الشَّيْخُ ۔

ترجمہ:۔ حضرت بشیر بن خصاصیہ کی بیوی حضرت جہذمہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنے گھر سے سر جھاڑتے ہوئے نکل رہے تھے اور آپ نے اس وقت غسل فرمایا تھا، آپ کے سر مبارک میں حنا کا اثر تھا ردع اور ردغ میں شیخ کو شک ہے۔

تحقیق: ینفض. بضم الفاء۔ باب نصر، رگڑنا جھاڑنا، حرکت دینا، یہ جملہ حال واقع ہے
ردغ۔ بفتح الراء وسکون الدال ثم الغین المعجمۃ، یہ جمع ہے ردغۃ کی، کیچڑ گرد، یعنی بال غبار یا زعفران کی وجہ سے لتھڑے ہوئے تھے، اور اگر ردع عین مہملہ کے ساتھ ہو تو اسکے معنی ہیں اثر، خوشبو کا اثر، یا رنگ کا اثر، میل۔

(۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنْبَأَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ اَنْبَأَنَا حُمَيْدٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا، قَالَ حَمَّادٌ وَاَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَيْلٍ قَالَ رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَخْضُوْبًا ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ وسلم کے بال رنگے ہوئے دیکھے، اس روایت کے راوی حضرت حماد کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن محمد بن عقیل (ابن ابی طالب) سے سنا انھوں نے فرمایا کہ میں نے آپ کے بالوں کو خضاب آلود حضرت انس کے پاس دیکھا ہے۔

تشریح:۔ اس سے قبل حضرت انس کی روایت گذر چکی ہے جس میں انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کرنے کی نفی کی ہے، تو شارحین یہ توجیہ کرتے ہیں کہ نفی اکثر حالات کی ہے، اور اگر آپ سے خضاب کرنا ثابت ہو تو بہت کم موقع پر، اس کی دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ اس نے بالوں میں خضاب کرنے کی نفی حقیقۃً کی ہے اور جہاں مخضوبًا کہا ہے وہ مجازاً۔ بایں طور کہ آپ خوشبو کے۔ لئے یا سر کے درد کے لئے مہندی کا استعمال فرماتے اسی کو خضاب آلود ہونے سے تعبیر کردیا ہے۔

میرک کہتے ہیں کہ صحیحین اور اسکے علاوہ مختلف اسناد سے جو روایتیں حضرت انس سے مروی ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب

نہیں فرمایا ہے، ان کے بالوں میں اتنی سفیدی نہیں تھی کہ ان میں خضاب کیا جاتا البتہ یہاں ایک روایت حضرت انس کی بھی ہے جس میں شعر رسول اللہ مخضوباً بتایا ہے، تو یہ روایت شاذ ہے اس لئے کہ اس میں راوی حمید ہیں جو مدلس ہیں البتہ جن بالوں کے متعلق یہ آتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد بھی وہ رنگے ہوئے دیکھے گئے ہیں تو ان کے سلسلہ میں یہی سمجھنا چاہئے کہ جن کے پاس محفوظ رہے جیسے ابوطلحہ یا ام سلیم، انھوں نے ہی بالوں کو رنگ دیکر محفوظ رکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کُحْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سُرمہ کا بیان

کحل بضم الکاف سرمہ، وہ چیز جس کا سرمہ بنا کر لگایا جائے، اور بفتح الکاف مصدر ہوگا، از فتح سرمہ لگانا، اور کَحَلَ بفتحتین آنکھوں کا سرمگیں ہونا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل طور پر سرمہ کا استعمال فرمایا ہے، اور اس کی ترغیب بھی دی ہے، یہ فرمایا کہ آنکھوں میں سرمہ لگایا کرو کیونکہ یہ بینائی بڑھاتا ہے، اس باب میں امام ترمذی نے سند کے لحاظ سے چھ حدیثیں ذکر کی ہیں اور حقیقت میں یہ چار احادیث ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَیْدٍ الرَّازِیُّ اَنْبَاَنَا اَبُوْدَاؤُدَ الطَّیَالِسِیُّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ عَنْ عِکْرَمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اکْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّہٗ یَجْلُو الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَتْ لَہٗ مُکْحُلَۃٌ یَکْتَحِلُ مِنْہَا کُلَّ لَیْلَۃٍ ثَلَاثَۃً فِیْ ہٰذِہٖ وَثَلَاثَۃً فِیْ ہٰذِہٖ ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اثمد کا سرمہ لگایا کرو کیونکہ یہ بینائی بڑھاتا ہے اور پلکیں اُگاتا ہے، ابن عباس کہتے ہیں کہ آنحضور کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپ ہر رات تین بار اس آنکھ میں لگاتے اور تین دفعہ اُس آنکھ میں۔

تحقیق اکتحال، سرمہ لگانا، یہاں امر کے صیغہ میں مقصود ہے کہ داوموا علی الاکتحال الاثمد، بکسر الہمزۃ وسکون المثلثۃ وکسر المیم، سرمہ، وہ پتھر جسے پیس کر سرمہ کے طور پر آنکھوں میں لگایا جائے، ایک قول کے مطابق اصفہانی سرمہ کو اثمد کہتے ہیں تاج الاسامی میں توتیا لکھا ہے ایک روایت میں یہ ہے کہ ایسا سرمہ جس میں خالص مشک کی آمیزش ہو۔

یجلو، جلاء باب نصر، آنکھوں کو خوبصورت کرنا، روشن کرنا۔

زعم، دعوی کیا، کہا، یہ بغیر فاء کے ہے جیسا کہ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، البتہ درمیان میں اسکا استعمال ایسا ہی ہے جیسا کہ قال اور اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ حدیث کا پہلا جز حدیث مرفوع ہے اور زعم کے بعد کی روایت موقوف، یہ ابن عباس کا اپنا قول ہے

مکحلۃ، بضم المیم، کحل کا اسم الہ علی خلاف القیاس، جس میں سرمہ رکھا جائے، یعنی سرمہ دانی

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ استعمال کرنے کی تاکید فرمائی ہے، کہا ہے کہ مستقل سرمہ کا استعمال کرو، ساتھ ہی اس تاکید کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ اس سے آنکھوں کی بینائی بڑھتی ہے، بیماری دور ہوتی ہے اور پلکوں کے بال اس کی وجہ سے بڑھتے ہیں جس سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل طور پر سرمہ کا استعمال فرمایا ہے، حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ان کی ایک سرمہ دانی تھی جس سے وہ رات کو تین تین بار دونوں آنکھوں میں لگاتے تھے، آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ سرمہ لگاتے ہوئے وتر کا خیال رکھو، یعنی طاق ہو، جس کے لئے علماء کی دو رائے ہے ایک یہ کہ دونوں آنکھوں میں تین تین بار لگایا جائے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں آنکھوں کو ملا کر وتر ہو، ایک آنکھ میں تین دفعہ اور دوسری آنکھ میں دو بار، اسی طرح سرمہ لگانے میں بھی تیمن مستحب ہے پہلے داہنی آنکھ میں پھر بائیں آنکھ میں۔

محی الدین ابن عربی کہتے ہیں کہ سرمہ لگانے کی دو صورت ہے ایک زینت کے لئے دوسرا نافع بدنی کے لئے اگر زینت کے لئے ہو تو حسب حاجت لگے گا، اور اگر منفعت مقصود ہو تو اس کے لئے

آنحضورؐ کا معمول اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ روزانہ رات کو سوتے وقت لگانا چاہئے اسلئے کہ ایسی صورت میں آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور انتفاع کا مقصد مکمل طور پر حاصل ہوتا ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسٰى اَخْبَرَنَا اِسْرَائِيْلُ بْنُ يُوْنُسَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ يَّنَامَ بِالْاِثْمِدِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ وَقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ فِيْ حَدِيْثِهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے ہر آنکھ میں تین دفعہ سرمہ لگایا کرتے تھے۔

یہی روایت دوسرے طریق سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمہ دانی تھی جس سے آپ سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین بار سرمہ لگایا کرتے تھے۔

(۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ ۔

ترجمہ:۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ سوتے وقت سرمہ لگایا کرو کیونکہ وہ بینائی بڑھاتا ہے اور پلکیں اگاتا ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَيْرَ اَكْحَالِكُمُ الْاِثْمِدُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعَرَ۔

ترجمہ:۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارے سرموں میں سب سے بہتر سرمہ اثمد ہے، جو آنکھوں کی روشنی بڑھاتا ہے اور پلکیں اگاتا ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعَرَ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اثمد کا التزام کیا کرو وہ آنکھوں کو روشنی دیتا ہے اور پلکوں کو اگاتا ہے۔

تشریح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ کے استعمال اور اس کے التزام کی تاکید فرمائی اور اس کی دنیوی وجہ بھی بتادی، پھر فرمایا کہ اثمد بہترین سرمہ ہے اس کی خوبی ہے کہ وہ روشنی بڑھاتا ہے اور پلکوں کے بال اگاتا ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ سرمہ لگانا مردوں کے لئے مکروہ ہے، الّا یہ کہ تداوی مقصود ہو کیونکہ آنحضورؐ نے گویا علاج کے لئے ہی تاکید فرمائی ہے، البتہ دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ اگر منافع بدنی و دنیوی کا ذکر کردیا گیا تو اس سے سرمہ لگانے کی سنیت کا انکار نہیں ہوسکتا کیونکہ آنحضورؐ نے قولی اور عملی طور پر بھی اس کی تاکید فرمائی ہے اور اس پر مواظبت بھی ہے، اسلئے علماء نے سرمہ کے استعمال کو سنت بتایا ہے کہ مقصود سنت نبوی کی اتباع ہے، اس کے ساتھ ہی منفعت دنیوی بھی حاصل ہوجائے گی، ہاں اگر تزئین مقصود ہو اور دن میں لگایا جائے تو یہ مکروہ ہوگا اور غالباً امام مالکؒ کے قول کا مدعا بھی یہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ
فِی لِبَاسِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملبوسات کا بیان

لباس۔ بکسر اللام بروزن کتاب، ما یلبس۔ جو پہنا جائے۔ ملبوس۔

اس باب کے تحت امام ترمذی نے وہ احادیث نقل کی ہیں جو آنحضورؐ کے ملبوسات سے متعلق ہیں کہ آپ نے کون سا لباس پہنا اور کون سا پسند فرمایا۔

البتہ علماء نے لباس کے سلسلہ میں پانچ حکم بیان کئے ہیں، واجب، مستحب، حرام، مکروہ، مباح

۱۔ واجب لباس:۔ وہ مقدار جس سے ستر عورت ہو، یہ من حقوق اللہ ہے۔

۲۔ مندوب:۔ وہ لباس جو گرمی سردی اور نقصانات سے بچائے یہ حق العبد ہے چاہے تو اسے چھوڑ بھی سکتا ہے جیسے عید کے لئے اچھا کپڑا پہننا۔

۳۔ حرام:۔ وہ کپڑا جس کے پہننے کی ممانعت آئی ہو، یہ قسم کبھی عام ہوتی ہے اور کبھی خاص، کبھی پہننے والے سے تعلق رکھتی ہے اور کبھی ملبوس سے اور کبھی پہننے کے طرز سے اس کی مثالیں بہت بیان کی گئی ہیں۔

۴۔ مکروہ:۔ جیسے امیر آدمی کا ہمیشہ پرانے، پھٹے کپڑے پہننا یا لباس سے شہرت مقصود ہو۔

۵۔ مباح:۔ ان چاروں قسموں کے علاوہ جو بھی ہو اس کا تعلق ملبوسات سے ہی ہے جیسے سوتی، اونی، کھادی، ٹیری کاٹ یا دوسری قسمیں۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قسم کے کپڑے پہننا ثابت ہے مگر یہ کہ ملبوسات میں تکلف یا اہتمام نہیں فرماتے تھے، صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ تواضع ملحوظ رہتا تھا، آپؐ

نے بوسیدہ لباس بھی اختیار فرمایا ہے اور ہدیہ میں ملا ایک بیش قیمت جوڑا بھی استعمال فرمایا ہے۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ اَنْبَأَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى وَاَبُوْتُمَيْلَةَ وَزَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ ۔

ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے پسندیدہ لباس کرتہ تھا۔

(۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ ۔

ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے پسندیدہ لباس کرتہ تھا

(۳) حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوْبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْتُمَيْلَةَ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْقَمِيْصَ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰكَذَا قَالَ زِيَادُ بْنُ اَيُّوْبَ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ ، وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ اَبِيْ تُمَيْلَةَ مِثْلَ رِوَايَةِ زِيَادِ بْنِ اَيُّوْبَ ، وَاَبُوْتُمَيْلَةَ يَزِيْدُ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ اُمِّهٖ وَهُوَ اَصَحُّ ۔

تحقیق: القمیص:۔ ترکیب میں کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، مبتدا مؤخر ہونے کی بنیاد پر مرفوع بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

ثوب:۔ کہتے ہیں کہ جسے انسان پہنتا ہے، خواہ وہ سوتی ہو، اونی ہو، ریشمی ہو، کیسا بھی ہو، اس کا اطلاق سلے ہوتے اور بغیر سلے ہوئے کپڑے پر ہوتا ہے، اور قمیص وہ کپڑا جو سلا ہوا ہو، جس میں دو آستین ہو، جیب ہو وغیرہ جو عام طور پر اوڑھنے والے کپڑے کے نیچے پہنا جاتا ہے۔ کرتا، قمیص، حدیث میں جس کرتے کا ذکر ہے اس سے مراد سوتی کپڑا ہے اونی نہیں۔

تشریح: مذکورہ بالا تینوں روایتیں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہیں، ان سب میں ایک ہی مفہوم نمایاں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا یعنی سلا ہوا کپڑا بغیر سلے ہوئے کے مقابلہ میں زیادہ پسندیدہ تھا، کیونکہ کرتا بہ نسبت چادر کے زیادہ ستر والا اور زیادہ آرام دہ ہوتا ہے، بدن پر زیادہ بوجھ بھی نہیں ہوتا اور اس کو بدن پر رکھنے کے لئے تکلف نہیں کرنا پڑتا، اور کرتے میں زینت بھی ہوتی ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کے متعلق روایتوں میں آتا ہے کہ وہ لمبا ہوتا تھا جو ساقین تک پہونچتا تھا، آستینیں چھوٹی ہوتی تھیں زیادہ کھلی بھی نہیں اور اسے عام طور پر چادر وغیرہ کے نیچے پہنا کرتے تھے یہ کرتا قطن کا ہوتا تھا، اون کا نہیں، اون کا کپڑا بدن کے لئے تکلیف دہ بھی ہو جایا کرتا ہے اور اس میں پسینہ آنے لگتا ہے اور آپ کی قمیص کے بارے میں یہ بھی روایت آتی ہے کہ آپؐ کے پاس صرف ایک کرتا ہوا کرتا تھا۔

(۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَجَّاجِ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ بُدَیْلِ الْعُقَیْلِیِّ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ کَانَ کُمُّ قَمِیْصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الرُّسْغِ

ترجمہ:۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین پہونچے تک ہوتی تھی۔

تحقیق | کم : بضم الکاف وتشدید المیم ، آستین
الرسغ : بروزن قفل ، بضم الراء ، کلائی اور ہتھیلی کے درمیان جوڑ کا حصہ ، پہنچا ،

تشریح | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کی آستین نہ زیادہ لمبی ہوتی اور نہ زیادہ چھوٹی ہوتی ، ہتھیلی سے اوپر ہی رہتی ، کیونکہ اسی میں زیادہ آرام ہوتا ہے چھوٹی ہونے میں ہاتھوں میں سردی گرمی لگتی ہے ، لمبی ہو تو پریشانی ہوتی ہے ، یہی طریقہ مسنون ہے ، البتہ کرتے کے علاوہ جبہ ، شروانی ہو تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ انگلیوں تک رہے اس سے متجاوز نہ ہو۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ کے کرتے کی آستین انگلیوں تک جا پہونچی تھی ، تو اس کے لئے محدثین کہتے ہیں کہ یا تو تعدد قمیص کی وجہ سے روایتیں مختلف ہوئیں یا پھر اسلئے کہ دہی آستین پہلے پہل انگلیوں تک پہونچتی ہو اور زیادہ عرصہ گذرنے پر جب شکن آلود ہونے لگے تو اوپر اٹھ جاتی اور پہونچے تک رہتی تھی۔

(۵) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُشَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ لِنُبَايِعَهُ وَاِنَّ قَمِيْصَهُ لَمُطْلَقٌ اَوْقَالَ زِرُّ قَمِيْصِهٖ مُطْلَقٌ ، قَالَ فَاَدْخَلْتُ يَدِىْ فِىْ جَيْبِ قَمِيْصِهٖ فَمَسَسْتُ الْخَاتَمَ .

ترجمہ :- حضرت قرہ ایاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ ہم سب ان سے بیعت کریں ، آپ کا کرتا یا آپ کے کرتے کا بٹن کھلا ہوا تھا تو میں نے کرتے کی گردن والے حصہ سے اپنا ہاتھ اندر کیا اور مہر نبوت کو چھولیا۔

تحقیق :- رھط ، بفتح الراء وسکون الہاء ۔ جماعت قبیلہ ، یہ لفظ جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا مفرد نہیں آتا ، لغت میں رہط کا اطلاق تین سے لے کر دس افراد کیلئے

ہوتا ہے، ایک قول کے مطابق چالیس افراد پر بھی رہط کا اطلاق ہوتا ہے، البتہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت قرہ مزنیہ کے افراد کے ساتھ آئے تو ان کی تعداد چار سو تھی اس پر بھی رہط کا استعمال کیا گیا ہے مگر کوئی تعارض نہیں، مطلب یہ ہوگا کہ کئی جماعت آئی تھی، ان میں سے ایک جماعت کے ساتھ راوی موجود تھے۔

مُزَیْنَۃ: بضم المیم و فتح الزاء، مضر کا ایک مشہور قبیلہ، ایک عورت کا نام ہے جس کے نام پر یہ قبیلہ ہے۔

فبایعہ: بیعت کرنا، اطاعت کرنا، یہاں مراد ہے اسلام کی بیعت یعنی اسلام قبول کرنا

مطلق: کھلا ہوا، بندھا ہوا کی ضد، یعنی بٹن کھلے ہوتے تھے یا بغیر بٹن کے تھے

جَیب: بفتح الجیم جاب القمیص یجوبہ، باب نصر سے، جیب کہتے ہیں کرتے کا وہ حصہ جس کو گردن داخل کرنے کے لئے کاٹ کر بنایا جائے، اصلاً جیب کے معنی آتے ہیں ٹکڑا، کٹا ہوا حصہ، جیب کا اطلاق اس جیب پر بھی ہوتا ہے جو سینے کے اوپر یا کہیں کنارے کچھ رکھنے کے لئے بنایا جاتے، یہاں مراد ہے گردن کا حصہ۔

تشریح حضرت قرہ اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں اسلام پر بیعت کرنے حاضر ہوتے ہیں، دیکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اوپر سے اتنی کھلی ہوئی ہے کہ اس میں آدمی ہاتھ بھی ڈال سکتا ہے، چنانچہ انھوں نے ہاتھ داخل کرکے مہر نبوت کو چھوا ہے، ان کا یہ عمل تبرک حاصل کرنے کے لئے ہے، انھیں معلوم ہے کہ مہر نبوت ہے اور موقع بھی ہے کہ اس پر ہاتھ پھیر کر تبرک حاصل کیا جائے اس لئے ایسا کیا، ورنہ یہ جلالت نبوت اور مجلس کے ادب کے خلاف تھا کہ وہ اس طرح کرتے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر نکیر نہ فرمانا آپ کے تواضع و انکساری کے ساتھ ہی اسبات کی دلیل بھی ہے کہ آپ بیحد مشفق ہیں اور کسی مراد والے کو اس کی مراد پالینے کی ممکنہ حد تک منع بھی نہیں فرما رہے ہیں، اور ابھی تو راوی نووارد ہیں ان کو ادب معلوم بھی نہیں، آپ نے تالیف قلب فرمائی۔

(۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَهُوَ يَتَّكِئُ عَلٰى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰى بِهِمْ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ سَأَلَنِيْ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَوَّلَ مَا جَلَسَ إِلَيَّ فَقُلْتُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فَقَالَ لَوْ كَانَ مِنْ كِتَابِكَ فَقُمْتُ لِأُخْرِجَ كِتَابِيْ فَقَبَضَ عَلٰى ثَوْبِيْ ثُمَّ قَالَ أَمْلِهٖ عَلَيَّ فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنْ لَّا أَلْقَاكَ قَالَ فَأَمْلَيْتُهٗ عَلَيْهِ ثُمَّ أَخْرَجْتُ كِتَابِيْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نکلے اس حال میں کہ آپ اسامہ بن زید پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ کے بدن مبارک پر ایک منقش یمنی کپڑا تھا، آپ نے انھیں نماز پڑھائی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عبد بن حمید شیخ ترمذی کہتے ہیں کہ محمد بن الفضل نے بتایا کہ یحیی بن معین نے سب سے پہلے میرے پاس بیٹھتے ہوئے مجھ سے حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو میں حدیث بیان کرنے لگا کہ حدثنا حماد بن سلمۃ اس وقت یحییٰ بن معین نے مجھ سے کہا کہ کاش مجھے اپنی کتاب سے سناتے تو میں اپنی کتاب لانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، یحییٰ نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور کہا مجھے زبانی ہی لکھوا دیجئے کیا پتہ آپ سے ملاقات ہو سکے بھی یا نہیں، کہتے ہیں کہ میں نے لکھوا دیا، پھر اپنی کتاب لے آیا اور دوبارہ سنایا۔

تحقیق متکی علی اسامۃ - الاتکاء: ٹیک لگانا، سہارا لینا، آپ حضرت اسامہ بن زید کا سہارا لے کر گھر سے نکلے ہیں اس لئے کہ آپ سخت بیمار ہیں، واقعہ مرض الوفات کا ہے، اجمالا حال واقع ہے۔

قطری:- بکسر القاف قطر کی جانب منسوب ہے ایک قسم کی چادر یا خاص لباس جو

بحرین کا ہوتا تھا، ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں سوت کا سخت موٹا کپڑا۔

توشح :- باب تفعل، وشاح سے مشتق ہے معنی گردن پر ڈالنا، یہاں مراد یہ ہے کہ آپ نے وہ چادر داہنے ہاتھ کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا، اس طرح کپڑا ڈال کر نماز پڑھنے کو بعض ائمہ مکروہ سمجھتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جواز بتلانے کے لئے ایسا فرمایا، یا پھر یہ کہ آپ حجرۂ مبارک سے اس طرح نکلے، مگر نماز میں یہ انداز بدل دیا۔

تشریح ابن سعد نے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے جس میں ذکر ہے کہ یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے آپ سخت بیمار ہیں، غالباً اسی بنا پر آپ نے حضرت اسامہ کا سہارا لیا ہے اور مسجد میں تشریف لاتے ہیں تاکہ نماز پڑھائیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کی ٹیک لگا کر یا سہارا لے کر کہیں آنا جانا نہیں فرماتے تھے، چونکہ مرض کی حالت ہی میں اور غالباً مرض الموت کا واقعہ ہے جس میں سخت بیمار ہیں اس لئے حضرت اسامہ بن زید کے سہارے تشریف لائے، اس حال میں کہ ایک منقش قسم کا کپڑا آپ نے گردن میں ڈال رکھا ہے۔

اسی روایت کے سلسلے میں امام ترمذی نے اپنے شیخ کے حوالے سے محمد بن الفضل اور یحیی بن معین کا واقعہ بھی نقل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو حدیث سے کس درجہ شغف تھا اور موت کا کتنا یقین تھا، کہتے ہیں کہ جب یحیی بن معین شاگرد بن کر پہلے پہل امام محمد بن الفضل کے پاس آئے ہیں تو یہی حدیث بیان کرنے کو کہا مگر خیال کیا کہ اپنی مکتوبہ بیاض سے لکھوا دیتے تو اچھا تھا، محمد بن الفضل اپنی کتاب لینے کے لئے اٹھے ہیں مگر حضرت یحیی نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ موت تو کسی وقت آسکتی ہے، کیا پتہ آپ سے اگلے ہی لمحے ملاقات نہ ہو، اس لئے اس وقت تو آپ زبانی ہی لکھوا دیجئے بعد میں کتاب سے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

(۷) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اِيَاسٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ عِمَامَةً اَوْ قَمِيْصًا اَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْأَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ۔

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْنُسَ الْكُوْفِيُّ اَنْبَأَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا کپڑا استعمال فرماتے تو اس کا نام لیتے خواہ وہ عمامہ ہو، کرتہ ہو، یا چادر، اس کے بعد یہ دعا فرماتے: کہ اے اللہ تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں جیسا کہ تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور تجھ سے ہی اس کپڑے کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں اور اس چیز سے بھی جس کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے (یعنی گرمی سردی وغیرہ)

تحقیق استجد۔ لبس ثوبا جدیدًا۔ یعنی نیا کپڑا پہننا، القاموس میں اس کے معنی لکھے ہیں نیا بنایا۔

سمّاہ:۔ تسمیۃ نام لینا۔ مشخص کرنا، متعین کرنا آپ کپڑے کا نام لے کر دعا فرماتے تھے

کسوتنیہ: کسا باب نصر، لباس پہنانا۔ کما کا مطلب مثل ما کسوتنی ھذا الثوب۔

تشریح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آتی ہے کہ آپ نیا لباس جمعہ کے روز استعمال فرماتے تھے، یہاں روایت میں یہ ہے کہ جب کبھی نیا کپڑا پہنتے تو وہ کپڑا، جو بھی ہوتا دستار، کرتا یا چادر یا اس طرح کا کوئی بھی تو آپ اس کا نام لیتے ہوئے خدا سے دعا کرتے کہ خدا تو نے کتنی نعمتیں دی ہیں سب پر تیری تعریف اور شکر ہے جس طرح تو نے مجھے یہ (نام لے کر) کپڑا پہنایا میں تجھ سے اس کی خوبیاں چاہتا ہوں اور اس کی برائیوں سے پناہ مانگتا ہوں اور اس کپڑے کو جس چیز کے لئے بنایا گیا اس کی شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے نہ تکبر آئے اور نہ کوئی خلاف شرع امر ہو بلکہ تیری رضا میں استعمال ہو، اس طرح جس چیز کے لئے کپڑے کو بنایا گیا سردی گرمی، زینت ستر عورت وغیرہ اس میں بھی کوئی شر اور برائی ہو تو اس سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔

(٨) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَأَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْحِبَرَةَ ۔

ترجمہ :۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کپڑا پہنا کرتے تھے ان میں یمنی منقش چادر آپ کو سب سے زیادہ پسندیدہ تھی۔

تحقیق الحبرة : بکسر الحاء ایک قسم کی یمنی چادر جو عام طور پر سرخ دھاریوں والی ہوتی ہے، یہ عربوں کے نزدیک سب سے اچھی چادر مانی جاتی تھی، منقش چادر۔ تحبیر کے معنی منقش بنانا، خوبصورت بنانا، مختلف رنگوں سے مزین کرنا۔

تشریح اس روایت میں حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ کو ملبوسات میں سب سے زیادہ پسندیدہ حبرۃ تھا اور پہلے تین روایتیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی گذر چکی ہیں جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ آپ کو سب سے زیادہ پسند کرتا تھا، بظاہر دونوں میں تعارض ہے لیکن علماء کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ کو تو سب سے زیادہ قمیص ہی پسند تھی مگر آپ کے زمانہ میں منقش چادر ہی پسندیدہ سمجھی جاتی تھی، دوسرا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ کو سلے ہوئے کپڑوں میں کرتا زیادہ پسند تھا اور بغیر سلے ہوئے کپڑوں میں منقش یمنی چادر ۔۔۔ ایک توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو منقش چادر ہی پسند تھی جسکو کرتا بنا لینا زیادہ پسند فرماتے تھے۔

اس روایت میں وضاحت ہے کہ آپ کو حبرۃ پسند تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یمن کی ایک خاص چادر ہوتی تھی جس میں سرخ دھاریاں ہوا کرتی تھیں، غالباً یہی وہ لباس ہے جسے آپ استعمال فرماتے اور روایت کرنے والوں نے کہا کہ آپ کے جسم اطہر پر سرخ جوڑا تھا۔

(۹) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَرِیْقِ سَاقَیْهِ قَالَ سُفْیَانُ اُرَاهَا حِبَرَةً ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ پر سرخ جوڑا تھا۔ اور گویا میں آپ کی پنڈلیوں کی چمک بھی دیکھ رہا ہوں، حدیث کے ایک راوی سفیان کہتے ہیں کہ سرخ جوڑے سے مراد میں منقش یمنی جوڑا سمجھتا ہوں۔

تشریح یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر بطحاء مکہ میں ہوا ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے، حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ آپ کو سرخ دھاریوں والے جوڑے میں دیکھا اور آپ کی پنڈلیوں پر میری نظر پڑی جس میں چمک تھی، اب محسوس ہوتا ہے کہ میں اس چمک کو دیکھ رہا ہوں، چمک سے مراد سفیدی اور خوبصورتی ہے۔

اس روایت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ صرف پنڈلیوں تک کے لباس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، اتنا مختصر لباس مستحب بھی ہے، حدیث ابو جحیفہ تو مطلق سرخ جوڑے کو کہہ رہے ہیں مگر اس روایت کی سند میں راوی سفیان ہیں، وہ اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری سمجھ میں یہ ہے کہ یہ سرخ جوڑا نہیں بلکہ حبرۃ ہے یعنی منقش چادر، جس میں دھاریاں سرخ ہوتی تھی

(۱۰) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِیْسٰی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ اِسْرَائِیْلَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَا رَاَیْتُ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ اَحْسَنَ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَانَتْ جُمَّتُهٗ لَتَضْرِبُ قَرِیْبًا مِنْ مَنْكِبَیْهِ ۔

ترجمہ:۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرخ

جوڑے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین لوگوں میں کسی کو نہیں دیکھا، آپ کے سر کے بال دونوں مونڈھوں کے قریب تک پہونچتے ہوتے ہوتے تھے۔

تشریح اس جگہ حضرت براء نے یہ بتایا کہ آپ سرخ جوڑے میں ہوتے تھے، اس سے پہلے والی روایت میں بھی حلہ حمراء کا ذکر ہے۔

مردوں کے سرخ لباس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک قول تو یہ ہے کہ مطلق جائز ہے اور دلیل یہی روایتیں ہیں۔

دوسرا قول مطلق ناجائز ہونے کو واضح کرتا ہے، ان کی دلیل عبداللہ بن عمرو اور ابن عمر کی روایتیں ہیں، آپ نے ایک شخص کو مُعَصفَر کپڑے میں دیکھا تو فرمایا کہ یہ تو کفار کے کپڑے ہیں اور معصفر کپڑا اسے کہتے ہیں جسے عصفر (کسم) سے رنگا گیا ہو اور یہ لال رنگ ہوتا ہے دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے معصفر لباس سے منع فرمایا، تیسرا قول مکروہ ہونے کا ہے مگر وہ کپڑا جس میں سرخ رنگ کچھ ہلکا ہو، ان کا مستدل وہی ابن عمر کی روایت ہے۔ چوتھا قول مطلق مکروہ ہونے کا۔

پانچواں قول: اگر کپڑا بننے کے بعد رنگا جائے تو ناجائز اور اگر پہلے دھاگہ ہی رنگ دار ہو اور اس کا کپڑا تیار ہوا ہے تو جائز، کیونکہ آپؐ نے جو سرخ جوڑا استعمال فرمایا ہے وہ ایسا ہی ہے جو بعد میں نہیں رنگا گیا تھا۔ چھٹا قول: جو کپڑا عصفر سے رنگا ہوا ہو وہ ممنوع الاستعمال کیونکہ اس میں نہی صراحۃً وارد ہے اور اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے رنگ کر سرخی آئی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ساتواں قول: جو کپڑا مکمل طور پر سرخ رنگ کا ہو وہ ممنوع ہے اور جس میں دوسرے رنگوں کی آمیزش ہو یا سرخ دھاری ہو یا سرخ کپڑے پر کسی اور رنگ کی دھاری ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سرخ جوڑے استعمال فرمائے ہیں وہ مکمل سرخ نہیں تھے بلکہ اس میں دوسرا رنگ بھی ہوتا تھا۔

ان اقوال کو ذکر کرنے کے بعد طبری کہتے ہیں کہ ہر رنگ سے رنگا ہوا کپڑا پہنا جا سکتا ہے سوائے

اس کے جو مکمل طور پر سرخ رنگ سے ہی رنگا ہوا ہو اس لئے کہ اس زمانے میں یہ شرفاء کا لباس خیال نہیں کیا جاتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ سرخ رنگ کا جوڑا اگر کفار کا لباس ہے یا عورتوں کا لباس ہے تو اس کے تشبہ سے بچنے کے لئے اس کو ممنوع قرار دیا جاسکتا ہے، خود سرخ جوڑے میں اپنی ذات کے لحاظ سے برائی نہیں ہے بلکہ یہ اعاجم اور عورتوں کے لباس ہونے کی وجہ سے

(۱۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ اَنْبَأَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ اِيَادٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ رِمْثَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ ۔

ترجمہ :۔ حضرت ابو رمثہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا درانحالیکہ آپ کے جسم پر دو سبز چادریں تھیں۔

تحقیق

بُردان ، بُرد کا تثنیہ ، دھاری دار کپڑا ، چادر۔

اخضران ، ہرے رنگ کے ، ملا علی قاری نے اس کی تشریح یوں کی ہے ای فیھما خطوط خضر۔ یعنی وہ چادر جس میں ہرے رنگ کی دھاریاں ہوں ، ابن حجر کہتے ہیں کہ مطلق ہرے رنگ کی چادریں مراد ہیں ، ابن بطال نے لکھا ہے کہ ہرے رنگ کا لباس جنت والوں کا لباس ہے اس لئے اس رنگ کے شرف میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا ، البتہ اس سے سفید کپڑے پر ترجیح دینا درست نہ ہوگا آگے اس کی بحث آئے گی ۔

(۱۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ اَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ اَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ عَنْ جَدَّتَيْهِ دُحَيْبَةَ وَعُلَيْبَةَ عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ اَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتْهُ ، وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ ۔

ترجمہ :۔ حضرت قیلہ بنت مخرمہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ ان پر دو پرانی چادریں تھیں جو زعفران میں رنگی ہوئی تھیں مگر زعفران کے اثر سے خالی ہو رہی تھیں، اس حدیث میں طویل قصہ ہے

تحقیق | اسمال جمع ہے واحد سمل بفتحتین، پرانا کپڑا، بوسیدہ، واحد بھی استعمال کیا جاتا ہے ثوب اسمال

ملیتین: تثنیہ ہے مُلیئۃ جو تصغیر ہے ملأۃ کی بضم المیم، لنگی تہبند، چادر قاموس میں اس کا معنی یوں لکھا ہے، ہر وہ کپڑا جو بڑا ہو بغیر سلا ہوا، بغیر سلائی کے اوڑھنے یا پہننے کے کام میں آئے۔

بزعفران: یعنی رنگا ہوا زعفران سے یہ مطلب نہیں کہ زعفران آلود تھا

نفضتہ: ضمیر کا مرجع اسمال یا لون زعفران، نَفَضَ معنی جھاڑ دینا، خالی کر دینا مراد ہے رنگ زائل ہو گیا تھا۔

تشریح | اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم پر پرانے اور بوسیدہ کپڑے تھے اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے ایک صحابی کو کہا اس طرح نہ رہو اور تحدیث نعمت کرو۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح کے کپڑے استعمال فرمائے ہیں، اچھے اور عمدہ بھی اور پھٹے پرانے بھی، اسی لئے بعض علماء نے سادگی اور تواضع کے لئے پرانے اور بوسیدہ کپڑے پہننے کو ترجیح دی ہے البتہ بعض علماء کہتے ہیں کہ حسب استطاعت عمدہ کپڑے پہننے چاہئیں اس سے تحدیث نعمت ہوتی ہے۔

ابن قیم نے آنحضور کے لباس کے بارے میں بڑی اچھی بات کہی ہے کہ آپ نے کسی لباس میں تکلف نہیں کیا ہے نہ زیادہ اہتمام فرمایا ہے، اسی لئے علماء امت نے یہ کہا ہے کہ لباس سے اگر تفاخر اور کبر کا اظہار نہ ہو تو عمدہ اور صاف ستھرے کپڑے پہننے چاہئیں کہ نظافت ایمان کا جزء ہے اور اگر اس میں تفاخر پیدا ہوتا ہو تو پھر پرانے اور بوسیدہ لباس استعمال کرنا چاہئے مگر اگر بوسیدہ حالی سے منفعت دنیوی یا لوگوں کی توجہ مبذول کرانی مقصود ہو تو یہ غلط مانا جائیگا دراصل اس کا مدار نیت پر ہے اگر تحدیث نعمت مقصود ہو تو حسب استطاعت لباس فاخرہ

استعمال کرنا باعث فضل واجر ہے، اس طرح رثاثت میں بھی نیت ہی کا اعتبار ہے۔

مذکورہ روایت میں یہ بھی ہے کہ کپڑے زعفران سے رنگے ہوئے تھے مگر چونکہ اس طرح کے لباس کا استعمال ممنوع ہے اس لئے آگے ظاہر کر دیا کہ رنگ زائل ہو چکا تھا البتہ کچھ اثر باقی ہوگا جس سے معلوم ہو رہا تھا کہ کبھی زعفران سے رنگا گیا ہوگا، یہاں روایت باب کی مناسبت سے لباس کے تذکرہ کی حد تک مختصر ذکر کی گئی ورنہ روایت طویل ہے جس میں قیلہ کے ابتدائے اسلام اور اس کی کیفیت کا ذکر ہے۔

(۱۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ لِيَلْبَسْهَا اَحْيَاؤُكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ فَاِنَّهَا مِنْ خِيَارِ ثِيَابِكُمْ

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ کپڑوں میں سفید رنگ اختیار کیا کرو زندہ افراد اسی کو پہنیں اور اپنے مردوں کو سفید ہی کپڑوں میں دفن کیا کرو کیونکہ یہ سب سے بہتر لباس ہے۔

تحقیق

البیاض: اصل معنی سفیدی، یہاں مراد سفید، اصل عبارت یوں ہوگی علیکم بلبس ذی البیاض۔ کہ سفید کپڑے پہنا کرو، کافی سفید محسوس ہو کا تمہ این البیاض خیار ثوبکم۔ کپڑوں میں بہترین ہے، بعض نسخوں میں خیر ثیابکم بھی آیا ہے۔

(۱۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ ثَابِتٍ عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ اَبِيْ شَبِيْبٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَسُوا الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ۔

ترجمہ:- حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تم سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ پاک اور صاف ہوتا ہے اور اسی سے اپنے مرنے والوں کو کفن دو۔

تشریح دونوں روایتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید کپڑا استعمال کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ زندگی میں بھی یہی اختیار کرو، مرنے کے بعد بھی کفن کے لئے سفید کپڑا ہی دو۔ کیونکہ کپڑوں میں بہترین کپڑا سفید رنگ کا ہی ہوتا ہے اور اس بہتر ہونے کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ یہ پاک اور صاف ستھرا ہوتا ہے، یعنی اس میں میل ہو تو ظاہر ہو جاتا ہے اور گندگی و نجاست لگی ہو تو پتہ چل جاتا ہے جسے فوراً صاف کرلیا جا سکتا ہے اس لئے یہ اطہر ہوا اور چونکہ اس میں تواضع بھی ہے اور یہ رنگ پیدائشی ہوتا ہے اس میں کسی رنگ کی آمیزش نہیں ہوتی اس لئے یہ اطیب بھی ہے، اطیب کی ایک تعبیر یہ کی گئی ہے کہ یہ اچھا ہوتا ہے۔

شارحین حدیث کہتے ہیں کہ اس باب میں ان دو روایتوں کا ذکر ربط سے بظاہر خالی معلوم ہوتا ہے اس میں آپ نے سفید لباس پہننے کی تاکید تو فرمائی ہے مگر خود آپ کے پہننے کا ذکر نہیں جب کہ باب ہے لباس رسول کا اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے یہ خود ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے بھی سفید کپڑا پہنا ہے جس کی تائید دوسری روایتوں سے ہوتی ہے۔

یہاں آپ نے فرمایا ہے من خیار، یعنی بہترین کپڑوں میں سے ایک ہے یہ اسلئے تاکہ اس رنگ کو ہر رنگ پر ترجیح نہ ہو جائے جو حقیقۃً اہل جنت کا لباس ہے

بہر حال سفید رنگ کی افضلیت اپنی جگہ پر لیکن اگر کسی مباح ضرورت کے لئے رنگین کپڑوں کا استعمال کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱۵) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ اَنْبَاَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنُ اَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَا اَبِي عَنْ مُصْعَبِ بْنِ اَبِي شَيْبَةَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِنْ شَعْرٍ اَسْوَدُ۔

ترجمہ :- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لے گئے کہ ان کے بدن پر سیاہ بالوں کی ایک شال تھی۔ (ایک کمبل تھا)

تحقیق ذات غداۃ :- ذات الشئی نفسہ کے مفہوم میں مستعمل ہوتا ہے، غداۃ کے معنی صبح سویرے، بکرۃ۔

مِرْط :- بکسر المیم وسکون الراء، لمبا کپڑا، چادر، شال، کمبل موط شعر بالوں والی چادر جمع مروط

اسود : مرفوع واقع ہے، مرط کی صفت ہونے کی وجہ سے، اسود بالفتح بھی شعر کی صفت ہو کر مجرور ہونے کی بنیاد پر مکمل جملہ خوج سے حال واقع ہے

تشریح آپ نے اپنے لباس میں مختلف اوقات میں مختلف چیزیں استعمال فرمائی ہیں رنگ بھی الگ الگ رہا ہے، یہاں یہ ہے کہ آپ نے ایک کالی چادر بالوں کی اوڑھ رکھی ہے اور گھر سے باہر تشریف لے گئے ہیں، اس روایت میں مسلم اور ابوداؤد کے الفاظ میں مزید اضافہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمبل منقش تھا اور مختلف رنگوں کی آمیزش سے ڈیزائن تیار ہوا تھا۔

(۱۶) حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ عِيْسٰى حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ اَبِيْ إِسْحَاقَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ۔

ترجمہ :- حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رومی جبہ پہنا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔

تحقیق جُبّۃ :- بضم الجیم وتشدید الباء، کہا جاتا ہے ایسا کپڑا جس کی دو تہیں ہوں اور درمیان میں روئی ہو، البتہ اگر ادنی ہو تو ایک ہی کپڑا ڈھیلا ڈھالا اور لمبا، اردو میں بھی جبہ ہی، استعمال کیا جاتا ہے جو کرتے کے اوپر پہنا جاتا ہے شیروانی کی مانند

رومیہ: روم کا بنا ہوا، ترمذی اور ابوداؤد کی روایتوں میں رومیۃ اور صحیحین کی زیادہ تر روایتوں میں شامیہ آیا ہے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس وقت شام قیصر روم کی حکومت کے تحت میں تھا اور ممکن ہے ایک جگہ کا بنا ہوا اور دوسری جگہ کے افراد اس انداز کا پہنتے ہوں۔

تشریح یہ واقعہ غزوۂ تبوک کے لئے جاتے ہوئے سفر کا ہے جیسا کہ دوسری روایتوں سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، اس سفر میں آپ نے ایسے جبّہ کا استعمال فرمایا ہے جو رومی تھا اور جس کی آستینیں تنگ تھیں

اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ کفار کے بنے ہوئے کپڑے آنحضورؐ نے استعمال فرمائے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی بنائی ہوئی چیزیں نہ ناپاک ہوتی ہیں اور نہ ہی ملبوسات کا پہننا ممنوع ہے، الّا یہ کہ اس کا ناپاک ہونا متحقق ہوجائے، اور بالوں والی چادر (کمبل) کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں، گو کہ کفار کا ذبیحہ حرام ہے اس لئے کہ اس کی ناپاکی بدن کے ساتھ لگے رہنے کی وجہ سے ہے، کھال الگ ہوجائے اور اس سے تیار ہو تو پاک ہوگا کیونکہ اس کی دباغت ہوچکی ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ آپ نے تنگ آستینوں کا جبہ استعمال فرمایا ہے، سفر کی حالت میں یہی موزوں بھی ہوتا ہے البتہ کھلی آستینوں کے کرتے یا جبوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ صحابۂ کرام کی آستینیں ڈھیلی ہوتی تھیں بحد اعتدال! اس لئے حضر میں کشادہ آستین اور سفر میں تنگ آستین مستحب ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی عَیْشِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گذارہ کا بیان

عیش = معاش، زندگی گذارنے کا طریقہ، کیفیت معیشت، آرام وراحت، زندگی اور اس کے متعلقات۔

یہ باب شمائل کے بعض نسخوں میں (خاص طور پر موجودہ) دو جگہ مذکور ہے، یہاں مختصر ہے اور اسماء النبی کے بعد جو باب عیش رسول ہے وہ طویل ہے جس میں کافی احادیث ہیں، بعض قدیم نسخوں میں دونوں باب کی حدیثوں کو ایک ہی جگہ ذکر کر دیا گیا ہے، لیکن جہاں دو باب قائم ہیں اس کے متعلق ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہاں پر دو حدیثوں میں خود آنحضور اور ان کے اصحاب کرام کی معیشت کا ذکر ہے اور بعد میں آنے والے باب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل وعیال کی کیفیت زندگی کا تذکرہ ہے، یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں پر آپ کے ابتدائے زمانہ کے عیش کا ذکر ہے جب بیحد تنگی اور معاشی پریشانی تھی، اور دوسرے باب میں اس بات کا اشارہ ہے کہ آپ کا آخری زمانہ بھی اسی طرح گذرا ہے، فقر وصبر کو آپ نے اپنی رضامندی سے اختیار فرما لیا تھا، گرچہ فتوحات اسلامی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور آپ کے حصہ میں مال غنیمت بھی کافی آچکا تھا مگر آپ نے اپنے اور اہل بیت کے لئے آسائش کی راہ اپنانے کی بجائے فقر وفاقہ ہی کو پسند فرمایا۔

اس طرح دونوں جگہ الگ الگ تذکرہ سے الگ بیان مقصود ہے اس لئے تکرار نہیں پایا جاتا، اور چونکہ اس میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی اچھے لباس سے متعلق ہے اس لئے اس کو باب اللباس کے بعد ذکر کر رہے ہیں۔

(١) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ فِيْ أَحَدِهِمَا فَقَالَ بَخْ بَخْ يَتَمَخَّطُ أَبُوْهُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ وَإِنِّيْ لَأَخِرُّ فِيْمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَيَّ فَيَجِيْءُ الْجَائِيْ فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِيْ يَرَى أَنَّ بِيْ جُنُوْنًا وَمَا بِيْ جُنُوْنٌ وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوْعُ۔

ترجمہ :- محمد بن سیرینؒ مشہور تابعی ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اوران کے بدن پر کتان کے دو رنگین کپڑے تھے، انھوں نے ایک کپڑے سے اپنی ناک صاف کی اور کہا کہ واہ واہ! ابوہریرہ آج کتان کے کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے، ایک زمانہ وہ بھی تھا جب میں نے خود کو اس حال میں پایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا، آنے والا آتا اور اپنا پیر میری گردن پر رکھدیتا تھا یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے جنون ہو گیا (مرگی طاری ہے) اور حقیقت میں مجھے جنون نہیں تھا بلکہ وہ تو بھوک کی وجہ سے ہوتا۔

تحقیق

ثوبان: دو کپڑے چادر اور لنگی، کوئی بھی دو کپڑے۔

ممشقان: مصبوغان بالمشق۔ بکسر المیم سرخ رنگ کی ایک مٹی سے رنگے ہوئے۔

کتان: ایک قسم کا عمدہ کپڑا جو گھاس کے چمڑے سے تیار ہوتا ہے، صاحب محیط اعظم نے اس کا ترجمہ السی لکھا ہے۔

تمخط: باب تفعل، ناک صاف کرنا

بخ بخ: دونوں خا ساکن اور یا پھر دونوں مشدد بالکسر اور تنوین کے ساتھ بَخٍّ بَخٍّ یہ تعجب یا خوشی کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے، یہاں اظہار تعجب ہے۔

رأیتنی: دو ضمیر متصل ہیں اور دونوں ایک ہی کے لئے ہے یعنی میں نے محسوس کیا ہے

بصریت کو قلب کی رویت پر محمول کرتے ہوئے۔

اَخِرُّ: باب ضرب سے متکلم کا صیغہ، مصدر خرور، گر پڑنا اوپر سے نیچے۔

مغشیاً علیَّ: بے ہوش ہوکر، مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے کی حالت میں۔

عنقی: ۔ میری گردن پر آنے والا یہ سمجھ کر کہ مجھے مرگی طاری ہوگئی ہے اور جیسا کہ اس وقت سمجھا جاتا تھا کہ مرگی والے کی گردن پر پیر رکھدینے سے ٹھیک ہوجاتا ہے۔

تشریح حضرت ابوہریرہ رضؓ نے اپنی ابتدائے اسلام کی زندگی اور بعد کے حالات کا ذکر بہت ہی بہتر انداز میں کر دیا ہے، یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ وہ بہترین لباس میں ملبوس ہیں اور ان لباسوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لئے اس سے ناک صاف کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب اتنی آسائش ہوگئی ہے کہ ایسے اچھے کپڑے سے ابوہریرہ ناک صاف کرتا ہے، اور ابتداء کا زمانہ یہ تھا کہ میں اصحاب صفہ میں سے تھا اور مہمان رسول تھا ہمیں کھانے کو میسر نہیں آتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھی کھانے کو نہیں تھا جو ہمیں دیتے چنانچہ میں بھوک کے مارے مسجد نبوی میں بے ہوش ہوکر گر پڑتا تھا، آنے والے سمجھتے تھے کہ اس کو مرگی ہوگئی ہے وہ ہمدردی میں میری گردن پر پاؤں رکھ دیا کرتے تھے تاکہ ٹھیک ہوجاؤں، واللہ وہ تو صرف بھوک کا اثر ہوتا تھا

اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگ حالی کا پتہ چلتا ہے کہ ان کے اہل وعیال اور مہمان کیسی کس مپرسی کی حالت میں زندگی گذارتے رہے خود آپ کی تنگدستی بھی یہی تھی اسی لئے تو اپنے اہل صفہ کو کھانے کے لئے ہمہ وقت نہیں دے پاتے تھے اس میں آپ کی معیشت اور اصحاب کا فقر وفاقہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ مَا شَبِعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزٍ قَطُّ وَلَا لَحْمٍ اِلَّا عَلٰى ضَفَفٍ قَالَ مَالِكٌ سَأَلْتُ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ مَا الضَّفَفُ فَقَالَ اَنْ يَتَنَاوَلَ مَعَ النَّاسِ۔

ترجمہ:- مالک بن دینار تابعی کی روایت ہے کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی روٹی سے شکم سیر ہوئے نہ گوشت سے سوائے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے کی صورت میں، مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ایک بدوی سے ضفف کے معنی پوچھے تو اس نے کہا لوگوں کے ساتھ کھانا۔

تحقیق

شبع: باب سمع سے، شکم سیر ہونا، پیٹ بھرنا، آسودہ ہونا۔

قَطّ: بفتح القاف وتشدید الطاء المہملۃ، کچھ لوگ طاء کو مخفف بھی پڑھتے ہیں ابداً کے معنی میں، کبھی کبھی اس کو خبز اور لحم کے درمیان لائے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہوجائے کہ دونوں میں سے کسی سے بھی شکم سیر نہ ہوئے۔

ضفف: بفتح الضاد والفاء۔ راوی نے اس کا مطلب بھی بتادیا ہے کہ جب لوگوں کیساتھ مل کر کھانا ہوتا ویسے اسکے اصل معنی ہیں کثرت عیال مع قلت مالی۔ مہمانوں کی کثرت کے موقع پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے اور یہاں غالباً یہی مراد ہے۔

تشریح

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تنہا کبھی کبھی اپنی زندگی میں شکم سیر نہیں ہوئے اس کے سلسلہ میں علامہ مناوی کہتے ہیں کہ ایک شارح نے یہ توجیہ کی ہے کہ البتہ کچھ لوگوں کے ساتھ ولیمہ یا عقیقہ وغیرہ میں آپ پیٹ بھر کر کھا لیتے تھے، پھر مناوی کہتے ہیں کہ یہ قطعی لغو توجیہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کی جانب ایسی نسبت توہین رسالت ہے البتہ اس کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ جب آپؐ کے یہاں مہمان آتے تو آپ ان لوگوں کی خاطر تکلف فرماتے اور کھانے میں ساتھ دیتے تاکہ مہمان شکم سیر ہوجائیں اس طرح مہمانداری کی روایت نبھاتے ہوئے خود بھی شکم سیر ہوجاتے جو دو تہائی شکم تک ہوتا۔

بہر حال احقر کے نزدیک اس کا مطلب یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کے یہاں مہمان آتے یا آپ کسی کے یہاں مہمان ہوتے تو مہمان یا میزبان کی دلجوئی کے لئے اتنا تناول فرمالیتے جو شکم سیر کے مفہوم میں ہوتا مگر وہ بھی دو تہائی پیٹ بھر کر ورنہ مکمل طور پر شکم سیری نہیں تھی۔

روایت مالک بن دینار کی ہے جو تابعی ہیں اس لئے حدیث مرسل ہے

بَابُ مَا جَاءَ

فِي خُفِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضورؐ کے موزہ کا بیان،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قسم کے خفین پہننے کی روایت ملتی ہے، اس باب کے ضمن میں خود آرہا ہے کہ آپؐ نے غیر مسلموں کا بھیجا ہوا موزہ استعمال فرمایا ہے جو اس کی اباحت کی دلیل ہے، مگر جو خفین آپ نے استعمال فرمائے ہیں وہ چمڑے کے ہوتے تھے اور انھیں پر مسح کرنا بھی ثابت ہے، خف کے سلسلہ میں مزید تفصیلات فقہ کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ اس باب میں دو حدیثیں ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ دَلْهَمِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو سیاہ رنگ کے سادے موزے بطور ہدیہ بھیجے، آپ نے انھیں پہنا، پھر وضو کرکے ان پر مسح فرمایا۔

تحقیق النجاشی، نون کے فتحہ کے ساتھ، کسرہ بھی درست ہے، یہ حبشہ کے بادشاہوں کا لقب ہوا کرتا تھا، جیسے فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، روم وشام کے بادشاہ کو قیصر، اور مصر کے بادشاہ کو فرعون کا لقب دیا جاتا تھا۔

حبشہ کے اس بادشاہ کا نام اصحمہ ہے، آپ کے اصحاب کی ہجرت اسی کے دور میں حبشہ میں ہوئی تھی، آپ نے اسلام کی دعوت دی تھی تو انھوں نے قبول کیا اور مسلمان ہوگئے، ان کی

موت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی ہے۔

اھدی، باب افعال سے ہدیہ کرنا، یہاں مراد ہے ہدیہ میں بھیجا۔

خفین؛ تثنیہ خف کا، موزہ اس کی جمع خفاف بروزن کتاب، خف البعیر اونٹ کے پیر کا نچلا حصہ، جمع اخفاف۔

ساذجین:۔ ساذج معرب ہے سادہ کا، مطلب یہ ہے کہ منقوش نہیں تھا، یا یہ کہ بالوں سے خالی چمڑے کا تھا۔

تشریح: نجاشی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف چیزیں ہدیہ میں ارسال کی تھیں، آپ نے طہارت پر پہلے موزوں ہی کو استعمال فرمایا اور ان پر مسح کیا تھا، ابن حبان کی ایک روایت اسی سند سے منقول ہے جس میں یہ ہے کہ آپ کے پاس ایک کرتا اور ایک پائجامہ اور ایک رومال بھی بھیجا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، کیونکہ نجاشی کا یہ ہدیہ اس وقت کا ہے جب وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

(۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ أَهْدَى دِحْيَةُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ فَلَبِسَهُمَا، وَقَالَ إِسْرَائِيلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَامِرٍ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتَّى تَخَرَّقَا لَا يَدْرِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَكِيٌّ هُمَا أَمْ لَا، قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا هُوَ أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ وَاسْمُهُ سُلَيْمَانُ۔

ترجمہ:۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ دحیہ کلبی نے آپ کو دو موزے ہدیۃً دیئے جسے آپ نے پہن لیا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک جبہ بھی تھا، آپ نے دونوں کو استعمال فرمایا ہے یہاں تک کہ دونوں پھٹ گئے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آیا وہ مذبوح جانور کے موزے تھے یا غیر مذبوح کے۔

تحقیق دحیہ :- بکسر الدال عند الجمھور، مشہور صحابی جو بہت حسین تھے، حضرت جبرئیل اکثر ان ہی کی صورت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔

وقال اسرائیل :- یہ امام ترمذی کا کلام ہو سکتا ہے اس صورت میں یہ معلق ہوگا اور اگر ان کے شیخ قتیبہ کا کلام ہو تو معلق نہیں ہوگا۔

تَخَرَّقَا :- باب تفعل سے، پھٹ جانا، ٹکڑے ہو جانا، تثنیہ کی ضمیر بایں معنی کہ خفین تو ایک ہی ملبوس ہوا اور دوسرا جبہ ہے، اور ممکن ہے ضمیر صرف خفین کی جانب راجع ہو

ذکی : شرعی طور پر ذبح شدہ، دوسرا مفہوم پاک ہونا، یہاں دونوں مراد ہو سکتا ہے، یعنی آپ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ خفین ذبح کئے ہوئے جانور کی کھال کے ہیں یا نہیں، دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو معلوم نہ تھا کہ آیا یہ پاک تھے بھی یا نہیں، اور ان کو بغیر تحقیق کے استعمال فرمالیا۔

تشریح حضرت دحیہ نے آپؐ کو خفین اور جبہ ہدیہ کیا تھا، ایک روایت میں تو صرف خفین کا ذکر ہے، مگر دوسری روایت میں اضافہ موجود ہے، کہ جبہ بھی تھا، اور ان کو آپ نے بلا تحقیق استعمال فرمالیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ مجہول الاشیاء میں اصل طہارت اور اباحت ہے، اسی روایت سے احناف یہ کہتے ہیں کہ دباغت کے بعد مذبوح و غیر مذبوح کی کھال دونوں کا استعمال درست ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ
فِی نَعلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا بیان

اس باب میں امام ترمذی نے گیارہ حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتا پہننے اور ان کے جوتوں کی کیفیت اور اس کے متعلقات کا ذکر ہے۔
ابن عربی کہتے ہیں کہ نعل (جوتا) انبیاء علیہم السّلام کے پہننے کی چیز ہے جسے لوگوں نے اس واسطے اپنا لیا کہ زمین میں مٹی وغیرہ ہوتی ہے، اور اس سے پیروں کی حفاظت بھی ہوتی ہے امام مسلم نے حضرت جابر سے روایت بھی نقل کی ہے کہ آنحضور نے فرمایا جوتے پہنا کرو۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ ۔

ترجمہ:۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کیسے تھے تو انھوں نے جواب دیا کہ دونوں جوتوں میں دو دو تسمے تھے۔

تحقیق
نعل:۔ اسم ہو تو اس کے معنی جوتا، چپل وغیرہ، مصدر بھی استعمال ہوتا ہے عسقلانی رہ کہتے ہیں کہ نعل ہر اس چیز کو کہا جائیگا جو پیروں کی حفاظت کرے لفظاً یہ مؤنث ہے۔
قبالان:۔ قبال بکسر القاف، جوتے کا فیتہ، تسمہ جو انگوٹھے میں لگا ہو اور جو پیروں

قبالان کا مطلب ہے لکل واحد منہما

کے اوپر ہو اس کو شراک النعل کہتے ہیں لہما قبالان کا مطلب ہے لکل واحد منہما

تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتا شریف کے سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب زاد السعید میں مکمل تفصیلات ذکر کی ہیں اور اس کا نقشہ بھی دیا ہے، جزریؒ کہتے ہیں کہ آپؐ کے جوتے مبارک میں دو تسمے انگلیوں میں تھے ایک انگوٹھا اور اس سے ملا ہوا دوسرا درمیان کی انگلی میں، اور ان تسموں کا رابطہ پاؤں کے اوپر واقع جوتے کے ایک فیتے سے تھا۔

اس زمانے میں جوتوں کی مختلف قسمیں رائج ہیں، اس وقت عربوں کے یہاں جوتے کی جو صورت تھی وہ کچھ اس قسم کی جو آج کل چمڑوں کے چپلوں میں ہوتا ہے، پیر کے اوپر ایک فیتہ سا اور انگوٹھا، مگر آنحضورؐ کے جوتے میں انگلیوں میں بھی دو تسمے تھے، جن میں دونوں انگلیاں داخل کر دی جاتی تھیں۔

(۲) حَدَّثَنَا اَبُوْكُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثَنًّى شِرَاكُهُمَا ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں میں دو تسمے تھے اور دونوں دوہرے تھے۔

تحقیق مُثَنّیٰ :۔ بضم میم وفتح الثاء المثلثۃ وتشدید النون، یہ اسم مفعول تثنیہ کا کسی چیز کا دو بار یعنی دوہرا ہونا، البتہ اس کو تَثْنِی سے مشتق ماننے کے سلسلہ میں علامہ مناوی کہتے ہیں کہ یہاں اس کا محل ہی نہیں ہے۔ تثنیہ سے مشتق ہونے کا مطلب ہوتا ہے ایک ہی چیز کا دو بار ہونا، اور ثنی سے مشتق ماننے کا مطلب ہوگا کہ ایک چیز پر دوسری چیز لگا دی جائے، اس میں دونوں کا ایک جنس سے ہونا ضروری نہیں ہوتا

شِراک :۔ بکسر الشین، جوتے کا وہ فیتہ جو پیروں کے اوپر ہو، انگلیوں میں نہیں،

(۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَيَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا اَبُو اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ قَالَ اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ بَعْدُ عَنْ اَنَسٍ اَنَّهُمَا كَانَتَا نَعْلَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:۔ عیسیٰ بن طہمان کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے ہمارے سامنے دو بغیر بالوں والے جوتے نکالے جن میں دو تسمے لگے ہوئے تھے، بعد میں حضرت ثابت نے حضرت انس کے حوالہ سے بتایا کہ وہ دونوں جوتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔

تحقیق:۔ جرداوین:۔ الجرداء مونث ہے اجرد کی، اجرد اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی گردن پر بال نہ ہوں یا کم ہوں۔ جرداء اس چمڑے کو بھی کہتے ہیں جس پر بال نہ ہوں۔

تشریح جوتے ایسے چمڑے سے بھی تیار کئے جاتے ہیں کہ جس کے اوپر بال موجود ہوں عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا، موجودہ زمانہ میں بھی ایسا ہوتا ہے، اس لئے راوی نے وضاحت کردی کہ وہ بالکل صاف تھے اور اس پر بال نہیں تھے۔

عیسیٰ بن طہمان کی یہ روایت کہ حضرت انس نے دو جوتے دکھائے اور اس کے بعد فحدثنی کا لفظ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ اس مجلس میں حضرت انس نے یہ نہیں بتایا کہ کس کے جوتے ہیں، البتہ عیسیٰ کو بعد میں حضرت ثابت نے انس بن مالک کے حوالے سے بتلادیا کہ وہ جوتے ان کے پاس محفوظ ہیں وہ آنحضور کے ہیں۔

(۴) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْاَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ سَعِيدُ بْنُ اَبِي سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ اَنَّهُ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ رَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ قَالَ اِنِّي رَاَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعْرٌ وَ يَتَوَضَّأُ فِيهَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا۔

ترجمہ: عبید بن جریج نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ میں نے آپ کو بغیر بالوں والے چمڑے کا جوتا پہنے ہوئے دیکھا ہے تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ ایسے جوتے پہنتے تھے جس میں بال نہ ہوں اور اس میں وضو فرماتے تھے، اسی لئے میں بھی ایسا ہی پہننا پسند کرتا ہوں۔

تحقیق السِبتیة :۔ بکسر السین وسکون الباء۔ وہ چمڑا جس کے بال اتار دیئے گئے ہوں، ایک معنی مدبوغ کے بھی آتا ہے، یہ سبت سے ماخوذ ہے جس کے معنی بالوں کو مونڈنا، حلق کرانا آتا ہے۔

تشریح عبید بن جریج نے حضرت ابن عمر سے جو یہ سوال کیا ہے، اس کی محدثین دو توجیہ بیان کرتے ہیں، ایک یہ کہ بغیر بالوں والا جوتا عام طور پر اہل ثروت حیثیت استعمال کیا کرتے تھے، اس لئے سوال کیا کہ آپ یہ کیوں پہنتے ہیں، دوسری توجیہ ملا علی قاری کی رائے کے مطابق یہ ہے کہ انھوں نے پوچھا: آپ نے جو اس طرح کے جوتے پہنے ہیں تو اس کی حکمت کیا ہے؟ اور وجہ کیا ہے، جبکہ عام طور پر صحابۂ کرام کسی خاص چیز کو بالالتزام نہیں کیا کرتے تھے، پہننے اور کھانے کے سلسلہ میں، اِلّا یہ کہ آنحضورؐ کی اقتداء واتباع مقصود ہو تو حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ میری انفرادیت نہیں ہے بلکہ یہ تو اتباع رسول میں ایسا کرتا ہوں، آپ کو ایسا ہی جوتا استعمال کرتے دیکھا ہے جو بغیر بالوں والے چمڑے کا تیار ہوتا تھا اس لئے میں بھی پسند کرتا ہوں کہ ان کے اتباع میں ویسا ہی جوتا پہنوں، آپ نے اسے پہنا ہے اور اسے پہن کر وضو فرمایا ہے، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ چمڑا بھیگ جانے پر بھی پاک رہے گا جب کہ اس کی دباغت ہو چکی ہو۔

(۵) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ صَالِحٍ مَوْلَی التَّوْأَمَةِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کے دو تسمے تھے

(۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ السُّدِّيِّ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ يَقُوْلُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ نَعْلَيْنِ مَخْصُوْفَتَيْنِ ۔

ترجمہ:۔ عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جن کا چمڑا دوہرا سلا ہوا تھا۔

تحقیق مخصوفتین:۔ خصف از باب ضرب بمعنی چمڑے کا ، مخصوف اس جوتے کو بھی کہتے ہیں جو ٹوٹا ہوا ہو یا گٹھا ہوا ہو، یہاں مطلب یہ ہوا کہ آپ کے نعلین کے چمڑے دوہرے سلے ہوئے تھے، یعنی تلا دوہرا تھا یا ٹوٹے ہونے کی وجہ سے چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔

تشریح دوہرے تلے والے جوتوں کا رواج عربوں میں عام تو نہیں تھا مخصوصین کے ہوتے تھے، آنحضورؐ نے دوہرے تلے کے جوتے استعمال فرمائے ہیں دوسرا مفہوم مراد ہے کہ پیوند لگے ہوئے تھے تو ظاہر ہے۔ اور اپنے جوتوں پر پیوند کرنے کا کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی کرتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ کی ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے خود ہی سیتے، جوتے میں پیوند لگالیتے اور پانی کی بالٹی خود ہی اٹھاتے تھے (ابن حبان والحاکم)

(۷) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ ثَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْشِيَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدٍ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا اَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا ۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ نَحْوَهُ ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک جوتا پہن کر نہ چلے، یا تو دونوں پہنا کرے یا دونوں اتار دیا کرے۔

تحقیق لینعلهما:۔ لام امر کے لئے، ینعل باب انعال سے بھی ممکن ہے اور باب فتح سے بھی، بہتر ثلاثی مجرد سے ہی ہے، جوتا پہننا، کہ دونوں جوتے ایک ساتھ پہنے، ضمیر اگر نعلین کی طرف راجع ہو تو پھر باب فتح ہی سے لازمی ہوگا۔

لیخلعهما:۔ خلع باب فتح اتارنا، خالی کرنا، اور اگر روایت، یحفهما کی ہو تو احفاء سے مشتق ہوگا، جوتا اتارنا۔

تشریح ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت اس وقت ہے جب کوئی ضرورت نہ ہو، کسی ضرورت کے تحت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے روایت آتی ہے کہ آپ نے ایک جوتا بھی پہنا ہے، یہ گویا جواز کی دلیل ہے ضرورت کے تحت، یوں بھی ایک جوتا یا موزہ پہن کر چلنے میں برا لگتا ہے، اس لئے ہر وہ چیز جو آنکھوں کو بری لگے اور جو عادت مروجہ کے خلاف ہو اس کے لئے یہی حکم ہوگا، جیسے ایک موزہ پہن کر چلنا یا ایک آستین والا کرتا پہننا وغیرہ، یہ طریقہ اعتدال کے خلاف ہے، مگر یہ ممانعت تحریمی نہیں ہے۔

نعل رسول اللہ کے ضمن میں اس حدیث کے ذکر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوتا پہن کر نہیں چلتے تھے اور نہ اس طرح چلنا پسند فرماتے تھے اس لئے منع فرمایا ہے۔

(۸) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّاْكُلَ يَعْنِي الرَّجُلَ بِشِمَالِهٖ اَوْ يَمْشِيَ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ ۔

ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتا پہن کر چلے۔

تشریح اس حدیث میں بھی ایک جوتا پہن کر چلنے کو منع فرمایا ہے اور یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ نہیں اپنایا، اس طرح اگر کوئی روایت ایسی آتی ہے جس میں آپ کا ایک جوتا پہن کر چلنا ثابت ہوتا ہے تو گویا وہ روایت ضعیف ہے، یا یہ کہ اس کو عذر کے وقت پر محمول کریں گے۔

(۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْتَكُنِ الْيُمْنَى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ.

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی جوتا پہنے تو دائیں سے ابتدا کرے اور جب اتارے تو بائیں سے شروع کرے، داہنا پیر جوتا پہننے میں تو مقدم رہے اور نکالتے وقت مؤخر۔

تحقیق

انتعل:۔ باب افتعال، جوتا پہننا، یہاں مطلب ہے جب جوتا پہننے کا ارادہ کرے
نزع:۔ از باب فتح، اتارنا، ختم کرنا، مراد ہے جوتا اتارنا۔

تشریح

کوئی بھی چیز جو زینت یا بہتری کے لئے ہو اس کے کرنے میں ابتداء بالتیمن کا حکم پہلے ہی گذر چکا ہے، یہاں بس یہ بتایا جا رہا ہے کہ جوتا پہننا بھی از قبیل زینت ہے، اس لئے پہنتے وقت ابتداء دائیں پیر سے ہو اور اتارتے وقت بائیں پاؤں سے

فلتکن سے اس پہلے معنی کی وضاحت ہو رہی ہے، اس لئے اس کی توجیہ میں بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ مزید تاکید کے لئے ہے تاکہ یہ بات ذہن نشین ہوجائے اور اسی پر عمل ہوا کرے مگر ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس عبارت سے دوسرا مفہوم بھی واضح ہوتا ہے وہ یہ کہ اسطرح پہننے اور اتارنے میں داہنے اور بائیں پیر کو یکسانیت نہیں ہے کہ ایک دفعہ تو اولیت رہی یمنی کی اور دوسری بار اولیت یسریٰ کی، اس میں دراصل دائیں پاؤں ہی کی عزت واکرام کا پہلو نمایاں ہے اسی لئے اس عبارت میں یمنی ہی کی وضاحت فرمائی کہ پہنتے وقت پہلے اور اتارتے ہوئے بعد میں ہو۔

(۱۰) حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَشْعَثُ وَهُوَ ابْنُ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ التَّیَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِیْ تَرَجُّلِہٖ وَتَنَعُّلِہٖ وَطُهُوْرِہٖ۔

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی الامکان کنگھا کرنے اور جوتا پہننے اور پاکی حاصل کرنے میں دائیں سے ابتدا فرماتے تھے۔

شرح: یہاں تین چیزوں کا ذکر ہے ورنہ ہر چیز میں جو اس طرح کی ہو یہی آنحضور کا طریقہ رہا اور آپ نے اس کا حکم دیا ہے ما استطاع کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر کوئی عذر لاحق ہو تو پھر آپ اس کے خلاف بھی فرماتے تھے، اور قاعدہ کلیہ ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ میرے نزدیک حتی الوسع مفہوم یہ ہے کہ جہاں پر دشواری نہ ہوتی، مثلاً وضو کرتے ہوئے چہرہ کو دھونا، اس میں تیمن دشوار ہے، یا مثلاً ایک ہاتھ میں کتاب ہو اور دوسرے میں عصا پکڑا جائے تو لازمی طور پر دونوں کا تیمن مشکل ہوگا جب کبھی اور جہاں ایسی صورت نہ ہوتی وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داہنے سے ہی ابتداء فرماتے تھے۔

(۱۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْزُوْقٍ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ قَیْسٍ اَبُوْمُعَاوِیَۃَ اَنْبَاَنَا ہِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا، وَاَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدًا عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

ترجمہ:- یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک میں دو تسمے ہوتے تھے اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے جوتوں میں بھی، البتہ جوتوں میں ایک تسمہ کو جنھوں نے اپنایا وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

تشریح

جوتے میں دو تسموں کا رواج عربوں میں عام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو اپنایا تھا، چنانچہ حضرات شیخین نے بھی اسی طرح کے جوتے پہنے، مگر دو تسموں والے جوتے ضروریات دین میں سے نہ تھے، اور آنحضورؐ کا یہ طرز اختیار کرنا معتاد طریقے کی وجہ سے تھا اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک تسمے کا جوتا پہنا تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس کا پہننا بلا کراہت جائز ہے، اگر حضرت عثمان ایک انگوٹھے والے تسمے کا جوتا پہنتے اور اپنے عمل سے اس کا جواز نہ ظاہر کرتے تو ایک تسمہ والے جوتے کا پہننا مکروہ یا خلافِ اولیٰ معلوم ہوتا، کیونکہ آنحضورؐ اور ان کے دونوں مقتدا اصحاب نے ایک ہی طرز کے جوتے استعمال فرمائے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ پاؤں کی حفاظت کے لئے رائج جو جوتے یا چپل ہوں ان کے پہننے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ
فی ذکر خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا ذکر

خاتم بکسر التار وفتحہا، انگوٹھی، اس باب کو قائم کرنے میں امام ترمذی نے اپنے طریقہ سے ایک جداگانہ روش اپنائی ہے، اس ماجاء کے بعد ذکر کا اضافہ ہے جب کہ اور کسی بھی باب میں ایسا نہیں ہے، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس امتیازی انداز کی وجہ ممکن ہے اس کو سب سے منفرد کرنا ہو، کیونکہ خاتم کا تذکرہ دو جگہ ہے، ایک پہلے گزر چکا خاتم النبوۃ میں اور دوسرا یہ ہے خاتم رسول اللہ۔ گویا یہ بتانا چاہتے ہوں کہ خاتم رسول اللہ سے مراد وہ انگوٹھی ہے جو آپ نے پہنی ہے اور جس سے مہر لگایا کرتے تھے، وہ مہر نہیں جو علامت نبوت کے طور پر آپ کے جسم اطہر کے ایک حصہ میں قدرت کی طرف سے تھی۔

اس باب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے آٹھ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرِقٍ وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا۔

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔

تحقیق

وَرِق:۔ بکسر الرار وفتحہا، چاندی۔

فَصّہ:۔ فار کے فتحہ کے ساتھ، کسرہ بھی درست ہے، مگر

فتحہ کو ترجیح دیتے ہیں، صاد مشدد نگینہ، جس پر نام یا اور کوئی چیز کھدی ہوئی ہو، ویسے اس کے مختلف معانی آتے ہیں۔

حَبَشیا: عقیق یا اسی طرح کے پتھر کا نگینہ جس کا معدن یمن میں ہے جو حبشہ میں واقع تھا، یا یہ کہ اس کا رنگ حبشی تھا یعنی سرخ مائل بہ سیاہ۔ یا بنا ہوا حبشہ کا تھا، یا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ حبشہ کی طرح کا بنا ہوا تھا، کہا جاتا ہے کہ مختلف پتھروں کے خواص الگ الگ ہوتے ہیں۔

تشریح اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کی انگوٹھی پہننا مردوں کے لئے جائز ہے یہی جمہور کا مسلک بھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی انگوٹھی رکھی اور کتنی، اور کیوں بنوائی اس کی تفصیل آئندہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں ذکر کر دی جائے گی، مردوں کے لئے انگوٹھی پہننے کے بارے میں البتہ علماء کے مابین اختلاف ہے، بعض علماء اس حدیث کی روشنی میں انگوٹھی پہننا سنت بھی قرار دیتے ہیں، بعض علماء نے اس کی تفصیل بیان کی ہے، کہتے ہیں کہ سلطان اور قاضی یا والیوں کے لئے جن کو مہر لگانے کی ضرورت پڑتی ہے پہننا مسنون ہے مگر دوسروں کے لئے مکروہ مگر بہتر قول یہ ہے کہ پہننا جائز ہے مگر اس کا ترک اولیٰ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھا دیکھی صحابۂ کرام نے بھی انگوٹھیاں پہننی شروع کر دی تھیں تو آپؐ نے انگوٹھی پھینک دی تاکہ وہ سنت قرار نہ پا جائے، چنانچہ اصحاب نے بھی پھینک دیں۔

چاندی کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں ملا علی قاری نے علماء کا قول نقل کیا ہے کہ جسے ضرورت ہو مہر لگانے کی ان کے لئے مباح ہے اور جن کو ضرورت نہ ہو ان کے لئے ترک افضل ہے، اور جب انگوٹھی پہنی جائے تو مناسب ہے کہ نگینہ والا حصہ ہتھیلی کی جانب ہو، اوپر نمایاں نہ رہے۔

(۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ اَبِيْ بِشْرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ فَكَانَ يَخْتِمُ بِهٖ وَلَا يَلْبَسُهٗ ۔
قَالَ اَبُوْعِيْسٰى اَبُوْبِشْرٍ اِسْمُهٗ جَعْفَرُ بْنُ اَبِيْ وَحْشِيَّةَ ۔

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس سے مہر لگایا کرتے تھے مگر اسے پہنتے نہیں تھے۔

تشریح حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کو پہنتے نہیں تھے، اور دوسری روایتیں آتی ہیں کہ آپؐ داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے، یا یہ روایت کہ آپ بیت الخلاء جاتے وقت انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہنے رہتے تھے، تو اس کی تطبیق کیلئے شراح کہتے ہیں کہ لایلبسہ، کا مطلب ہے دائما یعنی مستقل نہیں پہنتے تھے، دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ متکبرین کے انداز میں پہنے ہونے کی حالت میں مہر نہیں لگاتے تھے، بلکہ جب مہر لگاتے تو اتار لیا کرتے تھے، ایک مطلب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے مہر کے طور پر استعمال کرنے کے لئے بنوائی تھی پہننے کے لئے نہیں۔

یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے پاس ایک سے زائد انگوٹھی تھی جو مہر کے لئے استعمال فرماتے اس کو پہنتے نہیں تھے اور تعدد خاتم کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آپؐ نے صحابۂ کرام کو انگوٹھیاں پہنے دیکھ کر اپنی انگوٹھی پھینک دی تھی، جب کہ آپ نے اخیر عمر میں بھی انگوٹھی رکھی تھی جس کو سلاطین کے نام مکتوب لکھتے وقت مہر کے لئے استعمال فرماتے تھے۔

(۳) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عُبَيْدٍ هُوَ الطَّنَافِسِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ.

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ اسی میں سے تھا۔

تحقیق و تشریح فصہ منہ کی ضمیر کا مرجع ہے ما صنع من الفضۃ ہے یعنی نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا، دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع خاتم کو مانا جائے تو مطلب ہوگا کہ نگینہ بھی انگوٹھی کا جزء تھا۔ مِنْ کو تبعیضیہ قرار دیا جائے گا۔ یہ دوسرا مطلب مراد لیا جائے تو پھر روایتوں میں تعارض نہیں ہوگا۔ مگر پہلی توجیہ ماننے کی صورت میں یہ اشکال رہے گا، کہ پہلے روایت گذر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ نگینہ حبشی تھا، اس اشکال کے دفع کے لئے علماء کہتے

ہیں کہ آپ کے پاس متعدد انگوٹھیاں تھیں، ایک تو وہی جس کا نگینہ غالباً حبشی پتھر تھا اور دوسرا یہ جس میں نقش کھدا ہوا تھا اور جس کو آپ مہر کے لئے استعمال فرماتے تھے

واضح ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص ضرورت کے تحت ایسی انگوٹھی بنائی تھی جس پر نقش کندہ تھا محمد رسول اللہ، ضرورت کا بیان آئندہ حدیث میں مذکور ہے

(۴) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّكْتُبَ اِلَى الْعَجَمِ قِيْلَ لَهٗ اِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُوْنَ اِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا فَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِهٖ فِیْ كَفِّهٖ ۔

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عجم کو خطوط لکھنے کا ارادہ کیا تو آپؐ سے عرض کیا گیا کہ عجم والے صرف انہی خطوط کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں جن پر مہر لگی ہو، چنانچہ آپؐ نے ایک مہر بنوائی گویا اب بھی میں ان کے ہاتھ میں خاتم کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔

تحقیق

یکتب الی: یعنی لکھ کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔

العجم: مراد عجم کے بڑے لوگ یا بادشاہ۔ بخاری کی ایک روایت میں عجم کی تشریح اہل روم سے کی گئی ہے، جو خاص تعریف ہوگی ورنہ حضرت انس کی روایت آگے آرہی ہے جس میں عمومیت ہے

قیل له۔ کہنے والے کون تھے؟ ایک قول یہ ہے کہ کسی عجمی ہی نے یہ عرض کیا تھا، ایک قول کے مطابق قائل قریش ہی کے افراد تھے جو اس روایت سے واقف تھے۔

فاصطنع: باب افتعال سے، بنوایا، بنوانے کا حکم دیا۔

بیاضه: ای بیاض الخاتم، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کمال کارکردگی اور صنعت ہے

کفه سے مراد ید٥ ہے۔ اس جملہ سے اس واقعہ کو اچھی طرح یاد رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدُ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَّ رَسُوْلُ سَطْرٌ وَاللّٰهِ سَطْرٌ۔

ترجمہ :۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش اس طرح تھا محمد ایک سطر میں رسول ایک سطر میں اور اللہ ایک لائن میں یعنی مکمل عبارت تھی محمد رسول اللہ۔

تشریح جو انگوٹھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوبات میں مہر لگانے کے لیے بنوائی تھی اس میں اپنی علامت نقش کرائی تھی جو مہر کی خاصیت ہوا کرتی ہے اور وہ علامت یہ تھی محمد رسول اللہ، صحیح روایتوں میں ان ہی تین الفاظ کا ذکر ملتا ہے، ورنہ دیگر بعض روایتیں ایسی آتی ہیں کہ ان میں لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کندہ تھا، یا یہ کہ بسم اللہ محمد رسول اللہ کندہ تھا، مگر وہ روایتیں ضعیف ہیں، اب یہ تین الفاظ جو تین سطروں میں کندہ تھے ان کی ترتیب کیا تھی اس سلسلہ میں بعض علماء کہتے ہیں کہ اپنی اصل ترتیب کے ساتھ یعنی محمد رسول اللہ مگر بعض مشائخ کہتے ہیں کہ یہ صورت مقلوب میں تھی، اللہ کا نام اوپر تھا اور نیچے کی جانب سے اس کو پڑھا جاتا تھا ایسی صورت۔ اللہ رسول محمد،

علامہ میرک شاہ کہتے ہیں کہ مہر جس طرح ہوتی ہے اسی طرح یہ نام الٹے کھدے ہوئے ہونگے تاکہ جب مکتوب یا کاغذ پر اس کا عکس آئے تو وہ سیدھا ہو جائے، یعنی اصل انگوٹھی اس طرح ہوگی [illegible] اور جب مکتوب پر اس کو لگایا جاتا تو صحیح صورت میں سامنے آجاتی۔

(۶) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيِّ الْجَهْضَمِيُّ اَبُوْعُمَرٍو اَنْبَأَنَا نُوْحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُهٗ فِضَّةٌ وَنَقَشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ یہ لوگ خط کو بغیر مہر کے قبول نہیں کرتے، تو آپؐ نے ایک مہر بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور اس میں نقش تھا محمد رسول اللہ۔

تحقیق کسریٰ، بکسر الکاف، اور فتحہ کی لغت بھی، فارس کے بادشاہ کا لقب، یہ معرب ہے خسرو کا جس کے معنی ہیں کشادہ ملک والا۔

قیصر:- روم کے بادشاہ کا لقب، اس کا نام ہرقل ہے۔

النجاشی: حبشہ کے بادشاہ کا لقب، پہلے اس کی تحقیق گذر چکی، مگر یہ نجاشی اصحمہ نہیں ہیں جن کے زمانہ میں مسلمانوں نے حبشہ کی ہجرت کی تھی، اور جن کی نماز جنازہ آنحضور نے غائبانہ ادا کی تھی، یہ دوسرے بادشاہ ہیں ان کا نام معلوم نہیں۔

صَاغ:- باب نصر سے بنانا، ڈھالنا، آپ نے بنانے کا حکم دیا ہے، ورنہ مہر بنانے والے ایک دوسرے صحابی ہیں جن کا نام یعلی بن امیۃ ہے۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے فتحیاب ہو کر مدینہ واپس تشریف لائے ہیں اس وقت تک مدینہ کے اطراف کے سارے علاقے اور ممالک مسلمانوں کے زیرنگوں ہو چکے تھے اور کفار ومشرکین واہل کتاب نے یا تو اسلام قبول کر لیا تھا یا پھر جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی تھی، اب وہ علاقے باقی رہ گئے تھے جو دور دراز کے تھے جہاں تبلیغ اسلام کی ضرورت تھی، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کے لئے ان ممالک کے امراء وسلاطین کے نام اسلام کی جانب دعوت پر مشتمل مکاتیب لکھنے کا ارادہ فرمایا تو جو افراد ان غیر عرب ممالک کے طور وطریق اور ان بادشاہوں کی روایات سے واقف تھے انھوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل عجم ان خطوط کو قابل اعتناء اور معتبر نہیں مانتے جن پر بھیجنے والے کی مہر نہیں ہوتی، اس لئے آپ مہر کا اہتمام فرمالیں، چنانچہ آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جو ان کے نام کی مہر تھی اور اس پر اپنے نام کی عبارت "محمد رسول اللہ" کندہ کرادیا، پھر سلاطین کے نام مکتوبات جاری فرمائے، ان مکاتیب کی عبارتیں اور اس کے تمام جزئیات پر مشتمل مختلف

کتابیں پائی جاتی ہیں، اردو میں ایک جامع کتاب "مکتوبات نبوی" ہے جو مشہور مؤرخ سید محبوب رضوی کی تالیف ہے، ہم یہاں مختصراً ان بادشاہوں کے نام اور ان بلاد کا ذکر کر رہے ہیں۔

جو فرامین ملوک و سلاطین کے نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمائے وہ اس طرح ہیں:

۱ :- ہرقل شاہ روم کو حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ نامۂ مبارک روانہ فرمایا اور وہ باوجود یقین نبوت کے ایمان نہیں لایا، البتہ مکتوب کی کوئی توہین نہیں کی اور اس کی حفاظت کی۔

۲ :- کسریٰ شاہ فارس کو عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ مکتوب بھیجا، اس نے نامۂ مبارک پھاڑ ڈالا، آپ نے سن کر فرمایا کہ اللہ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کریگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا

۳ :- نجاشی شاہ حبشہ کو عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ، کذا فی المواہب، اس کے اسلام قبول کرنے کا حال معلوم نہیں، کذا فی زاد المعاد۔

۴ :- مقوقس شاہ مصر کو حاطب بن ابی بلتعہ کے بدست، اس نے ایمان قبول نہیں کیا مگر ہدایا بھیجے

۵ :- منذر بن ساوی شاہ بحرین کو علاء بن الحضرمی کے ہاتھ، یہ مسلمان ہو گئے تھے اور بدستور برسر حکومت رہے۔

۶ :- دو بادشاہ عمان کو حضرت عمرو بن العاص کی بدست بھیجے، دونوں مسلمان ہو گئے۔

۷ :- ہوذہ بن علی، حاکم یمامہ کو سلیط بن عمرو عامری کے ہاتھ، یہ مسلمان نہیں ہوا۔

۸ :- حارث بن ابی شمر غسانی حاکم غوطہ دمشق کو شجاع بن وہب کے ہاتھ، حدیبیہ سے واپس ہونے کے زمانہ میں، کذا فی زاد المعاد۔

۹ :- جبلہ بن ایہم غسانی کو شجاع بن وہب کے ہاتھ، کذا فی سیرۃ ابن ہشام۔

(بحوالہ نشر الطیب مؤلفہ حضرت تھانوی رح)

(۷) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَنْبَأَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ.

ترجمہ :- حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء کو جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال دیتے۔

تشریح جب آپ قضاء حاجت کے لئے خلاء کا ارادہ فرماتے تو اپنی انگوٹھی نکال دیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہنتے تھے، جبکہ ابن عمر کی روایت گذر چکی ہے کہ آپ پہنتے نہیں تھے، اس کے تعارض کو رفع کرنے کی وجوہات کا ذکر کیا جا چکا ہے، اس کے سلسلہ میں ملا علی قاری جمع الوسائل میں لکھتے ہیں کہ آپ نے پہلے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی مگر اس کی حرمت کے بعد چاندی کی انگوٹھی بنوائی بقصد زینت اور اسے پہنتے بھی رہے، اصحاب کرام نے بھی آپ کی اتباع کی، مگر آپ نے غیر ضروری خیال کرتے ہوئے اور صحابہ کے اتباع کو دیکھتے ہوئے اس کو پھینکدیا، صحابہ نے بھی انگوٹھیاں پھینکدیں، پھر جب مہر کے طور پر استعمال کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے بنوالی جس میں نام منقوش تھا، ساتھ ہی لوگوں سے فرمادیا کہ یہ مصلحت کے طور پر مہر نے بنوائی ہے، کوئی اور میرا نام انگوٹھی میں نہ کھدوائے، اسے ضرورت ہو تو اپنا نام لکھوالے اس توجیہ سے جو لوگ غیر حکام کیلئے انگوٹھی پہننا مکروہ گردانتے ہیں ان کے قول کی وجہ نمایاں ہو جاتی ہے۔

آپ بیت الخلاء کے وقت انگوٹھی اس لئے اتار دیا کرتے تھے کہ اس میں اللہ کا نام اور ایک عظیم نبی کا نام ہوتا تھا، ایسی متبرک نام یا عبارت والی انگوٹھی کو پہنے ہوئے بیت الخلاء جانا علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۸) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ، فَكَانَ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ كَانَ فِيْ يَدِ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ ثُمَّ كَانَ فِيْ يَدِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ حَتّٰى وَقَعَ فِيْ بِئْرِ أَرِيْسٍ نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی، چنانچہ وہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ہاتھ میں رہی، پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی،

یہاں تک کہ وہ انگوٹھی بیر اریس میں گر گئی جس کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔

تحقیق ید ہ۔ یہاں دو معنی ہو سکتے ہیں. ید کا اطلاق حقیقی ہو تو یہ کہ آنحضور کے ہاتھ میں پہنی رہی دوسرا مفہوم مجازی ہوگا کہ آپ کے تصرف اور قبضہ میں رہی تینوں جگہوں پر ید کا مفہوم دو نوں معنوں میں ہوگا۔

بیٔر اریس :- اَریس بفتح الہمزہ وکسر الراء ، مدینہ میں مسجد قباء کے نزدیک ایک مشہور کنواں تھا عسقلانی رح کہتے ہیں کہ اریس ایک مشہور باغ ہے اس میں واقع کنواں مراد ہے

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انگوٹھی مہر کے لئے بنوائی تھی اور جس میں آپؐ کا نام کندہ تھا، اس کی حفاظت کے لئے ایک صحابی حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ کو مامور کیا گیا تھا. جب مہر لگانی ہوتی تو آپؐ اسے پہن بھی لیتے تھے، ورنہ اس کی رکھوالی حضرت معیقیب ہی کیا کرتے تھے، آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رض کی خلافت کے زمانہ میں بھی حضرت معیقیب ہی اس کے امین رہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بھی وہی اسکے محافظ اور نگہبان تھے. ان حضرات نے اس انگوٹھی کو تبرک کے طور پر پہنا بھی ہوگا مگر عام طور پر حضرت معیقیب کے پاس رہتی تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی وہی اس کے نگراں رہے۔

تقریبًا چھ سال تک یہ انگوٹھی موجود رہی مگر ایک دفعہ بیٔر اریس (مشہور کنواں) میں یہ انگوٹھی گر گئی، یا تو یہ حضرت عثمان کے ہاتھ سے گری، یا حضرت معیقیب کے ہی ہاتھ سے جیسا کہ روایتیں مختلف قسم کی آتی ہیں، یا ممکن ہے حضرت معیقیب حضرت عثمان کو اسی کنویں پاس ضرورت کے تحت دے رہے ہاں اور اس وقت گر گئی ہو بہر حال انگوٹھی کی تلاش شروع ہوئی، کنویں کو تین دن تک کھنگالا گیا، پانی نکالا گیا، مگر وہ انکو نہیں ملی، اس مہر کی ہی کرامت تھی کہ اس کے کھونے کے بعد ہی سے حوادث وفتن شروع ہو گئے تھے

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَتَّمُ فِی یَمِیْنِہٖ

نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی کو دائیں ہاتھ میں پہننے کے بیان میں

پہلے باب میں مطلق انگوٹھی کا ذکر تھا اور اس باب میں اس کے پہننے کے بارے میں بیان ہے اس لئے الگ باب قائم کیا گیا ہے، نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کے لئے انگوٹھی بنوائی تھی اور اسے پہنا بھی کرتے تھے مگر بالتزام نہیں روایتیں دونوں طرح کی ہیں اس لئے علماء میں اس بارے میں اختلاف ہوا کہ انگوٹھی پہننی چاہئے یا نہیں۔ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں چاندی کی انگوٹھی مردوں کے پہننے کے جواز میں اجماع ہے البتہ بعض علماء شام نے غیر سلطان کے لئے مکروہ بتایا ہے، البتہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک غیر ضرورت میں پہننا خلاف اولیٰ ہے

قاضی خان حنفی کہتے ہیں کہ مردوں کو صرف چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت ہے۔ سونے کی ممانعت تو حدیث کی وجہ سے ہے، البتہ لوہے یا پیتل وغیرہ کی انگوٹھی اس لئے ممنوع ہے کہ وہ اہل نار کی انگوٹھی ہے۔

اب رہ گئی بات کہ نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پہنی ہے تو کس ہاتھ میں؟ اس باب میں مختلف طرح کی روایتیں ملتی ہیں، داہنے میں بھی پہننا ثابت ہے اور بائیں ہاتھ میں پہننے کی روایت بھی آتی ہے، اس لئے افضلیت کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہو گیا ہے۔

امام بخاری اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ آپ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اسی لئے امام ترمذی نے یہ باب یتختم فی یمینہ قائم کر کے یہی تاثر دیا ہے۔ اسی کے ساتھ اس باب میں وہی روایتیں زیادہ تر ذکر کر رہے ہیں جس سے داہنے ہاتھ میں

انگوٹھی پہننا ثابت ہے، اور ایک روایت بائیں ہاتھ والی ذکر کر رہے ہیں اور ساتھ ہی کہہ رہے ہیں لایصح، یعنی صحیح روایات کے بموجب دائیں ہاتھ میں ہی آپؐ کا انگوٹھی پہننا ثابت ہے۔

علامہ بغوی نے دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے پھر بائیں ہاتھ میں پہننے لگے اور یہ طرز اخیر کا ہے

امام نووی کہتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک انگوٹھی کو دائیں اور بائیں دونوں پہننا جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف افضلیت میں ہے، بعض علماء کی رائے یمین کی ہے اور بعض کی یسار کی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بائیں میں پہننا مستحب کہا ہے اور ہمارے یہاں دونوں طرح کے اقوال ہیں۔ ملا علی قاری تختم بالیمین کو احناف کے نزدیک افضل قرار دیتے ہیں۔

حافظ عسقلانی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک بہتر صورت یہ ہے کہ اگر یہ پہننا بقصد زینت ہو تو دائیں میں پہننا افضل ہے اور اگر مہر لگانے کے واسطے ہو تو پھر بائیں میں اولیٰ ہے۔

ایک جماعت دونوں ہاتھوں میں پہننے کو علی سبیل الاستواء جائز کہتی ہے، انھوں نے دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق بھی دی ہے، اور بغیر کسی ترجیح کے دونوں طرح کی روایتیں لاتے ہیں جیسا کہ ابوداؤد نے باب ہی قائم کیا ہے باب التختم فی الیمین والیسار۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ الْبَغْدَادِيُّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهُ فِي يَمِينِهِ ۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ نَحْوَهُ

ترجمہ:۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے

(۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ اَبِي رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهٖ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهٖ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهٖ ۔

ترجمہ:۔ حضرت حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی رافع کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن جعفر کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا ہے اور وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے ۔

تحقیق ابن ابی رافع: یہ حماد کے شیخ ہیں ان کا نام عبداللہ ہے، ان سے بخاری ومسلم ترمذی اور ابوداؤد نے روایتیں نقل کی ہیں۔

عبداللہ بن جعفر:۔ یعنی ابن جعفر بن ابی طالب، یہ مشہور صحابۂ کرام میں سے ہیں، انکی روایتیں صحاح ستہ میں ملتی ہیں۔

(۳) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوْسٰى اَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ اَنْبَأَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْفَضْلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهٖ ۔

ترجمہ:۔ عبداللہ بن جعفر ہی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے ۔

(۴) حَدَّثَنَا اَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَيْمُوْنٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهٖ ۔

یہ روایت جابر بن عبداللہ کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدُ الرَّازِيّ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ ، وَلَا اَخَالُهٗ اِلَّا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ .

صلت بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور میرا خیال ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

تحقیق لا اخاله : بکسر الہمزۃ فی اکثر الاستعمال وھو الافصح ، ورنہ قیاس کا تقاضہ الف پر فتحہ کا ہے یعنی یہ متکلم کا صیغہ ہے ، لا اظنہ کے مفہوم میں ، کما فی القاموس ، اس کے قائل حضرت صلت ہو سکتے ہیں یا کوئی اور راوی بھی ، بعض صحیح روایتوں میں یہ جملہ موجود نہیں ہے یہی روایت ابوداؤد میں تفصیل کے ساتھ ہے ، سند یہی ہے مگر اس میں راوی محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے صلت بن عبداللہ کو داہنے ہاتھ کی خنصر (چھوٹی انگلی) میں انگوٹھی پہنے دیکھا اس پر صلت بن عبداللہ نے کہا رأیت ابن عباس ذکرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَيُّوْبَ بْنِ مُوْسٰى عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ وَجَعَلَ فَصَّهٗ مِمَّا يَلِيْ كَفَّهٗ وَنَقَشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَنَهٰى اَنْ يَنْقُشَ اَحَدٌ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِيْ سَقَطَ مِنْ مُعَيْقِيْبٍ فِيْ بِئْرِ اَرِيْسٍ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی

ایک انگوٹھی بنوائی اور اس کا نگ اپنی ہتھیلی کی جانب رکھا اور اس میں محمد رسول اللہ منقش کرادیا. اور آپ نے کسی کو بھی اس طرح کھدوانے سے منع فرمادیا. یہی وہ انگوٹھی ہے جو حضرت معیقیب سے بئر اریس میں گر گئی تھی .

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں صحابہ کرام وہی کرتے تھے جو آپ کرتے اسی وجہ سے آپ نے لوگوں کو منع فرمایا کہ تم لوگ اتباع میں ایسا نہ کرنا یہ ممانعت اس لئے تھی تاکہ مہر کا معاملہ ملتبس نہ ہوجاتے چنانچہ صحابہ نے اس پر عمل کیا، اور خلفاء کرام نے بھی دوسری انگوٹھی بنوا کر مہر بنانے کا سلسلہ نہیں جاری کیا، یہی مہر وہ استعمال کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں وہ انگوٹھی کھوگئی۔

اس روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ یہ انگوٹھی حضرت معیقیب سے کنویں میں گری تھی، اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے گری تھی، ان کی عادت غایت تفکر و تدبر کی حالت میں یہ تھی کہ وہ انگوٹھی نکالتے رہتے اور پہنتے رہتے، اسی حالت میں گری ہوگی ۔

بعض علماء نے دونوں طرح کی روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ انگوٹھی کنویں میں حضرت معیقیب سے گری مگر چونکہ حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ تھا اور ان کے قبضہ میں انگوٹھی تھی اسی لئے ان کی جانب نسبت کردی گئی۔

دوسری صورت تطبیق کی بیشتر علماء کے نزدیک یہ ہے کہ دونوں حضرات کنویں کے پاس تھے، حضرت معیقیب نے ضرورت کے تحت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی جانب بڑھائی انھوں نے اپنا ہاتھ آگے کر کے لینا چاہا اسی وقت انگوٹھی گر گئی، اس طرح دونوں طرح کی روایتیں اپنی جگہ درست قرار پاتی ہیں ۔

(۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَتَخَتَّمَانِ فِيْ يَسَارِهِمَا .

امام محمد باقر کہتے ہیں کہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

تشریح امام ترمذی نے اس باب میں یہی ایک روایت ایسی نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہوگی، کیونکہ حضرت حسن اور حسین اگر بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے تو لامحالہ آنحضور کی اقتداء اور اتباع میں پہنتے ہوں گے۔

اور یہ روایت امام ترمذی کے مسلک کے منافی بھی نہیں ہے کیونکہ انھوں نے زیادہ تر وہ روایتیں نقل کی ہیں جس میں تختم بالیمین معلوم ہوتا ہے جو ان کے نزدیک افضل ہے یا جو آنحضور کا عام معمول رہا ورنہ جواز کے لئے آپ نے بائیں میں بھی پہنی ہے، اسی جواز کی طرف اشارہ کیلئے یہ روایت کافی ہے۔

یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ محمد باقر نے حسین اور حسن رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہی نہیں ہے، اور بعض روایتیں غیر منقطع بھی ملتی ہیں مگر وہ سب مرسل ہیں اس لئے امام ترمذی نے ان کو ذکر بھی نہیں کیا۔

(۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى وَهُوَ ابْنُ الطَّبَّاعِ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِیْ يَمِيْنِهٖ ۔

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ مِنْ حَدِيْثِ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٰذَا اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ ، وَرَوٰى بَعْضُ اَصْحَابِ قَتَادَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِیْ يَسَارِهٖ وَهُوَ حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ اَيْضًا ۔

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس سند کے ساتھ اسی طرح اس کو پاتے ہیں البتہ قتادہ کے بعض اصحاب نے ان سے جو روایت کی ہے اس میں حضرت انس کا قول یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنی ہے اور وہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

تشریح امام ترمذی دراصل یہ فرمارہے ہیں کہ حضرت انسؓ سے دو طریقوں سے روایتیں منقول ہیں اور یہ دونوں سند درست نہیں ہیں، ایک میں تو تختم بالیمین معلوم ہوتا ہے، دوسری میں تختم بالیسار، اس سند کے ساتھ تو روایت درست نہیں ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت انس سے اس بارے میں منقول روایتوں کی تضعیف کر رہے ہوں، ورنہ تو مسلم میں حضرت انس ہی سے روایت صحیح ثابت ہے جس میں تختم بالیسار کا پتہ چلتا ہے، امام نووی نے بھی اس طریق سند کے علاوہ دوسری سندوں سے مروی حضرت انس کی دونوں طرح کی روایتوں کو درست قرار دیا ہے۔

(۹) حَدَّثَنَا ابنِ عُبَيْدِ الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِي حَازِمٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَكَانَ يَلْبَسُهُ فِيْ يَمِيْنِهٖ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَ مِنْ ذَهَبٍ فَطَرَحَهُ وَقَالَ لَا اَلْبَسُهُ اَبَدًا فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ .

حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی جسے وہ داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے، تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں، آپ نے وہ انگوٹھی پھینکدی اور فرمایا کہ اب میں اسے کبھی استعمال نہیں کروں گا، چنانچہ لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینکدیں۔

تشریح ابتدائے اسلام میں سونا مردوں کے لئے بھی جائز تھا۔ اس لئے آپؐ نے ایک سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اسے پہنا، اصحاب کرام نے آپ کے اتباع میں انگوٹھیاں بنالیں، تو آپ نے انگوٹھی پھینکدی اور فرمایا کہ اب اسے استعمال نہیں کروں گا۔ بعد میں مردوں کے لیے سونا استعمال کرنے کی ممانعت ہوگئی، پھر کسی نے بھی سونے کی انگوٹھی نہیں پہنی، اس روایت میں بھی آپ کے ایک معمول کا ذکر ابتداء اسلام کا ہے۔ آپ نے بعد میں منع فرمادیا، یہی گویا امّت کے لئے ناسخ ہوگیا۔

امام نووی نے مردوں کے لیے سونے کے استعمال کی حرمت پر ائمہ کا اجماع نقل کیا ہے ملا علی قاری نے اسی سلسلہ میں تھوڑی تفصیل ذکر کی ہے، کہتے ہیں کہ جمہور سلف وخلف کا مسلک خاتم الذہب مردوں کے لئے حرام ہے عورتوں کے لئے نہیں مگر انگوٹھی کا اعتبار اس کے حلقہ سے ہے احناف کے نزدیک، چنانچہ اس میں سونے کی کیلیں لگی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں، شوافع کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی صِفَةِ سَیْفِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے بیان میں

امام ترمذی خاتم کے بیان کے بعد اب آلات حرب کا ذکر کر رہے ہیں، مناسبت یہ ہے کہ جب آپ نے ملوک وسلاطین کو پیغام بھیجے اور دعوت الی الدین القیم دی تو اب ان کے لئے لازم ہے کہ وہ دعوت قبول کریں ورنہ جنگ کے لئے تیار ہوں، اس طرح اب اگر وہ جنگ پر آمادہ ہوں تو ان سے جنگ ہوگی جس کے آلات اور ہتھیار آپؐ نے بھی استعمال فرمائے ہیں جن کا ذکر اب ہو رہا ہے، ان آلات حرب میں سے تلوار کا ذکر یوں مقدم ہے کہ یہی ہتھیار زیادہ کارگر آسان اور کثیر الاستعمال تھا۔ اس باب کے تحت چار حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِیْرٍ اَنْبَأَنَا اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ قَبِیْعَةُ سَیْفِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی گھنڈی چاندی کی تھی۔

تحقیق قبیعۃ: تلوار کو جہاں سے پکڑا جاتا ہے اسے قبضہ، مٹھ اور مقبض کہا جاتا ہے اور اس کے نیچے جو گھنڈی یا کسی چیز کی روک لگی ہوتی ہے اس کو قبیعہ کہتے ہیں، عام اہل لغت کے نزدیک قبیعہ قبضہ کے نیچے والے حصہ کو کہتے ہیں یہ بفتح القاف وکسر الباء ہے۔

سیف: سین کے فتحہ کے ساتھ معنی تلوار، جمع سیوف۔

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ کے قریب والی گھنڈی کو چاندی کا بنایا جا سکتا ہے، اسی طرح آلات حرب میں کسی کسی جگہ پر چاندی کا استعمال قطعی درست ہے، البتہ اس پر سونے کا استعمال مباح نہیں ہے۔

اسی باب میں ایک روایت آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلوار میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا استعمال فرمایا ہے، اس کے سلسلہ میں علماء، محدثین کہتے ہیں کہ یا تو وہ ابتداء اسلام کا زمانہ ہوگا جب آپ نے سونا لگا ہوا ہتھیار استعمال فرمایا ہوگا، یا پھر یہ کہ اس میں کیلیں سونے کی ہوں گی جو احناف کے نزدیک درست ہے۔

اور اگر تلوار پر سونے کی ملمع سازی مان لیں تو پھر اس میں کوئی اختلاف نہ ہوگا کیونکہ سونے کا پانی چڑھا ہو تو تمام علماء اس کو درست قرار دیتے ہیں۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ .

حضرت سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی گھنڈی چاندی کی تھی۔

تشریح یہ روایت مرسل ہے کیونکہ حضرت سعید جو راوی ہیں وہ اوساط تابعین میں سے ہیں مگر اس حدیث کی تائید حضرت انس کی گذری حدیث سے ہو رہی ہے۔

(۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ صُدْرَانَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا طَالِبُ بْنُ حُجَيْرٍ عَنْ هُوْدٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَاَلْتُهٗ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً .

ہود کے نانا روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں

داخل ہوئے درانحالیکہ آپ کی تلوار میں سونا اور چاندی تھی، طالب نے ان سے پوچھا کہ چاندی کہاں تھی تو کہا کہ قبضہ کی گھنڈی چاندی تھی۔

تشریح ہود کے نانا کا نام مزیدہ ہے وہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا ذکر کر رہے ہیں کہ اس میں سونا بھی لگا ہوا تھا اور چاندی بھی، سونا کہاں لگا ہوا تھا اس کی وضاحت نہیں ہے، البتہ چاندی کے بارے میں دوسری روایتوں کی طرح ذکر ہے کہ قبضہ کے نیچے والی رکاوٹ چاندی کی ہی تھی۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ضعیف ہے مگر حدیث کا یہ جواب دینا کہ سونے کا استعمال قبل التحریم ہے درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا نہیں ہے بلکہ فتح مکہ کا ہے جو ۸ھ میں ہوا، البتہ اگر حدیث کو درست مان بھی لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سونے کی ملمع سازی ہوگی، یا یہ کہ سونے کی کیلیں لگی ہونگی جس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

شوافع کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہی صحیح نہیں ہے کہ اس سے ملمع سازی کے درست ہونے پر استدلال کیا جا سکے۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُجَاعٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ صَنَعْتُ سَيْفِي عَلَى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَزَعَمَ سَمُرَةُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلَى سَيْفِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَنَفِيًّا۔
حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ

مشہور تابعی حضرت ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار حضرت سمرہ بن جندب کی تلوار کی طرح بنوائی اور انھوں نے کہا تھا کہ میری تلوار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی طرح بنی ہوئی ہے جبکہ آپؐ کی تلوار قبیلۂ بنو حنیفہ کی بنی ہوئی تلوار تھی۔

تشریح:- بنو حنیفہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے، اسی قبیلہ کا مشہور مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب

بھی ہے، اس قبیلہ کو تلوار بنانے میں مہارت تھی، اسی لئے تلوار کو جو اس قبیلہ کی بنی ہوئی ہو حنفیؔ کہا جاتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواروں میں سے ایک وہ تھی جو اسی قبیلہ کی بنی ہوئی تھی یا اسی طرح مضبوط تھی، اس لئے اس کی جانب نسبت کر دی گئی۔

آنحضور نے غزوۂ بدر میں بطور نفل ایک تلوار اپنے لئے رکھی تھی جس کا نام ذوالفقار تھا، اس طرح آپؐ کے پاس کل آٹھ تلواریں تھیں، مگر ان کے نام اور ان کی مکمل تفصیل کے لئے کوئی صحیح روایت نہیں ملتی ہے۔ البتہ ان کا ذکر تاریخ و سیرت کی کتابوں میں مفصل موجود ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي

صِفَةِ دِرْعِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کا بیان

اس باب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زرہ استعمال کرنے کا بیان ہے، درع (زرہ) ایک حفاظتی ہتھیار ہوتا ہے جو نیزہ و تلوار کی ضرب سے بچنے کے لئے میدان جنگ میں استعمال کیا جاتا ہے، یہ لوہے کا بنا ہوا بدن پر استعمال کا ایک لباس ہے۔

محدثین و شراح آنحضورؐ کے زرہوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ سات عدد تھیں۔

(۱) ذات الفضول: یہ مشہور زرہ ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعد بن عبادہ رضؓ نے غزوۂ بدر کے موقع پر دی تھی، اور ایک قول کے مطابق یہی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھی گئی تھی۔ (۲) ذات الوشاح:۔ (۳) ذات الحواشی (۴) سعدیہ (۵) فضۃ:۔ یہ دونوں زرہیں بنو قینقاع سے حاصل ہوئی تھیں (۶) البتراء (۷) الخرنق۔

اس باب میں دو حدیثیں مذکور ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا اَبُوْسَعِيْدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ الْاَشَجُّ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ اِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَاَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهٗ فَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ قَالَ فَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر احد کے دن دو زرہیں تھیں، آپ نے ایک چٹان پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو چڑھ نہیں سکے، آپ نے حضرت طلحہ کو اپنے نیچے بٹھایا پھر آپ اوپر چڑھے یہاں تک کہ چٹان کی سطح تک پہونچ گئے، حضرت زبیر کہتے ہیں کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ طلحہ نے واجب کرلیا۔

تحقیق درع: ثوب الحرب من حدید، زرہ جو لوہے کی ہوتی ہے اور بدن کے اوپر لباس کی طرح ڈال لی جاتی ہے۔ جو دو زرہ آپ نے پہن رکھی تھی وہ ذات الفضول اور الفضہ تھی۔

نهض:۔ باب فتح سے اٹھنا، کھڑا ہونا یہاں معنی ہے چڑھنے کا ارادہ فرمایا۔

الصخرة:۔ چٹان، بڑا پتھر بسکون الخاء وفتحہا جمع صخور۔

اوجب طلحة:۔ طلحہ نے واجب کرلیا یعنی اپنے اوپر جنت واجب کرلی، یا میری شفاعت یا بہت بڑا درجہ حاصل کرلیا۔

تشریح غزوۂ احد میں جنگ کی حالت ابتداء میں مسلمانوں کے حق میں رہی، لیکن جب تیراندازوں نے آنحضورؐ کی ہدایت کے خلاف اپنی جگہ چھوڑ دی تو پسپائی کی صورت ہوگئی اور آسان لڑائی خطرناک حالت میں بدل گئی، اس جنگ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے ہیں، جب حالت افراتفری کی تھی اس وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کی حفاظت میں لگے رہے اور خود تیر کھاتے رہے مگر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے، اس دن آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں، ایک دفعہ اسی حالت میں چٹان پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تاکہ اس کے برابر ہوسکیں یا اس کے اوپر جاسکیں اور وہاں سے صورت حال کا جائزہ لیں مگر چونکہ آپ خود زخمی تھے اور دو زرہ کا بوجھ بھی جسم اطہر پر تھا اس لئے چڑھ نہ سکے، حضرت طلحہ ساتھ ہی تھے ان کو نیچے بٹھاکر ان کے کاندھے پر سوار ہوئے اور چٹان کی بلندی تک پہونچے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ کی اس خدمت پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ آج طلحہؓ نے بڑا کام کیا جس کے اجر میں اس کے لئے جنت یا قیامت میں میری شفاعت اس نے واجب کرلی۔ یا یہ کہ اس غزوہ میں حضرت طلحہ نے جس جاں نثاری کا

مظاہرہ کیا تھا اس سے خوش ہو کر آپؐ نے فرمایا کہ اس نے اپنے لئے جنت واجب کرلی ہے۔
اس دن حضرت طلحہ کے بدن پر ۸۰ سے زیادہ زخم آئے تھے اور ان کا ہاتھ بھی ان زخموں کی وجہ سے شل ہو گیا تھا۔

(۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ خُصَیْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ عَلَیْہِ یَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاهَرَ بَیْنَهُمَا۔

ترجمہ:۔ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر دو زرہیں تھیں جن کو تلے اوپر پہن رکھا تھا۔

تشریح اس روایت میں بھی یہی ذکر ہے کہ غزوۂ احد کے دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہ پہن رکھے تھے ایک کے اوپر دوسری۔ ظاھر بینھما کا یہی مطلب ہے کہ ایک کے اوپر دوسری پہن رکھی تھی جو آڑ ہو گئی تھی اور معاون بن گئی تھی۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنگ کے لئے جو بھی احتیاطی تدابیر ہوں ان کو اختیار کرنا چاہئے، آپؐ نے ایک کے اوپر دوسری زرہ پہن رکھی تھی تو یہ امت کے لئے سبق بھی تھا کہ احتیاط برتنا توکل اور تسلیم و رضا کے منافی نہیں ہے۔

یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ حضرت سائب غزوہ احد میں شریک نہیں تھے بلکہ یہ کسی اور شریکِ غزوہ صحابی سے انھوں نے سنا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ

فِي مِغْفَرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مِغْفَر:۔ بکسر المیم و فتح الفاء۔ اصل معنی پردہ کے ہیں، خود کو کہا جاتا ہے جو لوہے کی ایک ٹوپی ہوتی ہے جسے سر کی حفاظت کے لئے جنگ میں پہنا جاتا ہے، لوہے کی جالی سے بنی ہو یا مکمل لوہے کی ہو۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوہے کے بنے دو خود تھے، ایک کا نام الوشح تھا اور دوسرے کا ذوالسبوغ۔ یہاں مصنف نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں لیکن وہ اسناد کے اعتبار سے دو ہیں ورنہ معنی کے لحاظ سے ایک ہی ہے۔

(۱) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَیْهِ مِغْفَرٌ فَقِیْلَ لَهٗ هٰذَا ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اُقْتُلُوْهُ۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (فتح مکہ کے دن) مکہ میں داخل ہوتے اس حال میں کہ ان کے سر پر خود تھا تو ان سے عرض کیا گیا، یہ رہا ابن خطل جو کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے، آپ نے فرمایا، اس کو قتل کر دو۔

تشریح آپ فتح مکہ کے دن ہتھیار کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور آپ کے اصحاب بھی ہیں، جب کہ امام مسلم کی ایک روایت ہے کہ آنحضور نے فرمایا کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ مکہ ہتھیار لے کر جائے، اس روایت کا موجودہ روایت سے تعارض محسوس ہوتا ہے تو محدثین نے اسکے مختلف جوابات دیئے ہیں، ایک تو یہ کہ اس دن صرف دن کے کچھ حصہ کے لئے حرم کو حل کا درجہ دیدیا گیا تھا جو بعد میں کسی کے لئے جائز نہیں، اسی لئے

آپ قتال کے ارادہ سے تشریف لے گئے، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب ہتھیار لیجانے کی کوئی ضرورت نہ ہو، ایک توجیہ یہ ممکن ہے کہ یہ جواز صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور دوسروں کے لئے ان کے بعد ممانعت ہوگئی، ویسے بلا ضرورت ہتھیار لے جانا مکروہ ہے۔

اس حدیث سے متعلق دوسری بحث یہ ہے کہ ابن خطل جو کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے اس کو آپ نے مباح الدم قرار دیدیا اور فرمایا کہ اس کو قتل کر ڈالو۔

یہ ابن خطل مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں رہا اور کاتب وحی بھی تھا، ایک دفعہ آنحضورؐ نے اس کو ایک غلام کے ساتھ عامل صدقہ بنا کر بھیجا، جب وہ حکومت کی مویشیوں کے پاس سے گذرا تو غلام سے کہا میرے لئے ایک بکری ذبح کردو، غلام نے کہنا نہیں مانا تو اس نے غلام کو قتل کردیا اور مرتد ہو کر مکہ معظمہ بھاگ گیا اور وہاں آپ کے خلاف ہجویہ کلام کرنے لگا اور اپنی سب و شتم سے آنحضور کو بڑی اذیت دی تھی، اس لئے جب آنحضورؐ مکہ میں داخل ہوئے تو سب کے لئے امن عام کا اعلان فرمادیا سوائے ابن خطل کے اور اسی کی طرح کے افراد جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور تکلیفیں پہونچائی تھیں، ابن خطل نے سوچا اب جان بچنی مشکل ہے تو کعبہ کے پردوں سے لپٹ گیا کہ شاید اس طرح جان بچے، آپ نے فرمایا اس کو ختم کردو، اس کے لئے کسی حالت میں معافی نہیں ہے، آپ کا حکم سنتے ہی دو صحابی اس کی طرف بڑھے، یہ سعید بن حریث اور عمار بن یاسر ہیں، انھوں نے اسے قتل کر ڈالا۔

ابن خطل کو کس نے قتل کیا اس میں مختلف روایتیں ہیں مذکورہ دو نام کے علاوہ ایک نام ابوبرزہ کا بھی آتا ہے، بہر حال ان حضرات نے حکم بجالانے میں سبقت کی تھی، ایک نے قتل کیا تھا اور باقی دونوں حضرات نے قتل کرنے میں تعاون کیا ہوگا۔

اسی روایت کی بنا پر بعض ائمہ شاتم رسول کو ہر حال میں قتل کرنے کا حکم لگاتے ہیں، اور بعض علماء نے تو اس بات پر اجماع بھی نقل کیا ہے کہ شاتم رسول کو قتل کردیا جائے، اس لئے کہ وہ سب رسول کی وجہ سے مرتد ہوگیا ہے، اسی روایت کی بنیاد پر احناف کہتے ہیں کہ کوئی قتل کرکے حرم میں پناہ لے لے تو اس کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔

(٢) حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِیْ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰی رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ قَالَ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِبْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَبَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ مُحْرِمًا.

حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو ان کے سر پر خود تھا، جب اطمینان ہو گیا تو آپ نے خود اتار دیا، اتنے میں ایک آدمی آیا اور بتایا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے، آپ نے فرمایا کہ اسے قتل کر دو، ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں نہیں تھے۔

تشریح اس حدیث میں امام زہری نے وبلغنی الخ سے ایک فقہی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مسئلہ یہ ہیکہ حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے یا نہیں، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ احناف اور جمہور کے نزدیک غیر خائف کیلئے بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا جائز نہیں، شوافع کے صحیح قول کے مطابق جائز ہے خواہ کسی مقصد اور ضرورت کیلئے ہو، عدم وجوب کا قول ابن عمر اور امام زہری کا بھی ہے، اسی کی جانب یہاں انھوں نے اشارہ بھی کیا ہے، البتہ حنابلہ نے ذوی الحاجات المتکررہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور احناف کے یہاں داخل میقات دونوں کیلئے اجازت ہے، ابن عبد البر مالکی کہتے ہیں کہ اکثر صحابہ اور تابعین کا قول وجوب کا ہے، امام طحاوی کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر حالت احرام میں نہیں بھی تھے تو بھی ان کیلئے مخصوص حکم ہے، کیونکہ آپ نے خود فرمایا تھا کہ اسدن کا کچھ حصہ میرے لئے حلال قرار دیدیا گیا تھا، ملا علی قاری امام زہری کی اس عبارت "غیر محرم" کی تشریح یوں کرتے ہیں، کہ آپ محرم کی شکل میں نہیں تھے کیونکہ آپ نے احرام کا لباس نہیں پہن رکھا تھا، بہر آپ کا دخول حالت امن میں بھی نہیں ہے۔ اس روایت میں آیا ہے وعلیہ خفر اور آگے باب الصحابہ میں حدیث آرہی ہے جس میں وعلیہ عمامۃ ہے۔ دونوں میں تطبیق اگلے باب میں ذکر کی جائے گی۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی صِفَۃِ عِمَامَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کے بیان میں

عِمامۃ: بکسر المیم، پگڑی، میرک شاہ کہتے ہیں کہ یہاں باب میں جو عمامہ کا ذکر ہے وہ عام مفہوم میں ہر وہ چیز جو سر پر اوڑھی جائے یا باندھی جانے، خواہ وہ خود کے نیچے کوئی کپڑا ہو یا جو ٹوپی کے اوپر یا ٹوپی کے بغیر باندھا جائے، اردو میں بفتح العین رائج ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کے بارے میں بہت سی روایتیں آتی ہیں جن سے ثابت ہے کہ آپ نے عام طور پر سر پر عمامہ باندھا ہے، اس کی لمبائی چوڑائی وغیرہ کے بارے میں صحاح میں کوئی روایت نہیں ملتی ہے، علامہ جزری نے لکھا ہے کہ سیرت کی کتابوں میں بھی عمامہ کی مقدار نہیں معلوم ہوتی ہے البتہ بعض شراح حدیث نے اس کی کچھ تفصیل بیان کی ہے۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ ح وَحَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ۔

حضرت جابر روایت فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فتح مکہ کے دن اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

تشریح اس سے قبل والے باب میں حضرت انس کی دو روایتیں آئی ہیں جن میں یہ تھا کہ آپ کے سر پر خود تھا اور حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آپ کے سر پر عمامہ تھا، اس کی توجیہ کرتے ہوئے قاضی عیاض کہتے ہیں کہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، آپ نے

پہلے خود پہن رکھا تھا، پھر جب فتح کی صورت ہوگئی تو آپ نے خود اتار دیا اور عمامہ باندھ لیا اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ ممکن ہے دونوں ہوں یعنی سر پر عمامہ ہو اور اس کے اوپر مغفر خود ڈال لیا ہو، خود چونکہ لوہے کا ہوتا ہے، سر میں چبھتا ہوگا اس لئے آپ نے پہلے عمامہ باندھا اور اس پر خود ڈال لیا۔

اس روایت میں ہے کہ آپ کے سر پر عمامہ تھا سیاہ، تو سیاہ عمامہ کا استعمال جواز بتانے کے لئے ہے، ورنہ آپ نے عام طور پر سفید عمامہ استعمال فرمایا ہے، اور اسی کو افضل کہا جائے گا اور ممکن ہے کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت بھی آپ کے سر پر سیاہ عمامہ نہ ہو، بلکہ گرمی کا زمانہ ہے، گرد لگے ہیں اور اس پر خود پڑھا ہوا ہو، تو اس صورت میں محسوس ہوا ہوگا کہ عمامہ کا رنگ ہی سیاہ ہے، جب کہ وہ صرف میلا ہوا ہوگا، ایک روایت میں آتا ہے۔ عمامۃ دسماء۔

(۲) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَیْثٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَاَیْتُ عَلٰی رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ۔

عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سیاہ عمامہ دیکھا

(۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ وَیُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی قَالَا حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَیْثٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَیْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطاب فرمایا، اور آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

تشریح دونوں روایتیں ایک ہی ہیں کہ آپ نے لوگوں کے سامنے ایک موقع پر تقریر فرمائی اور آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے

مسلم کی ایک روایت کے مطابق آپ منبر پر کھڑے تھے، ممکن ہے یہ جمعہ کے وقت ہو اور اسکے علاوہ کسی موقع پر بھی ہوسکتا ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ دراصل فتح مکہ کے موقعہ کا ہے جب آپ نے باب کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر تقریر فرمائی تھی۔

علامہ نووی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے خطبہ میں سیاہ عمامہ باندھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے گرچہ سفید افضل ہے، ویسے سیاہ عمامہ باندھنے والوں میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت ہے ویسے اس میں کسی خاص رنگ کو انھوں نے مستقل طور پر نہیں اپنایا ہے، خلفاء عباسی نے عام طور پر سیاہ عمامے استعمال کئے ہیں، ان کے علی الرغم ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ تو سوگ کا رنگ معلوم ہوتا ہے اور روافض کا شعار ہوگیا ہے۔ اس لئے افضل یہی ہے کہ ان سے تشبہ نہ ہو اور سفید عمامہ استعمال کیا جاتے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملبوسات میں سفید ہی کو افضل قرار دیا ہے۔

(٤) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَدَنِيُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ، قَالَ عُبَيْدُ اللهِ وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ ۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا دیتے، حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے، عبید اللہ کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد اور سالم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

تحقیق

اعتمّ: باب افتعال، عمامہ باندھنا، سر پر عمامہ ڈالنا۔

سدل: باب نصر لٹکایا، ایک کنارہ ڈال دینا، دونوں کناروں کو ملائے بغیر چھوڑ دینا

تشریح

پگڑی باندھنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ مکمل عمامہ سر پر ہی

بندھ جائے اور اس کا کوئی کنارہ لٹکا ہوا نہ ہو، دوسری صورت یہ کہ اس کا کنارہ جسے شملہ کہا جاتا ہے سر سے نیچے لٹکا رہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریقے منقول ہیں، کبھی شملہ چھوڑتے تھے اور کبھی نہیں، پھر شملہ کو بھی لٹکانے میں مختلف طریقے ہیں، آپ سے زیادہ تر یہی عمل منقول ہے کہ پیچھے کی جانب دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا دیا جائے، علامہ مناوی اسی صورت کو افضل قرار دیتے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عمامہ لمبا ہوتا تھا مگر اس کی مقدار کیا تھی اس کی کوئی تشریح نہیں ملتی، البتہ شارح مسلم امام نووی کہتے ہیں کہ آپ کے عمامے دو طرح کے تھے چھوٹا عمامہ تقریباً سات ذرع کا تھا اور بڑا بارہ ذرع کا۔

اس وجہ سے عمامہ کی مقدار میں تعیین کی کوئی سنت نہیں ہے، عمامہ ٹوپی پر اور بغیر ٹوپی کے بھی استعمال ہوتا ہے، البتہ اگر مشرکین بھی استعمال کریں تو ان کے طریقہ سے احتراز کی صورت یہ ہے کہ ٹوپی پر عمامہ باندھا جائے۔

(۵) حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ عِيْسٰى حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا اَبُوْسُلَيْمَانَ وَهُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْغَسِيْلِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ دَسْمَاءُ۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبیِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

تحقیق علیہ عمامۃ بعض نسخوں میں عِصابۃ بکسر العین وارد ہوا ہے دونوں ہم معنی ہیں عصابۃ کے معنی ہیں پٹی۔ دسماء۔ بفتح الدال و سکون السین بمعنی سیاہ میلا، تیل لگا ہوا چکنا۔

تشریح یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے جب آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا ہے اور اس کے بعد پھر آپ منبر پر کھڑے نہیں ہوئے ہیں ـــــ آپ نے یا تو سیاہ عمامہ باندھ رکھا ہے یا پھر کوئی پٹی ہے جو مرض اور شدت تکلیف کی وجہ سے باندھ رکھی ہے جو تیل لگنے کی وجہ سے بے رنگ ہو گئی ہو اور میلی معلوم ہو رہی ہے خواہ آپ نے عمامہ باندھا ہو یا کپڑے کی کوئی پٹی اس کا رنگ سیاہی مائل ہو رہا تھا

بَابُ مَاجَاءَ فِی صِفَةِ ازارِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہمد کے بیان میں

الازار: بکسر الہمزہ ازر سے ماخوذ ہے جس کے معنی آتے ہیں مضبوطی سے باندھنے کے ازار بر وزن فِعال لیکن مفعول کے معنی میں، مایؤتزربہ، یہاں مراد ہے وہ کپڑا جو اسفل بدن پر استعمال کیا جائے، اس کے بالمقابل رداء ہے جس کا مطلب ہے جو کپڑا بدن کے اوپر کے حصہ کو ڈھانکے، اردو میں ازار کو تہمد یا لنگی کہتے ہیں۔

عربوں میں عام طور پر رواج تہمد پہننے کا رہا ہے جو سلی ہوئی نہیں ہوتی تھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تہمد کا ہی استعمال فرمایا ہے، سراویل (پاجامہ) کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے مگر اتنا ثابت ہے کہ آپؐ نے پاجامہ خریدا ہے، اور آپ کے پاس پاجامہ تھا متعدد احادیث سے آپ کا پاجامہ پہننا بھی ثابت ہے،

اس باب کے تحت امام ترمذی نے چار حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ حَدَّثَنَا اَیُّوْبُ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كِسَاءً مُلَبَّدًا وَاِزَارًا غَلِیْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذَیْنِ -

حضرت ابوبردہ (تابعی) روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک پیوند لگی چادر اور ایک موٹی لنگی دکھائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات انھیں دو کپڑوں میں ہوئی تھی۔

تحقیق کِساء، بکسر الکاف بمعنی پہنی ہوئی چیز، لیکن محاورات میں اس کا اطلاق معمولی کپڑے پر ہوتا ہے یہاں مراد ہے چادر، جو اعلیٰ بدن پر استعمال کی جائے

مُلَبَّدا:۔ بتشدید الباء، تلبید کے معنی ہیں تہ بہ تہ جمالینا، یہاں مراد ہے مرقع یعنی پیوند لگا ہوا کپڑا۔

غَلِیْظا:۔ موٹا، گاڑھا، از باب کرم، الغلظۃ موٹا ہونا، بھاری بدن کا ہونا۔

قُبِض:۔ قبض کی گئی، بصیغۂ مجہول وفات ہوئی۔

تشریح ابتدائے اسلام میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب پر فقر وفاقہ کا غلبہ تھا اس وقت ان حضرات کا معمول ہی موٹا کپڑا پہننا اور روکھی سوکھی کھانا تھا مگر بعد میں جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو کافی حد تک مسلمانوں کو مالی کشادگی حاصل ہوگئی تھی اور اتنی وسعت ہوگئی تھی کہ وہ اچھا کپڑا پہن سکتے تھے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً موٹا کپڑا ہی استعمال فرمایا اور خورد ونوش میں معمولی غذائیں ہی روز کا معمول رہیں جیساکہ حدیث میں گذر چکا ہے اور جس وقت آپ کا وصال ہوا ہے اس وقت بھی آپ کے بدن مبارک پر پیوند لگی چادر اور موٹی لنگی تھی، یہ نہیں کہ آپ کو میسر نہیں آیا تھا بلکہ آپ نے اپنے پرانے طرز کو ہی اپنایا تھا۔

اس کا مطلب قطعی نہیں کہ آپ نے اچھا کھانے اور پہننے سے پرہیز فرمایا ہے، آپ نے عمدہ لباس بھی استعمال فرمائے ہیں، بس یہ کہ کسی چیز میں تکلف نہیں فرمایا جو مل گیا وہی پہن لیا، اخیر عمر میں بھی آپ نے زہد وفقر کو ہی اپنایا کہ یہی انبیاء کا طریق رہا، اور یہی اس بات کی علامت ہے کہ صلحاء اور اتقیاء اسی طریقے کو اپنائیں۔

علماء کہتے ہیں کہ زندگی کے رہن سہن میں سادگی ہی افضل ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا اور اگر اس سادگی یا موٹے کپڑوں میں بھی اپنی انفرادیت جتانی ہو یا کبر وغرور کا عنصر نمایاں ہو تو اس کا ترک افضل ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَمَّتِيْ تُحَدِّثُ عَنْ عَمِّهَا قَالَ بَيْنَمَا اَنَا اَمْشِيْ بِالْمَدِيْنَةِ اِذَا اِنْسَانٌ خَلْفِيْ يَقُوْلُ اِرْفَعْ اِزَارَكَ فَاِنَّهُ اَتْقٰى وَاَبْقٰى فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا هُوَ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ قَالَ اَمَا لَكَ فِيَّ اُسْوَةٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا اِزَارُهٗ اِلٰى نِصْفِ سَاقَيْهِ ۔

اشعث بن سلیم کہتے ہیں کہ مجھ سے میری پھوپھی اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں، ان کے چچا عبید بن خالد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مدینہ میں چلا جا رہا ہوں کہ میرے پیچھے ایک شخص آواز دیکر کہہ رہا ہے، اپنی لنگی اوپر اٹھا لو کیونکہ یہ پاکیزگی میں بہتر ہے اور حفاظت میں، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، یہ تو معمولی سی چادر ہے، آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے لئے میری اتباع بھی کوئی چیز نہیں، میں نے جو دیکھا تو آپ کی لنگی نصف پنڈلیوں تک تھی۔

تحقیق

عن عمها:۔ ضمیر کا مرجع عمّہ ہیں یعنی عم عمۃ اشعث بن سلیم، ان کا نام عبید بن خالد ہے۔

بینما: اس میں اصل بین ہے وسط کے معنی میں، اس میں کبھی الف بڑھا دیتے ہیں اور کبھی ما، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہوتا ہے "اس درمیان" "اس دوران" یہ کلمہ ما بعد کو مضاف ہوتا ہے اور کبھی مضاف الیہ محذوف کرکے بین کے بعد والے الف یا ما کو اس کا بدل قرار دیتے ہیں، تو

بینما امشی کا مفہوم ہوگا وقت مشی۔

اذا:۔ مفاجات کیلئے۔ اچانک۔

اتقیٰ:۔ یعنی تقوی سے قریب تر، یہ اخروی فائدہ ہوا کہ اس سے پاکیزگی رہتی ہے، اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ کبر و غرور نہیں ہے، یہ تو تقویٰ سے ماخوذ ہونے کی صورت میں اور اگر یہ لفظ وقایۃ سے ماخوذ ہو تو معنی حفاظت سے قریب تر۔

ابقیٰ:۔ زیادہ باقی رہنے والا ، یہ دنیوی فائدہ ہوا کہ کپڑا ایسی صورت میں محفوظ رہتا ہے اور دیرپا رہتا ہے، پیروں کے نیچے آکر پھٹنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

التفت:۔ التفات کے معنی مڑنا ، متوجہ ہونا ، یہاں مراد ہوگا مڑکر پیچھے دیکھنا۔

بُردہ:۔ چادر ، لنگی ، ایک کپڑا جو زیریں بدن پر عرب کے لوگ پہنتے تھے

ملحاء:۔ بفتح المیم ، املح کی مؤنث ، ایسی سفیدی جس میں سیاہی کی آمیزش ہو معمولی سا کپڑا

اسوۃ:۔ بفتح الہمزہ ، قابل تقلید واتباع طریقہ ، سنت۔

تشریح حدیث کے راوی عبید بن خالد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اپنے تہمد کو اوپر اٹھالو ، یہی تقویٰ اور حفاظت دونوں لحاظ سے بہتر ہے ، یعنی اس میں نہ کبر ونخوت کا اظہار ہوتا ہے اور نہ ہی کپڑے کے پھٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے ، عبید بن خالد نے سمجھا کہ آنحضور اسی واسطے اوپر اٹھانے کو کہہ رہے ہیں اس لئے جواب میں کہا یا رسول اللہ یہ تو معمولی سی لنگی ہے اس میں کبر و غرور کا اظہار تو ہوتا ہی نہیں ، اور اگر یہ ضائع بھی ہو تو کیا تشویش ، جس کے لئے اوپر پہنا جائے ، آپ نے فرمایا یہ مصلحتیں نہ بھی ہوں تو کیا میرے طریقہ کی اتباع بھی نہیں کرسکتے اور آپ کا معمول ازار پہننے میں نصف ساقین تک کا رہا ہے۔

نصف ساقین کے آگے ٹخنوں اور اس سے نیچے تک پہننے کے بارے میں علماء کے نزدیک تفصیل ہے جو باب کے اخیر میں مفصل ذکر کردی جائے گی۔

(۳) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُوْسَى بْنُ عُبَيْدَةَ عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ عُثْمَانُ يَأْتَزِرُ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ وَقَالَ هٰكَذَا كَانَتْ إِزْرَةُ صَاحِبِي يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت سلمہ بن الاکوع فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نصف ساقین تک ازار پہنتے تھے اور فرماتے کہ یہی طرز میرے آقا کی لنگی کا رہا ، صاحب سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تشریح حضرت سلمہ بن الاکوع مشہور اولین صحابہ میں سے ہیں، انھوں نے خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لنگی نصف ساق تک پہنے دیکھا ہے، مگر انھوں نے حضرت عثمان کا معمول ذکر کر کے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز تھا، اور ایسا اس لئے نقل کر رہے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہی معمول خلیفۂ رسول کا بھی رہا ہے، اس سے بہتر طریقۂ لباس کی مزید تاکید بھی ہوتی ہے اسی وجہ سے آپؐ نے فرمایا تھا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی۔

(۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ نَذِيْرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَضَلَةِ سَاقِيْ اَوْسَاقِهٖ فَقَالَ هٰذَا مَوْضِعُ الْاِزَارِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاَسْفَلَ فَاِنْ اَبَيْتَ فَلَاحَقَّ لِلْاِزَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ ۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی یا اپنی پنڈلی کے گوشت والے حصہ کو پکڑا اور فرمایا کہ یہ جگہ تمھاری لنگی کی ہونی چاہئے، اگر اس پر نہ مانو تو تھوڑا نیچے بھی کر لو، اور اس پر بھی قناعت نہ ہو تو تمھاری لنگی کو ٹخنوں کے برابر یا اس سے نیچے نہ ہونا چاہئے۔

تحقیق عضلۃ:۔ بفتحتین، ہر وہ گوشت جو پٹھے پر یا کہیں جمع کی صورت میں ہو، یہاں مراد ہے پنڈلی کا وہ حصہ جس میں گوشت ہوتا ہے۔

ابیت:۔ معنی انکار کرو، مطلب یہ کہ اگر افضل طریقہ پر عمل کرنے پر قناعت نہ ہو اور اس سے آگے تک پہننا چاہو۔

فی الکعبین:۔ یعنی ٹخنوں تک پہونچنے کا کوئی حق نہیں۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ کعبین سے تجاوز نہ کرے، یہ مطلب نہیں کہ برابری بھی نہ ہو کیونکہ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار، جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسبال ازار الی الکعبین کی گنجائش نکلتی ہے اس پر یہ وعید نہیں ہے۔

بحث اسبال الازار:۔ لنگی کو کہاں تک لٹکانا چاہئے، کہاں تک مسنون و

لَهٗ مُرَقَّقٌ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلٰى مَا يَاكُلُوْنَ قَالَ عَلٰى هٰذِهِ السُّفَرِ.
قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ يُوْنُسُ هٰذَا الَّذِیْ رَوٰی عَنْ قَتَادَةَ هُوَ يُوْنُسُ الْاِسْكَافُ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو میز پر کھانا تناول فرمایا اور نہ چھوٹے برتنوں میں اور نہ ہی ان کے لئے پتلی روٹی پکائی گئی، ایک راوی یونسؒ کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ سے پوچھا پھر وہ کس چیز پر رکھ کر کھایا کرتے تھے کہا کہ اسی چمڑے کے دستر خوان پر۔

تحقیق

خِوَان:۔ بکسر الخاء، دستر خوان جس پر کھانا لگا کر کھایا جائے۔ عرف میں خوان میز کو کہتے ہیں جس کے پائے ہوں اور زمین سے بلند ہو، اس پر عام طور پر متکبرین اور جبارین کو کھانے کی عادت رہی تاکہ ان کا سر کھاتے وقت بھی جھکنے نہ پائے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کھانا پسند نہیں فرمایا، اسی لئے یہ مکروہ کہا جاتا ہے۔ ویسے اسکے جواز میں کوئی کلام نہیں، خاء پر ضمہ پر درست ہے

سُکُرُجَۃ۔ بضم السین والکاف والراء المشددۃ، چھوٹا برتن جس میں سالن کھایا جاتا ہو، یہ فارسی لفظ ہے، اسکے معنی طشتری کے بھی ہیں، مراد ایسا چھوٹا برتن جس میں چٹنی رکھی جاتی ہے جس سے کھانا ہضم ہوتا ہے، اور کھانے کی خواہش بڑھتی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے برتن سے بھی نہیں کھایا۔ اس لئے کہ آپ کو زیادہ کھانے کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ خواہش۔

مُرَقَّق:۔ نرم اور باریک، پتلی روٹی، چپاتی، باریک روٹی بھی ارباب تکلف کی عادت رہی ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپؐ نے کھانے پینے میں تکلف نہیں برتا ہے

السُّفَر:۔ بضم السین و فتح الفاء۔ زاد سفر، ایسا کھانا جسے مسافر اپنے سفر کے دوران کیلئے رکھ لیتا ہے اور عام طور پر اس کو گول چمڑے کے تھیلے میں رکھا جاتا ہے، کما فی النہایہ، پھر اس کا

امام نووی کہتے ہیں کہ لنگی یا پائجامہ وغیرہ کے دونوں کناروں کے لٹکنے میں مستحب حد تو نصف ساق ہے اور کعبین تک بلا کراہت جائز ہے، اور اگر کعبین (ٹخنوں) سے نیچے کبر و غرور کی وجہ سے ہو تو بالاتفاق حرام اور ممنوع، اور کبر کی وجہ سے نہ ہو تو سخت مکروہ، البتہ آپؐ نے جو حضرت حذیفہ کو فرمایا ہے کہ اس سے آگے حد نہ ہو، تو یہ ممانعت مبالغہ پر محمول ہوگی تاکہ لوگ اسے کرنے نہ لگیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ کبر و غرور نہ ہونے کی صورت میں بھی ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہی ہوگا، علامہ مناوی بھی کہتے ہیں کہ بغیر کبر کے کعبین سے نیچے تک لٹکنے میں کراہت ہوگی،

اور کعبین سے نیچے تک لٹکانے میں عدم حرمت اور صرف کراہت کے جو افراد قائل ہیں وہ حضرت ابوبکر والی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو بخاری میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یارسول اللہ میری لنگی کا ایک کنارہ عام طور پر نیچے ہوجاتا ہے، الا یہ کہ میں اس کا اہتمام کردوں، تو آپ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جس پر کبر و غرور کا گمان ہوسکے، گویا یہ حدیث اس بات کی علامت ہے کہ حرمت کی علت کبر و نخوت ہے، ورنہ اس درجہ کی حرمت نہ ہوگی، بلکہ صرف کراہت ہوگی۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی مشیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کے بیان میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کے انداز کے بارے میں ضمناً پہلے بیان ہو چکا ہے، یہاں مستقل باب قائم کرکے امام ترمذی نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ أَبِي يُونُسَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ، وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَسْرَعَ فِي مِشْيَتِهِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّمَا الْأَرْضُ تُطْوَى لَهُ إِنَّا لَنُجْهِدُ أَنْفُسَنَا وَإِنَّهُ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ.

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کچھ بھی نہیں دیکھا، لگتا کہ سورج آپ کے چہرۂ انور پر ہی چمک رہا ہو اور نہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار ہی کسی کو دیکھا، گویا آپ کے لئے زمین سمٹتی جا رہی ہو، ہم ساتھ چلنے میں مشقت میں پڑ جاتے، اور آپ معمول سے زیادہ رفتار سے بھی نہیں چلتے۔

تحقیق مشیۃ :- بکسر المیم، چلنے کا انداز، رفتار، چلنے میں جو آدمی کا معمول ہو، اور اگر بفتح المیم ہو تو یہ مصدر بمعنی کیفیت رفتار

تجری :- باب ضرب چلنا، سورج کے آسمان پر چلنے سے تشبیہ دی جا رہی ہے کہ حسن و نور آپ کے چہرے پر اسی طرح چلتا، چہرۂ انور کی چمک کو تشبیہ دینے کی تخصیص بایں معنی

کہ بدن چہرہ کے تابع ہوتا ہے۔

تنجھن :۔ بضم النون وکسر الہاء۔ وبجوز فتحہا، مشقت اختیار کرنا، معمول سے زیادہ طاقت لگانا اور زور لگانا، یہاں مراد ہے ہم تھک جاتے تھے، ہم اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے

غیر مکترث :۔ اصل معنی ہے ہماری مشقت کی پرواہ کئے بغیر، مطلب یہ ہے کہ ان کی تیز رفتاری معمول کے مطابق ہوتی، اور ان کے لئے اطمینان کی چال تھی، بہت زیادہ تیز رفتاری نہیں تھی۔

تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کچھ تیز ہوتی مگر اتنی نہیں کہ ان کو اس میں پریشانی اٹھانی پڑے یا طبیعت پر زور دینا پڑے، مگر یہ معمولی سی تیز رفتاری ان کے ساتھ چلنے والوں کے لئے پریشان کن ہو جاتی اور آپ کی اس معمولی چال میں ساتھ والوں کو تیزی کا اہتمام کرنا پڑتا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ان کے کمال قوت کی وجہ سے رفتار ایسی تھی، محسوس ایسا ہوتا تھا کہ زمین سمٹتی جا رہی ہو اور گویا آپ قدم بڑھاتے ہوں تو زمین بھی چلنے میں معاون ہوتی۔

(٢) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللهِ مَوْلَى غُفْرَةَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ اِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ فِي صَبَبٍ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کرتے تو کہتے کہ آنحضورؐ جب چلتے تو پوری قوت سے قدم اٹھاتے، محسوس ہوتا کہ اوپر سے ڈھلان کی جانب اتر رہے ہوں۔

(٣) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِي عَنِ الْمَسْعُودِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِيٍّ

بْنِ اَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشٰی تَکَفَّأَ تَکَفُّوًا کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو آگے کو جھک کر قوت سے چلتے، گویا بلندی سے پستی کی جانب اتر رہے ہوں۔

تشریح

دونوں روایتیں پہلے ہی حلیۂ مبارک کے ضمن میں گذر چکی ہیں، یہ دونوں روایتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہیں جس میں ایک ہی مفہوم کو واضح کیا گیا ہے کہ جب آپ چلتے تو پاؤں گھسیٹ کر نہیں بلکہ پوری قوت سے اٹھا کر اور قدرے آگے کو جھکتے ہوئے جس سے ایسا محسوس ہوتا کہ آپ ڈھلوان میں اتر رہے ہیں۔

ایک روایت میں فی صبب ہے اور دوسری میں من صبب۔ یہ مِنْ بھی فی کے معنی میں ہے یعنی آپؐ گویا پست اور ڈھلان زمین میں اتر رہے ہوں، یا پھر مِنْ کے معنی لاجلہ اسی طرح ایک روایت میں تقلع کا لفظ ہے، ایک میں تکفأ کا، دونوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ آگے کو جھکتے ہوئے چلتے تاکہ پاؤں زمین سے کلی طور پر اٹھ جائیں، اور ایسا انداز نہ ہو تو متکبرین کا یا عورتوں کا ہوتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی تَقَنُّعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قناع استعمال کرنے کے بیان میں

(١) حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا الرَّبِیْعُ بْنُ صَبِیْحٍ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبَانَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ الْقِنَاعَ کَانَّ ثَوْبَہٗ ثَوْبُ زَیَّاتٍ ۔

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر پر ایک کپڑا عام طور پر استعمال فرماتے جو معلوم ہوتا کہ کسی تیلی کا کپڑا ہو۔

تحقیق و تشریح تقنع :- باب تفعل سے قناع استعمال کرنا، سر کو عمامہ یا چادر کے کونہ سے ڈھانپنا، قناع کے معنی وہ کپڑا جس سے سر ڈھانکا جائے عورت کیلئے خمار استعمال ہوتا ہے اور مردوں کے لئے قناع، اور کبھی قناع عورت کے خمار کو بھی کہتے ہیں، یہاں مراد وہ کپڑا ہے جو سر کے اوپر تیل ڈالنے کے بعد رکھا جائے تاکہ تیل کا اثر ٹوپی و عمامہ یا دوسرے کپڑوں پر نہ ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر میں تیل ڈالنے کا اہتمام فرماتے تھے، مگر نظافت کا بھی خیال رہتا تھا کہ کپڑوں پر اس کا اثر نہ پڑے، اس لئے پگڑی کے استعمال سے پہلے ہی سر پر ایک کپڑا ڈال لیتے تھے جو تیل آلود ہونے کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا جیسے کسی تیل بیچنے یا بنانے والے کا کپڑا ہو۔

قناع اس کپڑے یا رومال کو بھی کہیں گے جو ٹوپی یا عمامہ کے اوپر ڈالا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

اس بارے میں شیخ عبدالرؤف مناوی شارح شمائل ترمذی نے خاص تفصیل بیان کی ہے، حاصل یہ کہ رومال وغیرہ کا استعمال انبیاء کے طریقے میں سے ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اسی کو استعمال کرنا چاہئے جو علم وحکمت کی تکمیل کر چکا ہو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علماء کے لئے ایک خاص شعار ہونا مناسب ہے جو انھیں کے ساتھ مختص ہو تاکہ معلوم ہو سکے یہ علماء ہیں، پھر شریعت کے سلسلہ میں ان سے رجوع کیا جا سکے،

اور گو کہ یہ حدیث اسی طریق سے پہلے بھی باب الترجل میں گذر چکی ہے مگر یہاں پر انھوں نے دوبارہ ایک باب قائم کر کے اس کو نقل کر دیا ہے، اور یہ طریقہ محدثین کا عام ہے کہ ایک ہی حدیث کے لئے دو یا زیادہ ابواب قائم کرتے ہیں اور جو احکام اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہوں ان کو الگ باب کے تحت ذکر کرتے ہیں، خاص طور پر امام بخاری کے یہاں یہ انداز بکثرت موجود ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ جِلْسَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست کا بیان

جِلسۃ: بکسر الجیم، کیفیت جلوس، امام ترمذی نے اس لفظ سے قعود کے معنی بھی لئے ہیں، گرچہ دونوں میں فرق کیا جاتا ہے۔ جلوس کہتے ہیں کھڑے ہونے سے بیٹھنا اور قعود لیٹے ہوئے سے اٹھ کر بیٹھنا، ویسے دونوں ایک دوسرے کے مفہوم میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور یہاں جلسۃ عام ہے جلوس اور قعود کو

اس باب میں تین حدیثیں وارد ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ حُمَیْدٍ اَنْبَأَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ حَسَّانَ عَنْ جَدَّتَیْہِ عَنْ قَیْلَۃَ بِنْتِ مَخْرَمَۃَ اَنَّہَا رَأَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَھُوَ قَاعِدُ الْقُرْفُصَاءِ قَالَتْ فَلَمَّا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ فِی الْجِلْسَۃِ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ۔

حضرت قیلہ بن مخرمہ کی روایت ہے کہ انھوں نے مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا درانحالیکہ وہ گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے تھے، کہتی ہیں کہ جب میں نے آپ کو بیٹھنے کی حالت میں عاجزانہ انداز کو دیکھا تو میں خوف سے کانپ اٹھی

تحقیق

القُرفُصَاء: بضم قاف وسکون راء وضم فاء، یہ بیٹھنے کی ایک خاص کیفیت ہے جسے حبوہ بنا کر بیٹھنا کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی اپنے پیٹ

سے رانوں کو ملائے اور ہاتھ دونوں پنڈلیوں پر ہوں جیسے کپڑے سے گوٹ مار کر بیٹھا جائے۔ ایک صورت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ پاؤں کو بچھانے اور ہاتھوں کو رانوں پر رکھ کر سر جھکا لے یا اوب کے بیٹھنے کا طریقہ ہوتا تھا، بہرصورت دونوں انداز سے بیٹھنے میں تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔

المتخشع :- اسم فاعل، تخشع باب تفعل سے خشوع کی کیفیت اختیار کرنا، خشوع میں ہونا۔

ارعدت :- فعل مجہول بمعنی اخذتنی الرعدة۔ کپکپی طاری ہوگئی۔

الفرق :- بفتح الفاء والراء، خوف، دہشت، یہاں مراد ہے خوف الٰہی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خشوع کی حالت میں بیٹھنے سے پیدا ہوا۔ ان کے خشوع کے باوجود عظمت ایسی تھی کہ اس سے دہشت طاری ہوگئی۔

تشریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت تواضع وانکساری میں مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اتنے میں حضرت قیلہ آتی ہیں اور پہلی مرتبہ آپ کو دیکھا ہے اور اس حالت میں بھی ان پر رعب طاری ہوگیا ہے۔ پہلے حضرت علی کی حدیث گذر چکی ہے کہ آپ کو جو پہلے پہل دیکھتا عظمت وجلال کی وجہ سے اس پر رعب طاری ہوجاتا، اور جو مستقل طور پر ملتا رہتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا، عظمت وجلال بھی اور محبت ونرمی بھی۔

(۲) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى۔

عباد بن تمیم کے چچا حضرت عبداللہ بن زید روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا اس حالت میں کہ ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے تھے۔

تحقیق عن عمه :- عباد کے چچا عبداللہ بن زید مشہور صحابی ہیں، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ہی مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا۔

مستلقیاً: استلقاء پشت کے بل لیٹنا، سونا، یہاں سونا مراد نہیں ہے۔

تشریح اس روایت میں ہے کہ آپ ایک پیر پر دوسرا پاؤں رکھے لیٹے ہوئے تھے جب کہ مسلم کی روایت ہے، آپ نے فرمایا کوئی اس طرح نہ لیٹے، تو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کی مختلف توجیہات ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے اس طرح جو لیٹنے کی ممانعت فرمائی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ٹانگ کھڑی ہو اور اس پر دوسری ٹانگ رکھی جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں پاؤں پھیلا لئے جائیں اور ایک پیر پر دوسرا پیر رکھ دیا جائے، اس صورت کی ممانعت نہیں ہے، اور غالباً یہاں موجود روایت کا مصداق یہی ہے کہ آپ دونوں پاؤں پھیلائے ہوئے تھے مگر ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھے ہوئے تھے۔

دوسری توجیہ یہ کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضور نے ایک پاؤں کھڑا کر کے اسی پر دوسرا پاؤں رکھا ہوا تھا تو یہ جواز بتلانے کے لئے ہوسکتا ہے، گویا ممانعت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں میں عام رواج ازار باندھنے کا تھا جو سلا ہوا نہیں ہوتا، ایسی صورت میں جب پیر کھڑا کر کے اس پر دوسرا پاؤں رکھا جائے تو اس میں ستر عورت کھلنے کا خدشہ ہوتا ہے، اس لئے آپ نے منع فرمایا تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنیاد پر منع فرمایا تھا، اس لئے اگر اہتمام کے ساتھ اس طرح لیٹا جائے تو اس کا جواز نکلتا ہے، چنانچہ آپ کے بعد بہت سے صحابہ اس طرح لیٹ جاتے تھے اور اس پر دوسرے افراد نے نکیر نہیں کی۔

قاضی عیاض مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کا اس طرح مسجد میں لیٹنا بحالت اعتکاف ہوگا، جب دوسرے افراد مسجد میں نہ ہوں گے ورنہ تو یہ حقیقت ہے کہ آپ وقار اور تواضع کی حالت میں ہی مسجد یا مجمع میں تشریف رکھتے۔

اس باب کے تحت اس حدیث کا ذکر مناسبت نہیں رکھتا مگر ملا علی قاری کہتے ہیں کہ جلسۃ سے مراد قیام کے مقابل صورت یعنی لیٹنا اور بیٹھنا دونوں مراد ہے، اس لئے

مناسبت ہوجائے گی، اس روایت سے مسجد میں بیٹھنے، ٹیک لگانے یا لیٹنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے

(٣) حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ اَنْبَانَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْاَنْصَارِيُّ عَنْ رُبَيْحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ احْتَبٰى بِيَدَيْهِ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں سے پاؤں سمیٹ کر بیٹھتے تھے ۔

تشریح احتبار کی صورت یہ ہے کہ آدمی دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے سُرین کے بل بیٹھے، اور دونوں ہاتھوں سے پاؤں کو سمیٹنے کی صورت اختیار کرے جسے ہندی میں گوٹ مار کر بیٹھنا کہتے ہیں۔

ایک دوسری صورت احتبار کی یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹھ اور پنڈلیوں کے گرد کپڑا لپیٹ کر بیٹھے دونوں صورتیں تواضع اور مسکنت ظاہر کرتی ہیں۔

عسقلانی کہتے ہیں کہ اس طرح بیٹھنے کا انداز عربوں میں رہا ہے، کہیں سہارا لینے کے بجائے اسی طرح بیٹھ کر آرام کر لیتے تھے اس لئے اس طرز نشست کو عرب کی دیوار بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں دیواروں کی کمی تھی اس لئے ٹیک لگا کر بیٹھنے کی گنجائش کم ہی ہوتی چنانچہ حبوہ بنا کر بیٹھ جاتے۔

اس طرز پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست ہمہ وقت نہ ہوتی، صبح کی نماز کے بعد تو آپ چہار زانو ہو کر بیٹھتے تھے اور کبھی آپ لیٹ جاتے، کبھی دونوں پاؤں پسار لیتے اور یہ سب انداز امت کے لئے جواز اور وسعت کی علامت ہوتے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تُکَأَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تکیہ کے بیان میں

تکأۃ علی وزن الہمزۃ، جس چیز پر ٹیک لگایا جائے تکیہ، گدا اور اسی طرح کی چیز اس سے آتا ہے اتکاء، ٹیک لگانا، سہارا لینا۔

امام ترمذی نے دونوں چیزوں کے لئے یعنی تکأۃ اور اتکاء کیلئے دو باب قائم کئے ہیں کیونکہ دونوں مختلف ہیں ایک باب میں اس چیز کا ذکر ہے جس پر ٹیک لگایا جائے اور دوسرے باب میں ٹیک لگانے اور سہارا لینے کے بارے میں بیان ہے۔ تکأۃ کو اس لئے مقدم کیا کہ اسی پر تو سہارا لیا جائے گا۔

اس باب میں حقیقت میں تین حدیثیں ہیں اور سند کے لحاظ سے پانچ۔

(۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدُ الدُّوْرِیُّ الْبَغْدَادِیُّ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِسْرَائِیْلَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَۃٍ عَلٰی یَسَارِہٖ۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تکیہ پر بائیں جانب ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔

تحقیق و تشریح :- وسادۃ: بکسر الواو تکیہ و گدا، اس کی جمع وسائد آتی ہے۔

علی یسارہ :۔ یعنی وہ تکیہ بائیں جانب رکھا ہوا تھا، یہ قید اتفاقی ہے، ورنہ دائیں بائیں ہر دو جانب ٹیک لگانا مطلقاً جائز ہے، بعض نسخوں میں علی یسارہ کا لفظ موجود نہیں ہے۔

دراصل ٹیک لگا کر بیٹھنے کے تین طریقے ہو سکتے ہیں، دائیں جانب تکیہ رکھا ہوا، بائیں جانب ہو یا پشت کی طرف ہو، آپ سے یمین ویسار کی جانب ٹیک لگانے کی روائتیں وارد ہیں، البتہ علی ظہرہ کہیں ثابت نہیں، یہ طریقہ عام طور پر سلاطین یا متکبرین کا ہوتا ہے، اسی لئے آپؐ نے اس سے احتراز فرمایا ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ وَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ اَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ ۔

حضرت ابوبکرہ بن الحارث کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو گناہ کبیرہ میں سے بڑے گناہ نہ بتاؤں، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتائیں تو آپ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، اور والدین کی نافرمانی کرنا راوی کہتے ہیں کہ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے مگر بیٹھ گئے اور فرمایا اس کے علاوہ جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات، راوی کہتے ہیں کہ آپ بار بار اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہماری تمنا ہونے لگی کہ کاش آپ خاموشی اختیار فرمالیتے۔

تحقیق

اکبر الکبائر :۔ یعنی بڑے گناہوں میں بھی جو زیادہ بڑے درجہ کے ہیں، یہ جملہ مفعول ثانی ہے الا احدثکم سے۔ کبائر کبیرۃ کی جمع ہے، ایسا گناہ جس پر شریعت نے سخت وعید کی ہو، دنیا میں حد جاری کرنے اور آخرت میں عذاب کی وعید کے ساتھ کذا

قالہ جمع من العلماء۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ گناہ کبیرہ بھی ہمارے لئے ویسے ہی مبہم ہے جیسے اسم اعظم، لیلۃ القدر وغیرہ، ابن حجر کہتے ہیں کہ ہر گناہ میں دو طبقہ ہے صغیرہ اور کبیرہ۔ کبیرہ وہ گناہ ہوگا جس پر دنیا میں حد جاری ہوتا ہے یا جس پر کتاب وسنت میں سخت وعید آئی ہو۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کے سلسلہ میں علمائے سلف نے مختلف توجیہات کی ہیں۔

بہت سے افراد نے گناہ کبیرہ کی تحدید بھی کی ہے، علامہ ذہبی نے مستقل ایک کتاب اس مضمون میں لکھی ہے، ملا علی قاری نے فقہاء کے حوالہ سے جمع الوسائل میں کبیرہ کی تفصیل بھی بیان کی ہے جو طوالت کی وجہ سے ہم چھوڑ رہے ہیں۔

بہر صورت گناہوں میں یہ سب سے بڑا گناہ جس کی معافی کی بھی گنجائش نہیں وہ ہے خدا کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کے علاوہ دوسرے گناہ وہ ہیں جس میں توبہ یا حد جاری ہو کر اس کی تلافی ممکن ہے، خود خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ مشرک کی بخشش نہیں ہوگی مگر اس کے علاوہ خدا جسے چاہے بخشدے۔

اشراک باللہ کے بعد جو آپ نے گناہ بتایا ہے وہ ہے والدین کی نافرمانی مگر اس شرط کے ساتھ میں کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادۃ الزور اور قول الزور کو اکبر الکبائر کے تحت شمار فرمایا اور اس کی سختی اور بڑے ہونے کو بیان کرنے کے لئے آپ نے اپنی نشست کی کیفیت بدلی ہے، پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر سہارے کو چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹ بولنا دونوں عظیم گناہ ہیں، جو بظاہر بہت آسان اور کثیر الوقوع ہیں کہ زبان ہلادی اور غلط بیانی کردی۔

آپ بار بار اس آخری شق پر زور دیتے رہے اور دہراتے رہے، یہاں تک کہ صحابہ تمنا کرنے لگے کہ کاش آپ سکوت اختیار فرمالیں، اس خوف سے کہ کہیں زبان مبارک پر کوئی عذاب کے نزول کی بات نہ آجائے، یا یہ مطلب کہ ہم سوچنے لگے آپ اتنا زور دے کر فرمارہے ہیں کہیں اس سے آپ کو تکلیف نہ ہو رہی ہو۔

صحابہؓ کا آنحضور سے غایت تعلق اور محبت کے ساتھ ساتھ ادب و احترام اس درجہ ہے کہ ایسے موقع پر وہ زبان سے کچھ نہیں کہہ پاتے۔

۳ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا۔

حضرت ابو جحیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

۴ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا آكُلُ مُتَّكِئًا۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ٹیک لگا کر نہیں کھایا کرتا۔

تشریح اہل جاہلیت اور عجمیوں کی عادت تھی کہ وہ ٹیک لگا کر کھایا کرتے تھے، جس کا مقصد اظہار کبر و نخوت اور بڑائی تھا، آپ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس طریقہ کو پسند نہیں کرتا، نہ اپنے لئے اور نہ اپنے متبعین کے لئے۔

اس طرح ٹیک لگا کر کھانے کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ زیادہ کھانا کھایا جائے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ کھانا کسی حال میں پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر نہیں کھایا کرتا۔

مذکورہ دونوں حدیثیں ایک جیسی ہیں سوائے اسکے کہ سند میں تھوڑی تبدیلی ہے اور متن کے بعض الفاظ میں بھی تغیر ہے، مگر دونوں کے راوی ایک ہی ہیں اور مفہوم بھی دونوں کا ایک ہی ہے، اور باب سے اس کی مناسبت بایں طور ہوگی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی چیز

پر ٹیک لگاتے تھے تو وہ کھانے کے علاوہ وقت میں ورنہ کھاتے ہوئے تکیہ یا گدا پر ٹیک نہیں لگاتے تھے۔

شیخ مناوی کہتے ہیں کہ آنحضور نے جو ٹیک لگا کر کھانے کی نفی فرمائی ہے اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ دائیں یا بائیں یا پیچھے کی جانب ٹیک لگا کر کھایا جائے، یہ طریقے مکروہ ہوں گے. لیکن اگر نیچے گدا وغیرہ ہو اور دسترخوان سے اونچائی نہ ہو تو ایسی حالت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ ٹیک لگا کر کھانے کی جو بھی صورت ہو، وہ مکروہ ہوگی. اسی طرح لیٹ کر کھانے میں بھی کراہت ہے، البتہ اگر کھڑے ہو کر کھایا جائے تو وہ خلاف اولیٰ ہوگا مکروہ نہیں، ہاں بیٹھ کر کھانا افضل ہے۔

میرک شاہ کہتے ہیں کہ محققین علماء نے ٹیک لگانے کی چار صورتیں بیان کی ہیں (۱) دائیں یا بائیں کسی ایک جانب ٹیک لگانا (۲) ایک ہاتھ زمین پر رکھنا (۳) چہار زانو ہو کر بیٹھنا (۴) پشت کی جانب تکیہ وغیرہ کا سہارا لینا، اور یہ چاروں طریقے ناپسندیدہ ہیں، مسنون طریقہ یہ ہے کہ بیٹھ کر کھانے کی جانب جھکا جائے۔

دوسری طرف بعض حضرات نے ٹیک لگا کر کھانے کے طبی نقصانات بھی بتائے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اس سے کھانا معدہ میں دیر سے پہونچتا ہے، اور اس حالت میں معدہ کی خرابی کا اندیشہ بھی رہتا ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ٹیک لگا کر کھانے کی کراہت کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس سے پیٹ بڑھنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور شریعت میں کم خوراکی مطلوب ہے تاکہ انسان ادائیگی واجبات بسہولت کر سکے

(۵) حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ . قَالَ أَبُو عِيسَى لَمْ يَذْكُرْ وَكِيعٌ عَلَى يَسَارِهِ هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ نَحْوَ رِوَايَةِ وَكِيعٍ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَى فِيهِ عَلَى يَسَارِهِ إِلَّا مَا رَوَى إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ

ترجمہ :- حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضورؐ کو تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے ۔

تشریح یہ روایت وہی ہے جو سب سے پہلے گذر چکی ہے، البتہ اس کے بارے میں امام ترمذی کو کلام کرنا تھا اس لئے دوبارہ یہاں لے آئے ہیں، کہتے ہیں کہ اصل روایت حضرت جابر کی یہی ہے جس میں صرف ٹیک لگانے کا ذکر ہے ۔

وعلی یسارہٖ کی قید صرف ایک سند میں ملتی ہے اور وہ سند ہے اسحق بن منصور عن اسرائیل ورنہ اور دوسری سندوں سے بھی یہ روایت مروی ہے اور ان میں اس قید کا اضافہ نہیں ہے ۔

باب ما جاء فی اتکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضورؐ کے ٹیک لگانے کا ذکر

اِتّکَاءٌ: وکأ سے ماخوذ ہے جس سے چیزوں کو باندھا اور مضبوط کیا جاتا ہے، مراد سہارا لینا، ٹیک لگانا، اس باب میں ذکر ہے فعل کی کیفیت کا، اگرچہ ضمنی طور پر مفعول بہ کی کیفیت بھی بیان ہو جائے گی، اور پہلے باب میں مفعول بہ کی کیفیت کو بیان کرنا تھا اور فعل یعنی ٹیک لگانے کا ذکر ضمناً تھا، اس طرح دونوں ابواب علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اس باب میں دو حدیثیں ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ شَاكِيًا فَخَرَجَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى اُسَامَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰى بِهِمْ ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے، اسامہؓ کا سہارا لیتے ہوئے نکلے، درانحالیکہ آپ کے بدن پر ایک منقش چادر تھی، پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

تحقیق: شاکیًا ای مریضًا ماخوذ شکوی اور شکایۃ سے بھی بمعنی مرض، اسم فاعل از باب نصر۔ یتوکّأ: باب تفعل سے، سہارا لے کر، ٹیک لگا کر۔

صلی بھم :- نماز پڑھائی، امام بن کر

تشریح یہ واقعہ مرض الموت کا ہے، آخری وقت میں بیماری سخت تھی اس حالت میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے اپنے حجرہ مبارک سے مسجد جانے کے لئے نکلے مگر نقاہت اس درجہ تھی کہ انھوں نے حضرت اسامہ بن زید کا سہارا لے رکھا تھا، دوسری روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ " ایک دفعہ حضرت علی اور ایک دفعہ فضل بن عباس کے سہارے مسجد میں داخل ہوئے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی بنا پر کسی آدمی پر ٹیک لگانا درست ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَفَّافُ الْحَلَبِيُّ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ وَ عَلَى رَأْسِهِ عِصَابَةٌ صَفْرَاءُ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ يَا فَضْلُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ اُشْدُدْ بِهٰذِهِ الْعِصَابَةِ رَأْسِي قَالَ فَفَعَلْتُ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ عَلَى مَنْكِبِي ثُمَّ قَامَ وَدَخَلَ فِي الْمَسْجِدِ، وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ۔

ترجمہ :- حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما روایت بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کے مرض کے وقت حاضر ہوا جس مرض میں ان کی وفات ہوئی ہے، آپ کے سر مبارک پر زرد رنگ کی پٹی ہے، میں نے معلوم کیا تو فرمایا، اے فضل! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اس پٹی سے میرے سر کو مضبوطی سے باندھ دو، میں نے ایسا ہی کیا، پھر آپ نے ایک ہاتھ میرے مونڈھے پر رکھا، پھر کھڑے ہوئے اور مسجد میں داخل ہوئے، اس حدیث میں مفصل واقعہ ہے۔

تحقیق :- تُوُفِّيَ : بضم التاء والفاء معنی مات۔

عِصَابَۃ :۔ بکسر العین، پٹی، پگڑی عصب کے معنی آتے ہیں باندھنے کے، اسی سے ماخوذ ہے العصابۃ یعنی وہ چیز جس سے باندھا جائے۔ یہاں پٹی ہی مراد ہے، بعض علماء نے عمامہ مراد لیا ہے، مگر آنحضور کا اگلا جملہ کہ اس پٹی سے میرے سر کو باندھو، اس بات پر دال ہے کہ آپ کے سر پر پٹی ہی ہے جو تکلیف اور شدت درد کی وجہ سے باندھ رکھی ہے

صفراء :۔ زرد رنگ کی۔ اگر پٹی مراد ہو تو کوئی بات نہیں اور اگر صفت مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کا اصل رنگ زرد نہیں ہے بلکہ مرض کی حالت میں تیل، پسینہ یا دوا کی وجہ سے اس کی رنگت زرد ہو گئی ہے۔

تشریح نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں سخت تکلیف میں ہیں اسی لئے پہلے بیٹھے اور اپنا ہاتھ فضل بن عباس کے مونڈھے پر رکھا اور کھڑے ہوئے، پھر اسی طرح سہارا لے کر آپ مسجد میں تشریف لے گئے ہیں، وہاں جاکر منبر پر کھڑے ہوئے اور اصحاب کرام کو آخری نصیحتیں فرما رہے ہیں، آپ نے جو خطاب فرمایا ہے وہ مفصل طور پر مجمع الزوائد میں مذکور ہے، اسی کی طرف امام ترمذی نے اشارہ کیا ہے۔

وفی الحدیث قصۃ :۔ یہی واقعہ تفصیل کے ساتھ شمائل ترمذی ہی میں باب الوفاۃ کے ضمن میں آئے گا انشاء اللہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی اَکْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا تناول فرمانے کا بیان

الاکل :- غیر سیال کو منھ کے ذریعہ معدہ میں داخل کرنا ۔ کھانا ۔ اور شرب کہا جاتا ہے سیال چیز کو منھ کے ذریعہ پیٹ میں پہونچانا یعنی پینا ، اور اُکُل بضمتین جو چیز کھائی جائے خوراک غذا ۔ اَکلۃٌ : ایک دفعہ کھانا

اس باب کے تحت امام ترمذی پانچ حدیثیں روایت کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا تناول فرمانے کا طریقہ کیا تھا اور کھانے کے آداب کیا ہیں ۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْعَقُ اَصَابِعَهُ ثَلَاثًا ۔
قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَرَوٰى غَيْرُ مُحَمَّدِ بْنِ بَشَّارٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ قَالَ كَانَ يَلْعَقُ اَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ ۔

ترجمہ :- کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے تھے ، امام ترمذی کہتے ہیں کہ محمد بن بشار کے علاوہ جس طریق سے یہ روایت مروی ہے اس میں یہ ہے کہ آپ تین انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے ۔

تشریح :- یلعق : کے معنی چاٹ لینے کے ہیں ، اس روایت سے اور دیگر روایات سے یہ بات

ثابت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فراغت کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ اپنی انگلیاں تین بار چاٹتے تھے تاکہ مکمل طور پر صفائی ہوجائے جو اس کا مقصود ہے، اور بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ آپ اپنی تین انگلیاں چاٹا کرتے تھے، دراصل آنحضورؐ کھانا صرف تین انگلیوں ہی سے تناول فرماتے تھے اس لئے ان تین انگلیوں کی صفائی کی ضرورت ہوتی تھی، امام ترمذی نے بھی قال ابوعیسیٰ کے ذریعہ سے یہی بتانا چاہا ہے کہ ایک روایت انگلیوں کو تین بار صاف کرنے کی ہے اور دوسری روایت تین انگلیوں کو چاٹنے کی ہے، جس میں تکرار کا پہلو نہیں نکلتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ انگلیوں کو چاٹنے کے سلسلہ میں ایک روایت طبرانی نے اوسط میں ذکر کی ہے، کعب بن عجرہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین انگلیوں سے دیکھا، ابہام، شہادت اور وسطی سے، پھر میں نے دیکھا کہ ان تینوں انگلیوں کو پونچھنے سے پہلے چاٹ رہے ہیں۔

اس روایت سے مزید یہ بات محقق ہوتی ہے کہ آپ تین انگلیوں کو ہی چاٹتے تھے، تین بار چاٹنا اسی مفہوم پر دال ہے۔

یہ واضح رہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کھانے کے بعد اپنی انگلیوں کو چاٹ لیا کرو، پتہ نہیں کھانے کے کس حصہ میں برکت ہو، اور ممکن ہے برکت کا وہ حصہ انگلیوں میں رہے اس لئے اس کو چاٹ لینے سے کھانے کی برکت کا حصول مقصود ہے اور نظافت۔ درمیان میں چاٹنا ہو تو اس میں گندگی ہوتی ہے اور اس میں کراہت بھی محسوس ہوسکتی ہے

(۲) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ.

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین انگلیوں ہی سے کھانا تناول فرمانے کا طریقہ مروی ہے اور کھانے سے فراغت کے بعد ان انگلیوں کو زبان سے چاٹ کر صاف کرنا بھی وارد ہے۔

محی الدین بن العربی کہتے ہیں اگر کوئی پانچوں انگلیوں سے کھانا چاہے تو ایسا کرنا قطعی درست ہوگا، وہ دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ آنحضور سے گوشت اور ہڈی کے کھانے اور ان کو جدا کرنے کی روایت ملتی ہے جو آسانی کے ساتھ پانچ انگلیوں ہی سے ہوسکتا ہے۔ اور اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ انگلیوں کا استعمال کہیں فرمایا ہو تو وہ ضرورت ہی کی بنا پر ہوگا۔

(۳) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ الصَّدَائِيُّ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ يَعْنِي الْحَضْرَمِيَّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا۔
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ نَحْوَهُ۔

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ کی روایت ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری بات تو یہ ہے کہ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں تفصیل بیان کردی گئی ہے

(۴) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ ابْنِ الْكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ وَيَلْعَقُهُنَّ۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے اور انھیں چاٹ بھی لیا کرتے تھے۔

تشریح یہ وہی روایت ہے جو اس باب کے شروع میں گذر چکی ہے، جس کے متعلق امام ترمذی نے کہا تھا کہ کعب ابن مالک سے جو روایت دوسرے طریقوں سے مروی ہے ان میں یہی ہے کہ آپ اپنی تین انگلیوں کو چاٹتے تھے نہ کہ تین بار۔

علماء نے کھانے کے بارے میں لکھا ہے کہ مستحب تین ہی انگلیوں سے ہے۔ ہاں ضرورت کے وقت چوتھی اور پانچویں انگلی کو شامل کیا جا سکتا ہے، اسی طرح صرف دو انگلیوں سے آنحضور ہ کا تناول فرمانا ثابت نہیں ہے اس لئے صرف دو انگلیوں سے کھانے سے احتراز کرنا چاہئے۔

(۵) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ اُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَرَاَيْتُهُ يَاْكُلُ وَهُوَ مُقْعٍ مِنَ الْجُوعِ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں لائی گئیں تو میں نے دیکھا کہ آپ اسے تناول فرما رہے ہیں اس حال میں کہ بھوک کی وجہ سے اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں۔

تحقیق مقع: اسم فاعل اقعاء باب افعال سے، اکڑوں بیٹھنا، یا آگے کی جانب جھک کر بیٹھنا، جوہری کہتے ہیں کہ اقعاء اہل لغت کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی اپنے سرین زمین سے ملادے اور اپنی پنڈلیوں کو کھڑی کرے اور پشت پر کسی چیز کا سہارا ہو، فقہاء کے نزدیک جو اقعاء نماز میں ہے اسکی صورت یہ ہے کہ سجدوں کے دوران آدمی اپنی سرین ایڑیوں سے ملادے امام ترمذی خود بکرہ الاقعاء کے تحت اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ سرین کے بل بیٹھے اور گھٹنوں کو اوپر اٹھادے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ سرین پر بیٹھے اور پنڈلیوں کو اوپر اٹھادے اور یہی وہ طریقہ ہے جو نماز میں مکروہ ہے، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اقعاء کا مطلب ہے احتباء گوٹ مار کر بیٹھنا۔

تشریح دراصل اقعاء کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں اور جب مختلف معانی ہیں تو یہاں مراد ہوگا وہی طریقہ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے معمول کا رہا ہے۔

اور اگر مراد پشت کی جانب ٹیک لگانا بھی ہے تو اس کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ ضعف کی وجہ سے جیسے خود حضرت انس بیان کر رہے ہیں کہ آپ بھوک کی وجہ سے اس حالت میں بیٹھے تھے۔

بابُ ماجاءَ في صفةِ خبزِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی کے بیان میں

اس باب کے تحت امام ترمذی نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روٹی کھانے کا ذکر ہے ساتھ ہی آپ کے اہل وعیال کے خبز کا تذکرہ ہے۔ باب میں آل کے اضافہ کی ضرورت یوں نہیں پڑی کہ آپ کے اہل وعیال کا کھانا آپ ہی کا کھانا کہلائیگا اور انھی کی ذات کی جانب منسوب ہوگا۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ يُحَدِّثُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال نے دو دن مسلسل پیٹ بھر کر جو کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

تحقیق

آل محمد: یعنی آپ کے اہل بیت اور وہ افراد جن کا نان ونفقہ آپ کے ذمہ تھا یہاں خود آپ کی ذات بھی مراد ہے جیسا کہ آئندہ روایات اس طرح کی آرہی ہیں۔

یومین:۔ دو دن تک، اس سے مراد دو دن اور دو راتیں ہیں، یوم کے ذکر کے ساتھ لیل

تبعاً مراد ہوتا ہے۔

متتابعین:- مسلسل دو دنوں تک۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا دو دن شکم سیر ہوئے ہوں مگر کبھی کبھی، متواتر اور لگاتار نہیں۔

حتی قبض:- آپ کی رحلت ہوئی۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ یہی حالت مسلسل اس وقت تک رہی جب تک آپ مدینہ میں تشریف فرما رہے یعنی دس سال، اسی میں حج وعمرہ اور غزوات کے اسفار بھی شامل ہیں۔

تشریح اس روایت سے محدثین صرف مدنی زندگی مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ صرف ہجرت کے بعد کے متعلق فرمارہی ہیں اس لئے کہ وہ آپ کیساتھ اسی دوران رہی ہیں اور اس کی مزید تائید بخاری کی روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ فرماتی ہیں کہ جب سے آنحضورؐ مدینہ تشریف لائے تین دن تک مسلسل شکم سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی ہے اسی حالت میں آپ کی رحلت ہوئی۔

صحیح ترین روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن تک جو یا آٹے کی روٹی سے شکم سیری نہیں فرمائی ہے، اسی طرح آپ کے اہل بیت کا حال رہا، محدثین کہتے ہیں کہ خود آنحضورؐ کا دو دن اور دو رات تک مسلسل شکم سیر ہو کر کھانے کی کوئی روایت نہیں ملتی، البتہ اہل بیت اور خاص طور پر ازواج مطہرات کے نفقہ کے بارے میں روایتیں آتی ہیں کہ آپؐ ان کا نان و نفقہ سال بھر تک کا دیدیا کرتے تھے، اس لئے ان کے تعلق سے یومین متتابعین شکم سیر نہ ہونے کی بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی۔

بعض حضرات اس کی یہ توجیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں بھی صرف آنحضورؐ کے کھانے کا ذکر ہے، لفظ آل زائد ہے جیسا کہ اس باب میں یہی روایت مذکور ہے اور اس میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا ذکر ہے۔

اور بعض علماء یہ توجیہ کرتے ہیں کہ آنحضورؐ کی طرح ازواج مطہرات کا بھی یہ رویہ ہوتا تھا کہ وہ بھی غایت شوق میں صدقہ کر دیتی تھیں اس لئے ان کے پاس بھی کچھ نہیں بچتا تھا جس سے مسلسل شکم سیری ہوتی۔

اور ایک بہتر توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ ہی کو اپنا شعار بنایا تھا، آپ کے پاس فتوحات کے بعد مالِ غنیمت اور انفال میں سے حصہ ملتا مگر وہ دوسرے ضرورتمندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور خود جو ملتا اسی پر اکتفاء کر لیتے، اسی لئے مستقل پیٹ بھر کھانے کی نوبت ہی نہیں آئی، اسی طرح امہات المؤمنین بھی تھیں کہ گو کہ ان کے پاس سال بھر کا نفقہ موجود ہوتا، مگر اس میں سے کچھ صدقہ فرما دیتیں تو آنحضورؐ کے اتباع میں کم خوراکی پر اکتفا فرماتیں، اس طرح وہ بھی مسلسل دو دن تک شکم سیر ہو کر نہ کھاتیں، اس طرح کوئی تعارض باقی نہیں رہتا اور نہ کوئی اشکال رہتا ہے۔

بہر حال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روٹی کھانے کے سلسلہ میں جتنی روایتیں وارد ہیں ان میں یہی ہے کہ دو دن یا تین دن تک آٹا یا جو کی روٹی سے کبھی شکم سیری نہیں ہوئی، اگر پیٹ بھر کر کھانے کی نوبت آئی ہے تو ایک وقت روٹی تو دوسرے وقت کھجور یا پھر فاقہ جیسا کہ مسلم میں روایت ہے کہ ما شبع آل محمد یومین من خبز البرّ الا واحدا ھما تمر، اسی طرح ابن سعد کی روایت ہے حضرت عائشہؓ سے کہ آنحضور اس دنیا سے رخصت ہوئے اس حال میں کہ ایک دن بھی دو کھانوں سے شکم سیر نہ ہوئے، اگر کھجور سے پیٹ بھرتے تو جو سے نہیں، اور جو سے پیٹ بھرا تو کھجور سے نہیں۔

اور شبع کے معنی ہیں پیٹ بھرنا، آسودہ ہونا، اور اس کا تعلق وجدانی کیفیات سے ہے جسے انسان خود محسوس کر سکتا ہے کہ آیا وہ شکم سیر ہوا اور آسودہ ہو کر کھایا یا نہیں، مگر یہاں جو شبع سے شکم سیری مراد ہے وہ وہی جو واقعہ کے مطابق ہو یعنی جسے حقیقۃً کہا جائے کہ کسی نے شکم سیر ہو کر کھایا اور یہ پہلے گذر چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم سیر ہونا بھی دو تہائی بطن کی صورت میں مراد ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّوْرِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِيْ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا حَرِيْزُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ يَقُوْلُ مَا كَانَ يَفْضُلُ عَنْ اَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزُ الشَّعِيْرِ.

حضرت ابوامامہ باہلی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے جو کی روٹی کبھی نہیں بچتی تھی۔

تشریح جب آنحضورؐ کے گھر والوں کے لئے جو کی روٹی پکتی تھی تو بہت کفایت کے ساتھ، زیادہ نہیں ہوتی تھی جو کھانے سے بچ جائے، اس سے بھی اس بات کا کنایہ ہے کہ وہ شکم سیر نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ عام حالات میں اتنا ہوتا ہی نہیں تھا کہ پیٹ بھرے چہ جائیکہ دستر خوان پر بچا رہ جائے

(۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَكَانَ اَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ.

حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کئی راتیں اس طرح گذارتے کہ وہ خود بھی خالی پیٹ ہوتے اور ان کے اہل وعیال بھی وہ رات کو کھانا کھانے کے لئے کچھ پاتے ہی نہ تھے، اور آپ کی روٹی بھی عام طور پر جو کی روٹی ہوتی

تحقیق
یبیت :۔ باب ضرب بیتوتة، رات گذارنا
المتتابعة :۔ مسلسل، لگاتار

طاویا :۔ خالی پیٹ، بھوک کی حالت میں، الطوی، بھوک از باب ضرب وسمع۔

اھلہ :۔ اہل وعیال، گھر والے، یہاں مراد ہے ازواج مطہرات اور جو آپ کے عیال میں ہیں۔

عشاء :۔ بفتح العین، رات کا کھانا اور بکسر العین رات کا وقت

(۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّهُ قِيْلَ لَهُ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ النَّقِيَّ يَعْنِي الْحُوَّارِيَّ فَقَالَ سَهْلٌ مَا رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَقِيْلَ لَهٗ هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ فَقِيْلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ بِالشَّعِيْرِ قَالَ كُنَّا نَنْفُخُهٗ فَيَطِيْرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نَعْجِنُهٗ ۔

حضرت سہل بن سعد صحابی رسول سے دریافت کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف آٹے کی روٹی کھائی تھی یعنی چھنا ہوا آٹا اور میدہ، تو سہل بن سعد نے جواب دیا کہ آپ نے اپنی وفات تک صاف آٹا نہیں دیکھا پھر ان سے پوچھا گیا کہ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ لوگوں کے یہاں چھلنیاں بھی تھیں؟ تو انھوں نے کہا نہیں تھیں، تو ان سے کہا گیا پھر آپ لوگ جو کو کس طرح صاف کیا کرتے تھے تو جواب دیا کہ ہم اسے پھونکتے تھے تو اس میں جو اڑنا ہوتا اڑ جاتا پھر ہم اسے گوندھ لیتے۔

تحقیق

النَّقِيَّ:۔ بفتح النون وکسر الکاف وتشدید الیاء۔ وہ روٹی جس کا آٹا چھنا ہوا اور صاف ہو، اسی کو میدہ کہتے ہیں۔

الحُوَّارِی:۔ بضم الحاء وتشدید الواو۔ جسے بار بار چھان کر صاف کیا جائے۔ یہ لفظ النقی کی تشریح اور تفسیر ہے، یعنی صاف کردہ آٹے کی روٹی، میدہ کی روٹی۔

لقی اللہ:۔ یا لقی ربہ یہ موت سے کنایہ ہے اس لئے کہ میت کی روح نکلنے کے بعد رب سے ملاقات کا اہل ہو جاتا ہے۔

مناخل:۔ واحد مُنخل بضم المیم، اسم آلہ علی غیر القیاس، وہ چیز جس کے ذریعہ آٹا صاف کیا جائے یا چھانا جائے۔ چھلنی یا اسی طرح کی کوئی چیز۔

نُنفِخہ:۔ ہم اس میں پھونک مار لیتے، ہوا میں اڑاتے ہاتھ سے یا کسی بھی طرح۔ نفخ از باب فتح۔

تخرجنہ :- عجن باب ضرب سے آٹا گوندھنا۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی عام طور پر جَو کی ہوتی تھی اور کبھی کبھار گیہوں کی اس وقت دونوں چیزیں ان کے اصحاب میں بھی مستعمل تھیں۔

یہاں ایک صحابی حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ہمیں تو صاف کیا ہوا آٹا میسر نہیں تھا اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمارے یہاں چھلنی ٹائپ کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی، ہم تو موٹے تنکے یا گرد وغیرہ اڑانے کیلئے ہوا میں اچھالتے یا پھونک مارتے، اسطرح تنکے وغیرہ اڑجاتے تھے، پھر ہم اسے گوندھ کر پکا لیتے تھے، نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اخیر عمر تک اسی طرح کے آٹے کی روٹی تناول فرماتے رہے، کھانے کے سلسلہ میں زیادہ تکلف کا اہتمام نہیں فرماتے

اس جگہ راوی کہتے ہیں کہ آنحضورؐ نے تو چھلنی دیکھی ہی نہیں، جبکہ یہ واضح ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد بار ملک شام کا سفر فرمایا ہے جہاں آٹا صاف کرنے کے لئے چھلنی موجود تھی، ایسا کیونکر ممکن ہے کہ آپ نے نہ دیکھا ہو جبکہ وہاں میدہ کا استعمال عام تھا، اس کے جواب میں ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ غالباً حضرت سہل بن سعد ہجرت الی المدینہ کے بعد کا واقعہ بیان کر رہے ہوں جب کہ آپ کا سفرِ شام بعثت سے پہلے کا ہے، اور مدینہ کی زندگی میں اصحاب رسول کی تنگی ظاہر ہے،

لیکن اگر یہ اشکال ہو کہ آنحضورؐ نے آخری عمر میں بھی شام کا سفر فرمایا ہے جو غالباً غزوۂ تبوک کے موقع پر ہوا تو اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ آپؐ کے غزوۂ تبوک کے دوران قیام کی جگہ پر زیادہ عرصہ ٹھہرنا ہی نہیں ہوا اور نہ کسی شام کے قافلہ کا تبوک آنا ثابت ہے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ دراصل حضرت سہل کا یہ کہنا کہ آپ نے دیکھا ہی نہیں تھا یہ ان کے علم و اطلاع کی بنیاد پر ہے، جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا أَكَلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ وَلَا فِي سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ

لَهٗ مُرَقَّقٌ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلٰى مَا يَأْكُلُوْنَ قَالَ عَلٰى هٰذِهِ السُّفَرِ.

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ يُوْنُسُ هٰذَا الَّذِيْ رَوٰى عَنْ قَتَادَةَ هُوَ يُوْنُسُ الْاِسْكَافُ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبیؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو میز پر کھانا تناول فرمایا اور نہ چھوٹے برتنوں میں اور نہ ہی ان کے لئے پتلی روٹی پکائی گئی، ایک راوی یونسؒ کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ سے پوچھا پھر وہ کس چیز پر رکھ کر کھایا کرتے تھے کہا کہ اسی چمڑے کے دستر خوان پر۔

تحقیق

خِوَان :۔ بکسر الخاء، دستر خوان جس پر کھانا لگا کر کھایا جائے۔ عرف میں خوان میز کو کہتے ہیں جس کے پائے ہوں اور زمین سے بلند ہو، اس پر عام طور پر متکبرین اور جبارین کو کھانے کی عادت رہی تاکہ ان کا سر کھاتے وقت بھی جھکنے نہ پائے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کھانا پسند نہیں فرمایا، اسی لئے یہ مکروہ کہا جاتا ہے۔ ویسے اسکے جواز میں کوئی کلام نہیں، خاء پر ضمہ پڑھنا بھی درست ہے

سُکُرُّجَۃ ۔ بضم السین والکاف والراء المشددۃ، چھوٹا برتن جس میں سالن کھایا جاتا ہو، یہ فارسی لفظ ہے، اسکے معنی طشتری کے بھی ہیں، مراد ایسا چھوٹا برتن جس میں چٹنی رکھی جاتی ہے جس سے کھانا ہضم ہوتا ہے، اور کھانے کی خواہش بڑھتی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے برتن سے بھی نہیں کھایا۔ اس لئے کہ آپؐ کو زیادہ کھانے کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ خواہش۔

مُرَقَّق :۔ نرم اور باریک، پتلی روٹی، چپاتی، باریک روٹی بھی ارباب تکلف کی عادت رہی ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپؐ نے کھانے پینے میں تکلف نہیں برتا ہے

السُّفَر :۔ بضم السین وفتح الفاء۔ زادِ سفر، ایسا کھانا جسے مسافر اپنے سفر کے دوران کیلئے رکھ لیتا ہے اور عام طور پر اس کو گول چمڑے کے تھیلے میں رکھا جاتا ہے، کما فی النہایہ، پھر اس کا

تشریح: قصر کی دو قسموں میں سے ہر ایک کی پھر دو دو قسمیں ہیں ایک قصر صفت علی الموصوف اور دوسری قصر موصوف علی الصفت، قصر کی یہ تقسیم اس کے دو طرف یعنی مقصور اور مقصور علیہ کے اعتبار سے ہے، قصر صفت علی الموصوف اس قصر کو کہتے ہیں کہ وہ صفت صرف اس موصوف میں پائی جائے، اور اس موصوف کو چھوڑ کر کسی دوسرے موصوف تک متجاوز نہ ہو، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس موصوف میں دوسری صفات بھی پائی جائیں۔ جیسے "لا فارس الا علی" (شہسوار تو صرف علی ہی ہے) یعنی شہسواری کی صفت صرف علی میں پائی جاتی ہے، اس سے متجاوز ہو کر کسی دوسرے تک نہیں پہنچتی ہے، اور قصر موصوف علی الصفت اس قصر کو کہتے ہیں کہ وہ موصوف صرف اس صفت کے ساتھ متصف ہو، اور اس صفت کو چھوڑ کر کسی دوسری تک تجاوز نہ کرے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ صفت کسی دوسرے موصوف میں بھی پائی جائے، جیسے کہ "وما محمد الا رسول" (اور محمد تو ایک رسول ہیں) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ایک ہی صفت ہے کہ وہ رسول ہیں، رسالت کے ساتھ ساتھ دوسری صفت "حیٌ لایموت" کی آپ میں موجود نہیں ہے، یعنی اس دوسری صفت "حی لا یموت" کے مقابلے میں موصوف (محمدؐ) کو ایک صفت (رسالت) کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ یہ موصوف اس ایک صفت سے متجاوز ہو کر دوسری صفت "حی لایموت" تک متجاوز نہیں ہوتے، خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول تو ہیں مگر حیات ابدی کے ساتھ متصف نہیں ہیں، بلکہ آپ پر بھی موت طاری ہو سکتی ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ صفت (رسالت) دوسرے موصوفین میں بھی پائی جائے۔

والقَصْرُ الإضَافِي يَنْقَسِمُ بِاعتِبَارِ حَالِ المُخَاطَبِ إلىٰ ثَلاثَةِ أقْسَام.

١. قَصْرُ إفْرَادٍ إذَا اعتقَدَ المُخَاطِبُ الشَّرْكَةَ.

٢. قَصْرُ قَلْبٍ إذَا اعتقَدَ العَكْسَ.

٣. قَصْرُ تَعْيِيْنٍ إذَا اعتقَدَ وَاحِدًا غَيْرَ مُعَيَّنٍ.

اور قصرِ اضافی کی مخاطب کے حال کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں

۱- قصرِافراد: جب کہ مخاطب دو یا زیادہ چیزوں کے درمیان شرکت کا اعتقاد رکھے۔

۲- قصرِ قلب: جب کہ برعکس کا اعتقاد رکھے۔

۳- قصرِ تعیین: جب کہ کسی ایک غیر معین کا اعتقاد رکھے۔

تشریح: پھر قصرِ اضافی کی مخاطب کے حال کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:

۱۔ قصرِ افراد اور وہ اس قصر اضافی کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی متکلم کا مخاطب ایک صفت میں دو یا زیادہ موصوف کو اسی طرح ایک موصوف میں دو یا زیادہ صفت کو شریک سمجھے۔

۲۔ قصرِ قلب۔ اس قصرِ اضافی کو کہتے ہیں کہ جس میں مخاطب اس حکم کے برعکس کا اعتقاد رکھے جسے یہ متکلم ثابت کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ حکم کسی موصوف کے لیے کسی صفت کے یا کسی صفت کے لیے کسی موصوف کے ثابت کرنے کا ہو۔

۳۔ قصرِ تعیین اس قصرِ اضافی کو کہتے ہیں کہ جس میں مخاطب ایک صفت کے لیے دو موصوف میں سے ایک کو یا ایک موصوف کے لیے دو صفتوں میں سے ایک کو متعین کرنے میں متردد ہو۔

ان تینوں اقسام کی تعریف سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان تینوں اقسام میں قصر کی سابق میں مذکورہ دونوں قسمیں یعنی قصرِ صفت علی الموصوف اور قصر موصوف علی الصفت بھی جاری ہوں گی مثلاً "ما زید الا قائم" (زید تو کھڑا ہی ہے) کا جملہ اگر اس مخاطب کے لیے کہا جائے جس کا اعتقاد یہ ہے کہ

زید قائم بھی ہے اور فاہم (سمجھ دار) بھی یعنی یہ مخاطب اس موصوف (زید) میں دو صفتوں (قائم اور فاہم) کو شریک تصور کر رہا ہے اور آپ اس شرکت کے تصور کو ختم کر کے ایک یعنی قائم کو ثابت اور فاہم کی نفی کرنا چاہیں اور پھر آپ "ما زید الا قائم" کہیں تو اس قصر کو قصرِ تعیین کی قسم قصرِ موصوف علی الصفت کہیں گے۔ اور اگر اس جملے کا مخاطب ایک ایسا شخص ہے کہ جو زید موصوف کے لیے صفت "فاہم" تصور کر رہا ہے اور آپ نے "ما زید الا قائم" کہہ کر اس کے بر عکس یعنی صفت قائم کو ثابت کیا تو یہ قصرِ قلب اور قصرِ موصوف علی الصفت ہے۔ اور اگر آپ کا مخاطب مذکورہ دونوں صفتوں میں سے ایک ہی کو زید کے لیے تصور کر رہا ہے مگر تعیین میں اسے تردد ہے کہ آیا صفت قیام ہے یا صفت فہم؟ اور اگر آپ نے "ما زید الا قائم" کہہ کر ایک کی تعیین کر دی تو یہ قصرِ تعیین اور قصرِ موصوف علی صفت ہے، یہ ایک مثال ہوئی جو قصر موصوف علی صفت کے اعتبار سے تو متحد ہے، مگر یہی مثال مخاطب کے حال کے اعتبار سے مختلف ہے کہ وہ کبھی قصرِ افراد کبھی قلب اور کبھی تعیین کی ہو رہی ہے۔

اور دوسری مثال ہے "انما الفاهم زید" (سمجھ دار تو بس زید ہے) یہ جملہ اگر اس مخاطب کے لیے کہا جائے جس کا اعتقاد یہ ہے کہ فہم کی صفت زید اور بکر دونوں کو عام ہے، کہ زید بھی فاہم ہے اور بکر بھی، یعنی یہ مخاطب اس صفت میں دو موصوف کو شریک تصور کر رہا ہے اور آپ اس شرکت کے اعتقاد کو ختم کر کے ایک یعنی زید کے لیے اس صفت کو ثابت اور دوسرے یعنی بکر سے اس صفت کی نفی کرنا چاہیں، اور اس مخاطب سے "انما الفاهم زید" کہیں، تو اسے قصرِ افراد اور قصر صفت علی موصوف کہیں گے۔ اور اگر اس جملے کا مخاطب ایک ایسا شخص ہے جو یہ صفت بکر کے لیے تصور کر رہا ہے، اور آپ اس کے اعتقاد کے بر عکس زید کے لیے اس صفت کو ثابت کرنا چاہیں اور آپ

یوں کہیں کہ "انما الفاہم زید" تو اسے قصرِ قلب اور قصرِ صفت علی موصوف کہیں گے، اور اگر اس جملے کا مخاطب ایک ایسا شخص ہے جو اس صفتِ فہم کو زید اور بکر دونوں میں سے کسی ایک کے لیے تصور کر رہا ہے، مگر تعیینِ موصوف میں اسے تردد ہے کہ یہ صفتِ فہم زید کے لیے ثابت ہے یا بکر کے لیے؟ اور آپ اس کے تردد کو زائل کر کے زید کے لیے ثابت کرنا چاہیں اور پھر یوں کہیں کہ "انما الفاہم زید" تو اسے قصرِ تعیین اور قصرِ صفت علی موصوف کہیں گے، یہ مثال قصرِ صفت علی موصوف کے اعتبار سے تو متحد ہے، مگر یہی مثال حالِ مخاطب کے اعتبار سے مختلف ہے کہ وہ کبھی قصرِ افراد، کبھی قصرِ قلب اور کبھی قصرِ تعیین کی ہو رہی ہے۔

و لِلْقَصْرِ طُرُقٌ، مِنْهَا النَّفْيُ وَ الاستِثْنَاءُ نحوُ "اِنْ هٰذا إلاَّ مَلَكٌ كَرِيْمٌ". و مِنْها إنَّمَا نَحوُ "إنَّما الفَاهِمُ عَلِيٌّ" و مِنْهَا العَطْفُ بِلا أوْ بَلْ أوْ لٰكِنْ نَحْوُ "أنَا نَاثِرٌ لاَ نَاظِمٌ" و "مَا أنا حَاسِبٌ بَلْ كَاتِبٌ"، و مِنْهَا تَقْدِيْمُ مَا حَقُّهُ التَّأخِيْرُ نحوُ "إيّاكَ نَعْبُدُ".

اور قصر کے چند طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ نفی اور استثناء ہے جیسے کہ "اِنْ هٰذا إلاَّ ملك كَرِيْمٌ" (یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے) اور ان میں سے ایک طریقہ "إنَّمَا" ہے جیسے "إنَّمَا الفَاهِمُ عَلِيٌّ" (سمجھدار تو علی ہے) ان میں سے ایک طریقہ لا، بل یا لکن کے ذریعے عطف کرنا ہے جیسے "أنَا نَاثِرٌ لاَ نَاظِمٌ" (میں نثر نگار ہوں شاعر نہیں) اور "مَا أنَا حَاسِبٌ بَلْ كَاتِبٌ" (میں حساب نویس نہیں ہوں بلکہ کاتب ہوں) اور ان میں سے ایک طریقہ ایسے لفظ کو مقدم کرنا ہے جس کا حق مؤخر کرنا تھا جیسے "إيَّاكَ نَعْبُدُ" (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں)

تشریح: قصر، تخصیص اور حصر کے ویسے تو بہت سارے طریقے ہیں، مگر

ان میں سے زیادہ مشہور چار ہیں: پہلا طریقہ نفی اور استثناء کا ہے جیسے کہ "ان هذا الا ملك كريم" (یہ تو کوئی مکرم فرشتہ ہے) یعنی ادوات نفی میں سے کسی بھی ادات اور ادوات استثناء میں سے کسی بھی ادات کے ذریعے استثناء کیا جاسکتا ہے، اور دوسرا طریقہ کلمہ "انما" کا استعمال کرنا ہے جیسے کہ "انما الفاهم علی" (سمجھدار تو بس علی ہے) اس وجہ سے کہ یہ بھی نفی اور استثناء کے معنی کو متضمن ہے، اور تیسرا طریقہ تین حروف عاطفہ یعنی لا، بل اور لکن میں سے کسی ایک کے ذریعے عطف کرنا ہے جیسے کہ "انا ناثر لا ناظم" (میں نثر نگار ہوں شاعر نہیں) یہ عطف بذریعہ "لا" کی مثال ہے، اور کلمہ بل کے ذریعے عطف کرنے کی مثال یہ ہے "ما انا حاسب بل کاتب" (میں حساب نویس نہیں بلکہ ادیب ورائٹر ہوں) اور کلمہ لکن کے ذریعے عطف کرنے کی مثال بھی "بل" کی طرح ہوگی، چنانچہ یہ کہا جائے گا کہ "ما انا حاسب لکن کاتب" یہ مثال مصنفینِ کتاب نے بل کی مثال اور فہم طالب پر اعتماد اور اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں ذکر نہیں کی ہے، پہلی اور دوسری دو مثالوں میں، فرق یہ ہے کہ پہلی میں معطوف علیہ وصفِ مثبت اور معطوف وصفِ منفی ہو رہا ہے بر خلاف دوسری اور تیسری مثال میں معطوف علیہ وصفِ منفی اور معطوف وصفِ مثبت ہو رہا ہے، اور عطف کی ان تینوں مثالوں میں قصرِ موصوف علی صفت (موصوف کو کسی ایک صفت کے ساتھ مخصوص اور منحصر) کیا گیا ہے، اور یہ تینوں مثالیں مخاطب کے حال کے اعتبار سے مختلف ہوں گی یعنی کبھی قصرِ افراد کی ہوں گی اگر یہ مخاطب شرکت بین الشیئین کا اعتقاد رکھنے والا ہو۔ اور کبھی قصرِ تعیین کی ہوں گی، اگر وہ ان دو اشیاء میں تردد کرنے والا ہو۔ اور کبھی قصرِ قلب کی ہوں گی جب کہ وہ بر عکس کا اعتقاد رکھنے والا ہو۔ اور چوتھا طریقہ "تقدیم ما حقه التاخیر" (جس لفظ کو مؤخر کرنے کا حق ہو اسے مقدم کرنا) ہے جیسے کہ "اياك نعبد" (ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں) اس مثال میں

ایاک کو نعبد پر مقدم کیا گیا ہے، حالانکہ اس کا حق مؤخر ہونے کا تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اجزاء جملہ میں سے بعض عامل اور بعض معمول ہوں گے، اور معمول کے مقابلے میں عامل اصل ہوتا ہے، لہٰذا اُسے پہلے اور معمول کو بعد میں لایا جائے، پھر معموات بھی تمام برابر نہیں بلکہ بعض عمدہ ہیں جیسے "فاعل" اسے فضلہ یعنی مفعول پر مقدم کیا جائے، اور فضلہ میں بھی الاہم فالاہم کے قاعدے سے کسی کو مقدم اور کسی کو مؤخر کیا جائے، چنانچہ پہلے فعل پھر فاعل پھر مفعول بہ پھر مفعول مطلق پھر مفعول فیہ پھر مفعول لہ اور ان کے بعد حال، تمیز، استثناء وغیرہ قیودات کو ذکر کیا جائے گا، اس قاعدے کے اعتبار سے دراصل یہ جملہ "نعبدک" کی صورت میں ہونا چاہیے تھا، اور اگر اس طرح ہوتا تو اس کا معنی ہوتا کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں، اور اس صورت میں غیر اللہ سے عبادت کی نفی نہ ہوتی۔ یعنی قصر، حصر اور تخصیص کا فائدہ حاصل نہ ہوتا، اب اگر ہم اس میں یہ معنی پیدا کرنا چاہیں تو "تقدیم ماحقہ التاخیر" کا طریقہ اپنائیں گے اور نعبدک کی ضمیر منصوب متصل کو منفصل کر کے مقدم کریں گے۔

(فائدہ) جیسا کہ ہم نے اس فقرے کے آغاز میں اشارہ کیا کہ عربی زبان میں قصر کے بہت سے طریقے ہیں، اور ان میں سے مشہور چار ابھی آپ نے پڑھے، بقیہ غیر مشہور طریقوں میں سے چند ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ (۱) لفظ "وحدہ" جیسے کہ "نصرنی زید وحدہ" (۲) لفظ "فقط" جیسے کہ "رأیت عمرواً فقط" (۳) لفظ "لاغیر" جیسے کہ "عندی عشرة دنانیر لاغیر" (۴) لفظ "لیس غیر" جیسے کہ "لزید ابن لیس غیر" (زید کا ایک بیٹا ہے اور کوئی نہیں) (۵) لفظ "اختصاص کا مادہ" جیسے کہ کسی جملے میں بالاخص، خصوصاً، نخص منهم بکذا وغیرہ کا استعمال کرنا (۶) لفظ "قصر کا مادہ" جیسے کہ "قصرتُ عملی فی الحدیقة علی ریِّ الازهار" (باغ میں میرا کام تو

صرف پودوں کی آبیاری تک منحصر رہا) (۷) ضمیر منفصل کا مسند اور مسند الیہ کے درمیان استعمال کرنا، جیسے کہ "فالله هو الولی" (اللہ ہی کارساز ہے) (۸) جملے کے دونوں اجزاء کو معرفہ لانا، جیسے کہ "المنطلق زید" (چلنے والا زید ہی ہے) ان کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں، جن کی تفصیل کے لیے "الاتقان فی علوم القرآن" کی جلد رابع اور "جواہر البلاغہ" کی جانب مراجعت فرمائیں۔

البَابُ السَّابِعُ فِي الوَصْلِ والفَصْلِ

الوَصْلُ عَطْفُ جُمْلَةٍ عَلٰى أخرىٰ ، والفَصْلُ تَرْكُهُ، والكلامُ هٰهُنَا قَاصِرٌ عَلَى العَطْفِ بِالوَاوِ لِأنَّ العَطْفَ بِغَيْرِهَا لاَ يَقَعُ فِيْهِ اشْتِبَاهٌ

ساتواں باب ۔ بیان وصل و فصل

وصل کہتے ہیں ایک جملہ کا دوسرے جملے پر عطف کرنے کو اور عطف نہ کرنے کو فصل کہیں گے اور یہاں کلام منحصر ہے عطف بالواو پر کیوں کہ اس کے علاوہ حروف عاطفہ کے ذریعے ہونے والے عطف میں اشتباہ نہیں ہوتا ہے۔

تشریح: (تمہید) جملوں کی ترتیب اور ان کے مابین عطف بالواو (وصل) یا استیناف (فصل) اور پھر عطف کی صورت میں حرف عطف کا اپنی اصلی اور صحیح جگہ میں استعمال کرنے یا ضرورت نہ رہنے پر ان حروف کا استعمال نہ کرنے کا علم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے مگر یہ کام اتنا ہی دشوار بھی ہے، کیونکہ ان امور کو صحیح طور پر تو صرف علم بلاغت سے حصہ وافر اور ذوقِ کلام کی صحیح معرفت پانے والا روشن دماغ شخص ہی سمجھ پاتا ہے، اس لیے کہ اس باب کے مباحث نہایت غامض و دقیق ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم الشان، اور کثیر

الفوائد بھی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ بعض بلغاء سے جب علمِ بلاغت کی تعریف پوچھی گئی تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بلاغت نام ہے "معرفۃ الوصل والفصل" (وصل وفصل کی حقیقت اور ان کے مواضع کی پوری جانکاری حاصل کرنے) کا۔ تاہم یہاں عطف جملہ علی جملہ (وصل) اور ترک عطف (فصل) کی تعریف اور دونوں کے استعمال کے مواقع سے متعلق چند موٹی موٹی باتیں ذکر کی جارہی ہیں۔

چنانچہ وصل کہتے ہیں ایک جملے کا دوسرے جملے پر دس حروف عاطفہ میں سے کسی عاطف کے ذریعے عطف کرنے کو اور فصل کہتے ہیں عطف نہ کرنے کو، مگر یہاں علمِ بلاغت میں صرف عطف بالواو سے متعلق کلام کیا جارہا ہے، اس کے علاوہ باقی ماندہ نو حروفِ عاطفہ سے کوئی بحث نہیں کی جاتی ہے (اگرچہ ان کے ذریعے عطف کیے جانے والے دو جملوں کو بھی ہم وصل ہی کہیں گے) کیونکہ تمام حروفِ عطف میں سے صرف واو ہی ایک ایسا اداتِ عطف ہے جس کے استعمال میں اشتباہ ہے، اور اس کے مواقعِ استعمال بیان کرنے کی ضرورت رہتی ہے، اور اس کے استعمال میں فہم لطیف اور ادراکِ دقیق کی ضرورت رہے گی، کیونکہ یہ حرف تو صرف حکم اعراب میں اپنے مابعد کو ما قبل میں شریک اور اس سے مربوط کرنے کا فائدہ دیتا ہے، اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ برخلاف دوسرے ادواتِ عطف کے، کہ وہ تشریک مابعدہا لما قبلہا فی حکم الاعراب کا فائدہ تو دیتے ہی ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ دوسرے زائد معانی کا بھی فائدہ دیتے ہیں کہ کلمہ "فا" تشریک کے ساتھ ترتیب، مع التعقیب اور کلمہ "ثم" تشریک کے ساتھ ساتھ ترتیب مع التراخی کا بھی فائدہ دیتے ہیں اور جب ان کے معانی زائدہ واضح ہیں تو ان کے فوائد بھی واضح اور ظاہر ہوں گے اور ان کے طریقۂ استعمال میں کوئی خفاء اور اشتباہ واقع نہ ہوگا، اور جب ان میں اشتباہ نہیں اور ان کا ذکر کتبِ نحو و اصولِ فقہ میں آپ

پڑھ چکے ہیں لہٰذا عطف بغیر الواو کوذکر نہیں کیا گیا، پھر بھی اگر ذکر کیا جائے تو تحصیلِ حاصل اور خارج از موضوعِ بلاغت ہوتا، یہ وجہ ہوئی بلغاء کے صرف "عطف بالواو" سے بحث کرنے اور "عطف بالبواقی" سے بحث نہ کرنے کی۔ آگے وصل اور فصل میں سے ہر ایک کے مواقع کو کر ذکر کیا جارہا ہے۔

وَلِكُلٍّ مِنَ الوَصْلِ بِهَا وَالفَصْلِ مَوَاضِعُ.

﴿ مَوَاضِعُ الوَصْلِ بِالوَاوِ ﴾ يَجِبُ الوَصْلُ فِي مَوْضِعَيْنِ.

الأَوَّلُ إِذَا اتَّفَقَتِ الجُمْلَتَانِ خَبَرًا أو إِنْشَاءً وَ كَانَ بَيْنَهُمَا جِهَةٌ جَامِعَةٌ. أَيْ مناسَبَةٌ تَامَّةٌ وَ لَمْ يَكُنْ مَانِعٌ مِنَ العَطْفِ نَحوُ "إِنَّ الأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ" و اِنَّ الفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ" و نَحو "فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً و لْيَبْكُوا كَثِيْرًا".

اور وصل بالواو اور فصل دونوں میں سے ہر ایک کے الگ الگ مواقع ہیں

﴿وصل بالواو کے مواقع﴾ وصل کرنا دو جگہوں میں ضروری ہے۔

پہلی جگہ وہ ہے جہاں دو جملے خبریہ یا انشائیہ ہونے کے اعتبار سے متفق ہوں اور ان دونوں کے درمیان کوئی جامع جہت یعنی مناسبتِ تامہ پائی جائے اور مانع عطف کوئی سبب موجود نہ ہو جیسے کہ "اِنَّ الأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَ اِنَّ الفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ" (بے شک نیک لوگ بہشت میں ہیں اور بے شک گنہگار لوگ دوزخ میں ہیں) اور جیسے کہ "فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً وَ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا" (سو وہ ہنس لیویں تھوڑا اور رو دیں بہت سا)

تشریح: دو جگہیں ایسی ہیں جہاں ایک جملے کو دوسرے پر "واو" کے ذریعے عطف کرنا واجب ہے، ان میں سے پہلی جگہ یہ ہے کہ وہ دونوں جملے خبریہ اور انشائیہ ہونے کے اعتبار سے متفق ہوں کہ دونوں یا تو خبریہ ہوں یا انشائیہ، اور موانعِ عطف (جن کا ذکر مواضعِ فصل میں آرہا ہے) میں سے کوئی مانع بھی موجود نہ ہو، اور پھر ان دونوں کے درمیان کوئی ایسی جہت

موجود ہو جو دونوں کو اکٹھا کرنے والی ہو، یعنی ان میں کامل مناسبت پائی جائے، جہت جامعہ اور مناسبتِ تامہ سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں جملوں میں کوئی ایک ایسا امر پایا جائے جس کی وجہ سے عقل قوتِ مفکرہ میں ان دونوں کے اجتماع کا تقاضا کرے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے، جب کہ دونوں کے مسند اور مسند الیہ میں اتحاد، تماثل، تقابل یا تضایف پایا جائے، اتحاد سے مراد یہ ہے کہ دو نظیر میں سے ہر ایک ایک دوسرے کا عین ہو، جیسے کہ "زیدٌ یعطی و یمنع" کہ یعطی اور یمنع دونوں کا مسند الیہ ایک ہی شخص یعنی زید ہے، اور تماثل سے مراد یہ ہے کہ ایک وصف دونوں نظیروں کو عام ہو، جیسے کہ "زیدٌ شاعرٌ و عمرو کاتب" ان دونوں جملوں کے مسند الیہ یعنی زید اور عمرو میں تماثل ہے، وہ اس طرح کہ یہ دونوں مثلاً بھائی ہیں، یا دوست ہیں، اور ان دونوں کو ایک وصف یعنی وصف اخوت یا صداقت عام ہوا، اس طرح دونوں میں تماثل کی نسبت پائی گئی، اور تقابل سے مراد یہ ہے کہ دونوں نظیروں میں سے ہر ایک ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہو، جیسے کہ "حضر سعید وذہب اخوہ" ان دونوں جملوں کے مسند میں تقابل ہے۔

اور تضایف سے مراد یہ ہے کہ دونوں نظیروں میں سے ہر ایک کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف ہو، یعنی جب ایک کا تصور آئے گا تو لازماً دوسرے کا تصور بھی آجائے گا جیسے کہ علت و معلول، اقل و اکثر، علو و سفل، ابوت و بنوت، اور محبیّت اور محبوبیت کے درمیان نسبتِ اضافی موجود ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ "ابو زید یکتب و ابنہ یشعر" (ابوزید انشاپردازی کرتا ہے اور ابوزید کا بیٹا شاعری کرتا ہے) ان دونوں جملوں کے مسند الیہ یعنی ابوزید اور ابنہ کے درمیان مناسبتِ تضایف اور نسبتِ اضافی ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے جواہر البلاغہ ص: ۱۷۰، سفینۃ البلغاء کا قدیم نسخہ ص: ۲۹ جدید نسخہ ص: ۷۳ اور المنہاج الواضح جلد دوم۔)

جہت جامعہ اور مناسبتِ تامہ کی اس تھوڑی سی وضاحت کے بعد کتاب میں دی گئی دو مثالوں کو سمجھ لیا جائے کہ ان میں سے پہلی مثال "ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم" جملہ خبریہ کی ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف دونوں خبر کے اعتبار سے متفق ہیں اور ان دونوں میں مناسبتِ تامہ بھی پائی گئی ہے کہ ان دونوں کے مسند الیہ یعنی ابرار اور فجار میں اسی طرح ان کے مسند یعنی نعیم اور جحیم میں تقابل اور تضاد کی نسبت ہے اور ان دونوں جملوں میں کوئی مانعِ عطف نہیں پایا گیا ہے جب یہ تینوں شرطیں پائی گئیں تو ان دونوں کے درمیان کلمۂ واو کے ذریعے عطف کیا گیا اور دوسری مثال "فلیضحکوا قلیلا و لیبکوا کثیرا" جملہ انشائیہ کی مثال ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف دونوں انشاء کے اعتبار سے متفق ہیں اور ان میں بھی سابقہ مثال کی طرح مسند الیہ یعنی "ھم" ضمیر مذکر غائب اور اسی طرح ان کے مسند یعنی لیضحکوا اور لیبکوا میں تقابل اور تضاد کی نسبت ہے، اور کوئی مانعِ عطف نہیں پایا گیا، یہاں بھی تینوں شرطوں کی موجودگی کی وجہ سے کلمۂ واو کے ذریعے عطف کیا گیا۔

الثَّاني إذَا أوْهَمَ تَرْكُ العَطْفِ خِلَافَ الْمَقْصُودِ كَمَا إذَا قُلتَ: "لاَ وَ شَفَاهُ اللّٰهُ"، جَوابًا لِمَنْ يَسألُكَ هَلْ بَرِئَ عَلِيٌّ مِنَ المَرَضِ فَتَرْكُ الوَاوِ يُوهِمُ الدُعَاءَ عَلَيْهِ و غَرَضُكَ الدُّعَاءُ لَهُ

دوسری جگہ وہ ہے کہ جہاں عطف نہ کرنے سے مقصود کے خلاف کا وہم دلائے جیسا کہ تو کہے **"لاَ وشَفَاهُ اللّٰهُ"** (نہیں اور اللہ اسے شفاء دیوے) اس آدمی کے جواب میں جس نے یہ پوچھا کہ **"هَلْ بَرِئَ عَلِيٌّ مِنَ المَرَضِ"** (کیا علی بیماری سے صحت یاب ہو گیا) یہاں واو کو نہ لانے کی وجہ سے بد دعاء کا وہم ہوتا حالانکہ تیرا مقصد تو اس کے لیے دعاء خیر کرنا ہے۔

تشریح: وصل کی دوسری جگہ یہ ہے کہ دو جملوں میں کمالِ انقطاع ہو کہ ایک خبر یہ اور ایک انشائیہ ہو یا دونوں خبر یا انشاء ہونے کے اعتبار سے تو متفق ہوں مگر ان میں کوئی بھی معنوی مناسبت نہ ہو (ان دونوں باتوں کا تقاضا یہ تھا کہ ان میں فصل کیا جائے) مگر ان دونوں میں اگر وصل نہ کیا جائے اور فصل کیا جائے تو مرادِ متکلم اور مقصودِ کلام کے خلاف معنیٰ کا وہم پیدا ہو جائے تو ایسے وقت بھی وصل کرنا ضروری ہوگا، جیسے کہ اگر کسی نے آپ سے پوچھا کہ "ھَل برئ علی من المرض" (علی اپنی بیماری سے شفایاب ہو گیا؟) اور آپ اس کا جواب نفی میں دینا چاہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی شفایابی کی دعاء بھی دینا چاہیں تو آپ یوں کہیں گے "لا وشفاہ اللّٰہ" (وہ صحت یاب نہیں ہوا ہے اور اللہ اسے اچھا کر دے) دیکھیے اس مثال میں دو جملے ہیں، ایک جملہ "لا" کی صورت میں ہے یعنی کلمۂ "لا" ایک جملہ خبر یہ کے قائم مقام ہے کیونکہ اس کی تقدیری عبارت "لا بُرء حاصل لعلی" (علی کے لیے شفا حاصل نہیں ہوئی ہے) اور دوسرا جملہ شفاہ اللہ (اللہ اسے شفاء دے) کی صورت میں جملہ انشائیہ ہے، ان دو جملوں میں اس قسم کا تعلق ہے کہ اگر دونوں جملوں میں بجائے وصل کے فصل کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ "لا شفاہ اللہ" تو معنی ہو جائے گا کہ اللہ اسے شفاء نہ دے، اور اس صورت میں مقصودِ متکلم کے برخلاف معنی ہو جائے گا، کیونکہ متکلم تو اسے دعاءِ خیر دینا چاہتا ہے اور یہاں اس کلام کا معنی بددعاء ہو جائے گا لہٰذا اس وہم سے بچنے کے لیے وصل (عطف بالواو) کرنا ضروری ہوگا، ہاں اگر دو جملے ایسے ہوں جن میں عطف نہ کرنے کی وجہ سے مقصود متکلم کے خلاف کا وہم نہ ہو رہا ہو تو پھر فصل کرنا ضروری ہو جائے گا، جیسے کہ یوں کہا جائے کہ "سافر زید سلمہ اللہ" (زید نے سفر کیا اللہ اسے سلامت رکھے) یہاں بھی پہلی مثال کی طرح ہی ایک خبر یہ اور دوسرا انشائیہ ہے مگر ان کے باہم ایسا تعلق نہیں کہ مقصودِ متکلم کے خلاف کا وہم

ہو رہا ہو، لہذا بیچ میں واو نہیں لائیں گے بلکہ ترکِ عطف کریں گے۔

﴿ مَوَاضِعُ الفَصْلِ ﴾ يَجِبُ الفَصْلُ فِي خَمْسَةِ مَوَاضِعَ.

الأَوَّلُ أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الجُمْلَتَيْنِ اتِّحَادٌ تَامٌّ بِأَنْ تَكُونَ الثَّانِيَةُ بَدَلاً مِنَ الأُولَى نَحْو "أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَ بَنِيْنِ" أَوْ بِأَنْ تَكُونَ بَيَانًا لَهَا نحوُ " فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الخُلْدِ"، أَوْ بِأَنْ تَكُونَ مُؤَكِّدَةً لَهَا نَحوُ "فَمَهِّلِ الكَافِرِيْنَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا" وَ يُقَالُ فِي هٰذَا المَوْضِعِ إِنَّ بَيْنَ الجُمْلَتَيْنِ كَمَالَ الاتِّصَالِ۔

﴿ مواقع فصل ﴾ پانچ جگہوں میں فصل کرنا ضروری ہے۔

پہلی جگہ وہ ہے جہاں دو جملوں کے درمیان اتحادِ تام ہو اس طرح کہ دوسرا جملہ پہلے کا بدل ہو جیسے کہ "اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَ بَنِيْنِ" (اس نے تمہاری امداد کی ایسی چیزوں کے ذریعے جو تم جانتے ہو امداد کی تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے) یا اس طرح کہ دوسرا پہلے کے لیے بیان ہو جیسے کہ "فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الخُلْدِ" (پھر اس کے جی میں ڈالا شیطان نے کہا اے آدم کیا میں بتاؤں تجھے سدا رہنے کا درخت) یا اس طرح کہ دوسرا پہلے کے لیے تاکید ہو جیسے کہ "فَمَهِّلِ الكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا" (سو ڈھیل دے منکروں کو ڈھیل دے ان کو تھوڑے دنوں)۔ اور اس جگہ یوں کہا جائے گا کہ دو جملوں کے مابین کمال اتصال ہے

تشریح: جن پانچ جگہوں میں فصل کرنا ضروری ہے ان میں سے پہلی جگہ یہ ہے کہ دو جملوں میں ایسا کامل اتحاد ہو کہ دونوں میں سے ایک بدل اور دوسرا مبدل منہ یا ایک بیان اور دوسرا مبین یا ایک تاکید اور دوسرا مؤکد ہو رہا ہو، بدل اور مبدل منہ کی مثال یہ ہے کہ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "امدّکم بما

تعلمون امدکم بانعام و بنین" (اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی نعمتوں سے نوازا جنہیں تم جانتے ہو، اس نے تمہیں مویشیوں اور بیٹوں سے نوازا) اس مثال میں دوسرا جملہ بدل اور پہلا اس کا مبدل منہ ہے۔ اور بیان اور مبین کی مثال ہے جیسے کہ "**فوسوس إليه الشيطان قال يا آدم هَلْ ادلك على شجرة الخلد**" (پھر شیطان نے ان کو بہکایا کہنے لگا کہ آدم کیا میں تم کو ہیشگی کی خاصیت کا درخت بتلادوں کہ اس کے کھانے سے تم ہمیشہ شاد و آباد رہو) اس مثال میں قال یا آدم سے آخر آیت تک بیان ہے آیت کے پہلے ٹکڑے یعنی "**فوسوس الیہ الشیطان**" کا۔ اور وہ اس کا مبین ہوا کہ وسوسہ کس چیز کا تھا؟ وہ وسوسہ کسی دوسری برائی یا گناہ کا نہیں بلکہ ایک مخصوص گناہ یعنی اکلِ شجرۂ ممنوعہ تھا۔ اور تاکید و مؤکد کی مثال یہ ہے جیسے "**فمهل الكفرين امهلهم رويدا**" (اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب میں ان مکار کافروں کے خلاف تدبیریں کر رہا ہوں تو آپ ان کافروں کو ان کے حال پر یوں ہی رہنے دیجیے اور زیادہ دن نہیں بلکہ تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجیے) اس مثال میں "**امهلهم**" تاکید ہے، پہلے جملے "مهل" مؤکد کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن دو جملوں میں بدل یا تاکید یا بیان وغیرہ کے لحاظ سے مکمل اتحاد ہو تو ایسی تمام صورتوں کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ ان دو جملوں میں کمال اتصال ہے۔

اَلثَّانِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ تَبَايُنٌ تَامٌّ بِأَنْ يَخْتَلِفَا خَبَرًا أَوْ إِنْشَاءً كَقَوْلِهِ

وَقَالَ رَائِدُهُمْ أَرْسُوْا نُزَاوِلُهَا فَحَتْفُ كُلِّ امْرِئٍ يَجْرِيْ بِمِقْدَارِ

أَوْ بِأَنْ لَا يَكُونَ بَيْنَهُمَا مُنَاسَبَةٌ فِي الْمَعْنَى كَقَوْلِكَ "عَلِيٌّ كَاتِبٌ الْحَمَامُ طَائِرٌ" فَإِنَّهُ لَا مُنَاسَبَةَ فِي الْمَعْنَى بَيْنَ كِتَابَةِ عَلِيٍّ وَ طَيَرَانِ الْحَمَامِ، وَ يُقَالُ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ: إِنَّ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ كَمَالَ

الانقطاع.

دوسری جگہ وہ ہے جہاں دو جملوں کے درمیان تباینِ تام (پورا پورا تضاد) ہو اس طرح کہ دونوں جملے خبریہ اور انشائیہ کے اعتبار سے مختلف ہوں جیسے کہ شاعر کا قول۔

وَقَالَ رَائِدُهُمْ اَرْسُوْا نُزَاوِلُهَا فَحَتْفُ كُلِّ امْرِئٍ يَجْرِيْ بِمِقْدَارِ

"ان کے نمائندے نے کہا یہیں ٹھہر جاؤ ہم ان سے قتال کریں گے،
کیونکہ ہر نفس کی موت تو اپنے وقت پر آکر رہے گی"

یا اس طرح کہ ان کے مابین معنوی مناسبت نہ ہو جیسے کہ تو یوں کہے "عَلِيٌّ كَاتِبٌ الْحَمَامُ طَائِرٌ" (علی انشاء پرداز ہے کبوتر ایک پرندہ ہے) پس علی کے انشاء پرداز ہونے اور کبوتر کے اڑنے والا ہونے کے لحاظ سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور اس جگہ کہا جائے گا کہ ان دو جملوں کے درمیان کمالِ انقطاع ہے۔

تشریح: مواضعِ فصل میں سے دوسری جگہ یہ ہے کہ دو جملوں میں ایسا کامل تباین اور تضاد ہو کہ ان میں سے ایک اگر جملہ خبریہ ہو تو دوسرا انشائیہ ہو یا خبر اور انشاء کے اعتبار سے تو تباین نہ ہو (بلکہ توافق ہو) مگر ان کے مابین معنوی اعتبار سے کوئی بھی مناسبت نہ ہو، دو جملوں میں خبر و انشاء کے اعتبار سے اختلاف کی صورت میں ہونے والے کامل تباین کی مثال شاعر کا یہ شعر ہے۔

"وقال رائدهم أرسلوا نزاولها فحتف كل امرئ يجري بمقدار

(ان کے رہنما نے کہا کہ یہیں رک جاؤ ہم ان سے لڑیں گے، سو ہر شخص کی موت اپنی میعاد پر ہی آکر رہنے والی ہے) اس مثال میں جملہ "ارسوا" (تم ٹھہر جاؤ) اور جملہ "نزاولہا" (ہم ان سے قتال کریں گے) میں خبر اور انشاء کے لحاظ سے تباینِ تام ہے، کہ پہلا انشائیہ ہے جب کہ دوسرا خبریہ۔ اس وجہ سے ان دونوں کے درمیان واو عاطفہ نہیں لایا گیا بلکہ فصل کیا گیا ہے، اور تباینِ تام کی

دوسری صورت یعنی دونوں جملوں کے درمیان معنوی اعتبار سے کوئی بھی مناسبت نہ پائے جانے کی مثال یہ ہے جیسے کہ کہا جائے "عليٌّ كاتب الحمامُ طائر" (علی رائٹر ہے اور کبوتر اُڑنے والا جانور ہے) یہ دو جملے من حیث الخبر تو متفق ہیں، مگر ان میں معنوی لحاظ سے کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ علی کے انشاء پرداز ہونے اور کبوتر کے پرندہ ہونے کے درمیان کیا نسبت؟ اگر دو جملوں میں مذکورہ بالا دونوں نسبتوں کے اعتبار سے تباین کامل ہے، تو ان دو جملوں کے بارے میں یوں کہا جائیگا کہ ان میں کمالِ انقطاع ہے۔

الثَّالِثُ كَوْنُ الجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ جَوَابًا عَنْ سُؤَالٍ نَشَأَ مِنَ الجُمْلَةِ الأُوْلٰى كَقَوْلِه

زَعَمَ العَواذِلُ أَنَّنِيْ فِي غَمْرَةٍ صَدَقُوْا ولٰكِنْ غَمْرَتِيْ لا تَنْجَلِيْ

كَأَنَّهُ قِيْلَ أَصَدَقُوا فِي زَعْمِهِمْ أَمْ كَذِبُوا فَقَالَ صَدَقُوا، و يُقَالُ بَيْنَ الجُمْلَتَيْنِ شِبْهُ كَمَالِ الاتِّصَالِ.

تیسری جگہ وہ ہے جہاں دوسرا جملہ ایک ایسے سوال کا جواب بنے جو پہلے جملے سے پیدا ہوا ہو جیسے کہ شاعر کا قول۔

زَعَمَ العَواذِلُ أَنَّنِيْ فِي غَمْرَةٍ صَدَقُوْا ولٰكِنْ غَمْرَتِيْ لا تَنْجَلِيْ

"ملامت کرنے والی جماعت نے کہا کہ میں پریشانی میں ہوں

ہاں انھوں نے سچ کہا مگر میری پریشانی دور ہونے والی نہیں"

گویا کہ یوں پوچھا گیا کہ کیا ان کا خیال درست ہے یا غلط؟ تب اس نے کہا ہاں ان کا خیال درست ہے۔ اور اس جگہ یہ کہا جائے گا کہ ان دو جملوں کے مابین شبہ کمالِ اتصال ہے۔

تشریح: مواضع فصل میں سے تیسری جگہ یہ ہے کہ دوسرے جملے کا پہلے جملے سے پیدا ہونے والے کسی سوال کا جواب بننے کی وجہ سے ان دونوں میں اس قدر گہرا ربط پیدا ہو گیا ہو کہ گویا وہ ایک جملے کی طرح ہو گئے ہوں، اور یہی

ناقض مانتے ہیں اور بعض روایات سے استدلال کرتے ہیں جبکہ جمہور کا کہنا ہے کہ اس طرح کی روایتیں یا تو منسوخ ہیں یا ان سے مراد وضوء لغوی یعنی ہاتھ دھولینا اور کلی کر لینا ہے، یہ حدیث بھی جمہور کی تائید کرتی ہے۔

(۱۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ اَكَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِوَاءً فِى الْمَسْجِدِ ۔

عبداللہ بن حارث کی روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بھنا گوشت کھایا ہے۔

تشریح معلوم ہوا کہ مسجد میں کھانا پینا جائز ہے اکیلے یا جماعت کے ساتھ، شرط یہ ہے کہ وہاں گندگی نہ پھیلے ورنہ مکروہ ہوگا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بیان حالت اعتکاف کا ہو ایسی صورت میں مسجد میں کھانا پینا لازمی ہوگا، اور یہ خلافِ اولیٰ بھی نہیں، یا ممکن ہے آپ نے ایسا اس لئے فرمایا ہو تاکہ جواز ظاہر ہو۔

(۱۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ اَنْبَاَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ اَبِى صَخْرَةَ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَاُتِىَ بِجَنْبٍ مَشْوِيٍّ ثُمَّ اَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ فَحَزَّ لِى بِهَا مِنْهُ قَالَ فَجَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَاَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَا لَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ قَالَ وَكَانَ شَارِبُهُ قَدْ وَفَى فَقَالَ لَهُ اُقُصُّهُ لَكَ عَلَى سِوَاكٍ اَوْ قُصَّهُ عَلَى سِوَاكٍ ۔

مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہمان بنا تو بھنا ہوا گوشت لایا گیا تو آپ نے ایک چاقو لیا اور اس سے

گوشت کاٹ کر مجھے عنایت فرمایا، اتنے میں حضرت بلال نے نماز کی اطلاع دی، آپؐ نے چاقو رکھ دیا اور فرمایا اس کے ہاتھ خاک آلود ہوں، مغیرہ کہتے ہیں کہ میری مونچھ بڑھ رہی تھی تو آپ نے فرمایا لاؤ تمہاری مونچھ مسواک رکھ کر کاٹ دوں یا یہ فرمایا کہ مونچھ کو مسواک رکھ کر کاٹ دو۔

تحقیق

ضِفتُ :۔ ای صرت ضیفا، مہمان بنا۔ اضافۃ۔ مہمان بنانا۔

الشَّفرۃ :۔ بفتح الشین وسکون الفاء، چھری، چاقو۔

فَحَزّ :۔ حَزٌّ کاٹنا، ٹکڑے کرنا۔ (ن)

بہا منہ :۔ ھا کی ضمیر کا مرجع الشفرۃ اور منہ کا مرجع الجنب المشوی۔

یؤذن :۔ ایذان باب افعال سے اطلاع دینا، خبر کرنا۔ تاذین باب تفعیل سے ہو تو مطلب ہوگا نماز کے وقت کی اطلاع دینا۔

تربت یداہ :۔ ہاتھ مٹی میں آلودہ ہوں، عربوں میں عام طور پر اسکا اطلاق کسی کیلئے فقر ومحتاجی کے لئے کیا جاتا ہے، یہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کو تنبیہ اور توبیخ کر رہے ہیں کہ ابھی تو نماز میں وقت ہے مہمان کی رعایت بھی ہونی چاہئے تھی ایسے وقت میں اطلاع دی کہ کھانے سے مہمان کو اٹھنا پڑ رہا ہے۔

اقصہ : قَصٌّ باب نصر سے کاٹنا، تراشنا، کترنا، چھوٹے کرنا

علی سواک : مسواک پر یعنی مسواک مونچھ کے نیچے رکھ کر چھری یا قینچی سے اوپر سے کتر دیا جائے

تشریح

حضرت مغیرہ آنحضورؐ کے ساتھ مہمان بنے اس کا کیا مفہوم ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ آنحضور میرے مہمان بنے، اس کو محدثین اور شراح غلط کہتے ہیں، دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ میں آپؐ کا مہمان بنا، ابوداؤد کی ایک روایت میں اسی کی وضاحت ہے، اور قرائن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، قاضی اسماعیل کہتے ہیں کہ یہ دعوت ضباعۃ بنت زبیر یعنی آنحضور کے چچا کی لڑکی کے یہاں تھی، ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ دعوت امیر المومنین حضرت میمونہ کے گھر تھی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے گوشت چھری سے کاٹ کر مغیرہ کو کھلائی

اور دوسری طرف روایتیں وارد ہیں جس میں چھری کے استعمال کی (کھاتے ہوئے) ممانعت آئی ہے، تو اس سلسلہ میں مختصراً اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ضرورت ہو تو چھری کا استعمال بہر حال جائز ہوگا، عام حالات میں تشبہ بالکفار کی وجہ سے ممانعت ہوگی۔

ایک چیز مونچھ کترنے کی بھی ہے، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مونچھ کے بال کم کرنے کو فرمایا ہے جڑ سے کاٹنے یعنی حلق کرنے کو نہیں، اس بارے میں ابن حجر کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا افضل مونچھ صاف کرنا ہے یا کم کرنا، ایک قول یہ ہے کہ اس کا حلق ہونا افضل ہے جیسا کہ بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے اور بیشتر علماء یہ کہتے ہیں کہ مونچھ کو کترنا افضل ہے امام مالک خاص طور پر حلق کی مخالفت کرتے ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ مونچھوں میں احفاء نہ کیا جائے بلکہ اس حد تک ہو کہ ہونٹوں کی سرخی اور اس کا کنارہ ظاہر ہو جائے، بہر حال صحابہ کرام کا معمول دونوں طرح کا رہا ہے۔

(۱۶) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ اَبِيْ حَيَّانَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهٗ فَنَهَشَ مِنْهَا۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت آیا تو آپ کو اس کا بازو والا حصہ دیا جو آپ کو پسند بھی تھا آپ نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا۔

تحقیق

الذراع :۔ بازو، دست، بونگ، یہاں مراد وہ حصہ ہے جو انگلیوں سے قریب والا ہے۔

فنهش :۔ بالسین المہملۃ والشین المعجمۃ۔ نہس کے معنی گوشت کو دانتوں کے کنارے سے کاٹنا، اور نہش کے معنی مکمل دانتوں سے کھانا، مفہوم بہر حال دونوں کا ایک ہی ہوگا کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھانا، ہڈی میں سے گوشت کو دانتوں سے چھڑانا۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت بھی مرغوب تھا، اور جانور کے اس حصہ کا خاص طور پر جو بونگ کہلاتا ہے کہ یہ زود ہضم بھی ہوتا ہے، آپؐ نے اسے دانتوں سے کاٹ کر کھایا بھی ہے اور ترغیب بھی دی ہے، البتہ مسلّم اعضاء کو چھری سے کاٹ کر کھانے کی اجازت بھی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے والی حدیث میں گذر چکا ہے یا اور روایتیں ہیں۔ البتہ دانتوں سے کاٹ کر کھانے میں نہ تکلف ہے نہ تکبر کا اظہار اور نہ تشبہ بالکفار۔

(۱۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ عَنْ زُهَيْرٍ يَعْنِيْ ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ سَعْدِ بْنِ عَيَّاضٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ قَالَ وَسُمَّ فِي الذِّرَاعِ وَكَانَ يُرٰى اَنَّ الْيَهُوْدَ سَمُّوْهُ ۔

ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذراع کا گوشت پسند تھا، کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ذراع میں زہر دیدیا گیا، خیال کیا جاتا ہے کہ یہودیوں نے ذراع کو زہر آلود کیا تھا۔

تشریح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح خیبر کے بعد ایک یہودی عورت نے کھانے کی دعوت دی اور گوشت میں زہر ملا دیا خاص طور پر بونگ میں جو آنحضورؐ کو مرغوب تھا، اور آپ کو پیش کر دیا گیا، ابن حجر کہتے ہیں کہ آپ کو حضرت جبرئیلؑ نے اس کی خبر دیدی تھی تو آپ نے اسے چھوڑ دیا، اسلئے فوری طور پر کوئی نقصان نہیں ہوا، مگر بخاری اور ابوداؤد کی روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے اور آپؐ کے بعض اصحاب نے اس میں تناول فرمایا، ایک صحابی حضرت بشر بن براء کا اس زہر سے انتقال ہوا، تو آپ نے پھر فوراً ہی فرمایا تھا کہ مجھے اس میں زہر محسوس ہو رہا ہے اس لئے کھانا چھوڑ دو، بعد میں یہودیوں نے اس کا اقرار بھی کر لیا۔

اس واقعہ کی جانب سے اس روایت میں اشارہ ہے، اور گو کہ ایک یہودی عورت نے یہ زہر دیا تھا مگر اس میں دوسرے یہودیوں کی سازش اور مشورہ شامل تھا، اسلئے یہ کہا گیا کہ یہودیوں نے زہر ملایا تھا، اس زہر ہی کا اثر تھا جو وصال نبوی کے وقت ظاہر ہوا تھا۔

اور حضرت ابن مسعود نے یہ فرمایا کہ گمان ہے یہودیوں نے زہر دیا ہے تو غالبا ان کو حتمی طور پر واقعہ نہ معلوم ہوسکا اسلئے انھوں نے یہ لفظ کہا ورنہ حقیقت یہی تھی کہ ان الیھود قد سموہ۔

(۱۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَنَاوَلْتُهُ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ ۔

حضرت ابو عبید کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہانڈی پکائی اور آپ کو ذراع پسند تھا تو میں نے آپ کی خدمت میں ذراع پیش کیا، آپ نے فرمایا کہ اور ذراع دو میں نے پھر پیش کی، آپ نے تیسری مرتبہ بھی طلب فرمایا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک بکری کے اور کتنے ذراع ہوں گے، تو آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم خاموشی سے مجھے ذراع دیتے رہتے تو جب تک میں طلب کرتا تم دیتے رہتے ۔

تحقیق ناولتہ: باب مفاعلت سے بمعنی اعطیتہ دینا، پیش کرنا، اسی سے ہے ناولنی مجھے دو۔

سکتّ: تم چپ رہتے از باب نصر، خاموش رہنا یعنی اگر تم تعجب نہ کرتے اور میری طلب پر دیتے رہتے۔

تشریح حضرت ابو عبید نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور ایک بکری ذبح کر کے پکائی، اس میں دو بونگ تھے وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے تیسری کی فرمائش پر وہ تعجب سے بولے کہ یا رسول اللہ ایک بکری میں تو دو ہی ذراع ہوتے ہیں اس سے زیادہ اور کیسے آئیں گے۔ اس پر آپ نے جو ارشاد فرمایا وہ آپ کے معجزہ کی نشاندہی کرتا ہے

کہ اگر حضرت ابو عبید خاموشی سے برتن میں ہاتھ ڈال کر بونگ نکالتے رہتے تو نکلتا ہی چلا جاتا اور یہ صرف آپ کے معجزہ سے ہوتا، اس طرح کے غیر معمولی اور خارق عادات معمولات کا ظہور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہا ہوا ہے کہ کھانے پینے کے معاملہ میں اتنا کچھ سامنے آیا اور اتنی برکت ہوئی جو ایک انسانی عقل بظاہر تسلیم نہیں کرسکتی مگر آپ کے معجزہ کے طور پر یہ ظاہر ہوا اس سلسلہ میں صحیح ترین روایتیں وارد ہوئی ہیں۔

(۱۹) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبَّادٍ يُقَالُ لَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَتِ الذِّرَاعُ أَحَبَّ اللَّحْمِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنَّهُ كَانَ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غِبًّا وَكَانَ يَعْجَلُ إِلَيْهَا لِأَنَّهَا أَعْجَلُهَا نُضْجًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذراع کا گوشت (اتنا زیادہ) مرغوب نہیں تھا مگر یہ کہ گوشت انھیں کبھی کبھار ہی ملتا تھا اس لیے اس ذراع کو جلد اختیار کرتے تھے کہ وہ دوسرے گوشت کے مقابلہ میں جلد پک جاتا ہے (اور گل جاتا ہے)

تحقیق

غِبًّا:۔ گاہے بگاہے، کبھی کبھی، وقفہ وقفہ سے، یوما بعد یوم

یَعْجَلُ:۔ بفتح الجیم، یسرع کے مفہوم میں جلدی کرنا

نُضْجًا:۔ نُضْج (ف) پکنا۔

تشریح

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ گوشت کھانا میسر نہیں تھا، کبھی کبھی ملتا تھا اور اس میں بھی بونگ کا گوشت اختیار فرماتے تھے اس لیے نہیں کہ وہ بہت زیادہ مرغوب ہے بلکہ اس لئے کہ یہ گوشت جلدی گل جاتا ہے اور اس کو جلد کھا کر فراغت حاصل ہوجاتی ہے، آپ کھانے سے جلدی فارغ ہو کر ضروری

امور میں مشغول ہوجانا پسند فرماتے تھے، کھانے میں زیادہ وقت صرف کرنا مناسب نہیں جانتے تھے

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور کو ذراع کا گوشت کچھ اتنا زیادہ مرغوب نہیں تھا جب کہ دوسری روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ آپ کو پسند تھا، اس سلسلہ میں ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی دانست میں ہے ورنہ تو حدیثیں وارد ہیں کہ آپ کو پسند تھا خواہ آپ کو گوشت دستیاب ہوتا ہو یا نہ ہوتا، اور غالباً حضرت عائشہؓ کا مقصود یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف یہ بات ہوگی کہ آپ کی طبیعت کسی خاص لذیذ چیز کی جانب راغب ہو، البتہ اگر اس کی ایک وجہ تھی تو صرف یہ کہ یہ گوشت جلد گل جاتا ہے اور کھانے میں وقت کم صرف ہوتا ہے، اور اگر یہ فرض کریں کہ گوشت کا کوئی حصہ آپ کو زیادہ پسند تھا تو یہ طبعی لحاظ سے کوئی غلط بھی نہیں، غلط تو یہ ہوتا کہ آپ مکمل طور پر کسی چیز کی جانب راغب ہوتے اور اس کے حصول کے لئے کوشاں رہتے۔

ایک بات قابل توجہ یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذراع کے علاوہ گردن یا پشت کا گوشت بھی اسی درجہ پسند تھا اور اس کی پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ اس میں وقت کم صرف ہوتا، زود ہضم ہوتا اور معدہ میں گرانی نہیں ہوتی تھی، اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایسی غذا بہتر ہوتی ہے جو مفید ہو، طاقت پہونچائے اور معدہ پر بھاری نہ ہو۔

(۳۰) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ سَمِعْتُ شَيْخًا مِنْ فَهْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَطْيَبَ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ۔

عبد اللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے اچھا گوشت پیٹھ کا ہوتا ہے۔

تشریح | اس سے قبل عرض کیا جاچکا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم کے مختلف اعضاء کے گوشت کی تعریف فرمائی ہے، کبھی ذراع، کبھی بازو اور کبھی پشت کی

اور اس کی وجہ وہی ہے کہ ان میں عمدگی کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں جو بعض ذائقہ کے لحاظ سے اور بعض زود ہضم، اور بعض ریشہ نہ ہونے یا کسی اور خوبی کی وجہ سے بہترین کہلائے جا سکتے ہیں، اس لئے ان احادیث میں تعارض نہیں۔

(۲۱) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُؤَمَّلِ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۲۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ ثَابِتِ بْنِ حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعِنْدَكِ شَيْءٌ فَقُلْتُ لَا اِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَخَلٌّ فَقَالَ هَاتِيْ مَا اَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ اُدْمٍ فِيْهِ خَلٌّ ۔

ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا تمہارے پاس کچھ (کھانے کے لئے) ہوگا؟ میں نے عرض کیا سوائے سوکھی روٹی اور سرکہ کے کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا وہی لاؤ، کوئی گھر جس میں سرکہ موجود ہو سالن سے خالی نہیں کہا جائے گا

تحقیق

اعندک شیئ:۔ یعنی کوئی کھانے کی چیز ہوگی

لا، الا الخبز یابس:۔ یہاں مستثنیٰ منہ محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہوگی لیس شیئ عندنا الا الخ

ھاتی:۔ لاؤ، فعل امر ہوگا بمعنی احضری

القفر:۔ خالی، ویران، اصل معنی وہ زمین جو بے آباد گیاہ ہو، یہاں مراد ہے وہ گھر جو کھانے

اور سالن سے خالی ہو۔

نیہ خل:۔ یہ صفت ہے بیت کی۔

تشریح | یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے، فتح کے بعد آپؐ اپنی چچازاد بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے اور کھانا مانگا، انھوں نے پیش کیا جو سوکھی روٹی کی شکل میں تھا آپؐ نے دریافت فرمایا سالن ہوگا تو انھوں نے جواب دیا کہ سالن نہیں ہے البتہ سرکہ ہوگا آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہی لاؤ سرکہ تو سالن ہی ہے اور جس گھر میں سرکہ موجود ہو سمجھ لو کہ سالن موجود ہے، یہ روایت تفصیل کے ساتھ بیہقی نے نقل کی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنے کسی قریبی اور عزیز فرد کے یہاں بلا تکلف طلب کر سکتا ہے، مزید یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضورؐ کی زندگی کتنی سادہ تھی کہ سوکھی روٹی تناول فرمائی اور سرکہ کے بارے میں کہا کہ اسے کمتر مت سمجھو یہ بھی خدا کی ایک نعمت ہے تو آپ نے اپنے قول کو عملی صورت میں ثابت کر دکھایا اور یہی حقیقت میں آپؐ کی مکمل زندگی کی تصویر بھی ہے کہ جو بھی معمولی چیز دستیاب ہوئی اسی کو کھا کر شکر ادا کیا اور دوسروں کی دلجوئی بھی فرمائی۔

(۲۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ ۔

ابو موسیٰ اشعری رضؓ کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر۔

تحقیق | ثرید:۔ بروزن فعیل بمعنی مفعول روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے شوربے میں ڈال دیا جائے، خواہ شوربا گوشت کا ہو یا کسی اور سالن کا، یہاں غالباً الخبز مع اللحم والا ثرید مراد ہے وہی زیادہ لذیذ ہوتا ہے، عربوں میں یہ کھانا مقبول اور رائج تھا اور اسے سب سے بہتر مانا جاتا تھا۔

تشریح ثرید کی افضلیت دوسرے کھانوں پر عربوں میں مسلّم تھی لیکن یہ من جمیع الوجوہ نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ لذیذ بھی ہے، زود ہضم بھی، مقوی بھی ہے اور تکلفات سے سوا بھی، ان خصوصیات کی وجہ سے ثرید کو بہتر سمجھا جاتا تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مرغوب تھا البتہ اس روایت میں قابل توجہ یہ بات ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کی افضلیت بھی بیان فرمائی اور ثرید کی بھی، محدثین کے یہاں دنیا کی عورتوں میں سب سے بہتر اور افضل خاتون ہونے کے سلسلہ میں تفصیل ہے، جن خواتین کو تمام عورتوں سے افضل کہا جاتا ہے ان میں کئی نام آتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ام المومنین حضرت خدیجہ سیدۃ اہل النساء فی الجنۃ حضرت فاطمہ، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ اور حضرت مریم علیہن السلام۔

اور حدیثیں بھی ان کی افضلیت میں منقول ہیں، کسی روایت میں کسی ایک کی فضیلت تو دوسری میں کسی دوسری کی۔ محدثین کہتے ہیں کہ مریم بنت عمران اور آسیہ امرأۃ فرعون کی افضلیت اپنی جگہ مسلّم ہے مگر ان کا درجہ بہرحال ان تین خواتین خدیجہ، عائشہ، فاطمہ رضی اللہ عنہن کے بعد آتا ہے البتہ ان تینوں میں جب ترجیح کی بات آئے تو حضرت خدیجہ بھی سب سے افضل نظر آتی ہیں کہ آنحضورؐ نے خود ان کی افضلیت بیان کی، اور حضرت عائشہؓ کی فضیلت اسی روایت سے ہے اور جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہ کے سلسلہ میں تو آیا ہے کہ سیدۃ اہل النساء فی الجنۃ، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ ان تینوں کی افضلیت تمام عورتوں پر مسلّم ہے اور ان میں سے ایک کی دوسرے پر بھی بعض خصوصیات کی وجہ سے تینوں کی حیثیتیں مختلف ہیں، روایتیں متعارض ہیں اور مسئلہ ظنی ہے اس لئے ہم برابر کی حد تک ان کی افضلیت تسلیم کرتے ہیں یہی سب سے بہتر راستہ ہے۔

(۲۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ الْأَنْصَارِيُّ أَبُو طُوَالَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى الطَّعَامِ۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ کی فضیلت تمام

عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر۔

(۲۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مِنْ ثَوْرِ أَقِطٍ ثُمَّ رَآهُ أَكَلَ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پنیر کھا کر وضو کرتے دیکھا پھر ایک دفعہ یہ بھی دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ تناول فرمایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمائی۔

تحقیق ثَوْرِ اَقِطٍ، بکسر القاف، قاموس میں تینوں حرکتیں قاف پر درست بتائی ہیں، ثور کے معنی بڑا ٹکڑا، اقط کا مطلب وہ دودھ جو آگ پر گرم کرکے جمالیا جائے، پنیر۔

تشریح باب کی مناسبت سے اس حدیث میں دو چیزوں کے تناول کا ذکر آیا، ایک پنیر اور دوسرے بکری کے شانہ کا گوشت، البتہ حدیث میں ایک دوسری چیز یہ مذکور ہے کہ آپ نے مامست النار سے ایک دفعہ تو نماز کے لئے دوبارہ وضو فرمائی اور دوسری بار نہیں۔

محدثین وائمہ فقہ کہتے ہیں کہ آگ پر پکائی ہوئی چیز سے وضو کا نقض لازم نہیں آتا، ابتدائے اسلام میں تو آنحضور نے ایسا ضرور فرمایا تھا مگر بعد میں پھر اس سے وضو نہ کرنے کا عمل ہی ثابت ہے اس لئے مامست النار ناقض وضو نہیں ہے، خود ابوہریرہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو آپ نے وضو فرمائی، ثم کے بعد کا عمل یہ ہے کہ آپ نے بغیر وضو کے اعادہ کے نماز پڑھی اور اگر وضو سے وضوء لغوی یعنی ہاتھ منہ دھونا اور کلی کرنا مراد لیا جائے تو پھر کوئی اعتراض ہی نہیں رہ جاتا ہے۔

(۲۶) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ وَائِلِ بْنِ دَاوُدَ عَنْ ابْنِهِ وَهُوَ بَكْرُ بْنُ وَائِلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

قَالَ اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی صَفِیَّۃَ بِتَمْرٍ وَّسَوِیْقٍ۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کا ولیمہ کھجور اور ستو کی صورت میں دیا تھا۔

تحقیق اَوْلَمَ :۔ باب افعال سے ولیمہ دینا، دعوت ولیمہ کرنا، ولیمہ کیلئے کھانا تیار کرنا، یہ لفظ وَلِم سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جمع کرنا، چونکہ میاں بیوی نکاح کے بعد جمع ہوتے ہیں اس لئے ولیمہ کیا جاتا ہے، شادی اور شب زفاف کے بعد کھانا کھلانے کو ولیمہ کہا جاتا ہے البتہ کشاف نے لکھا ہے کہ ولیمہ مطلق دعوت کو بھی کہتے ہیں جو کسی خوشی کی تقریب میں کی جائے۔

صفیۃ :۔ حضرت صفیہ امہات المؤمنین میں سے ہیں حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے حی بن اخطب یہودی کی صاحبزادی، ان کی شادی کنانہ ابن ابی الحقیق سے ہوئی تھی جو غزوۂ خیبر میں مارا گیا تھا، یہ قید ہوکر آئی تھیں تو آپؐ نے ان کو اپنے لئے منتخب فرمایا تھا نکاح ہوا اور راستہ ہی میں ولیمہ ہوا تھا۔

تشریح غزوۂ خیبر سے واپسی میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ سے عقد فرمایا تو دعوت ولیمہ بھی صحابہ کو دی اور چونکہ اس وقت کھانے کے لئے زیادہ تر چیزیں مہیا نہیں تھیں اسلئے کھجور اور ستو کی دعوت ہوئی تھی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رحیس کی دعوت تھی یہ ایک طرح کا حلوہ ہوتا تھا جو آٹا اور گھی اور کھجور سے تیار ہوتا تھا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ ولیمہ نکاح کے وقت یا اس کے بعد کی دعوت کو کہا جاتا ہے، جو سنت مؤکدہ ہے اور افضل یہ ہے کہ ولیمہ نکاح اور مجامعت کے بعد ہو۔

(۲۷) حَدَّثَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ مُحَمَّدِ نِ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا الْفُضَیْلُ بْنُ سُلَیْمَانَ حَدَّثَنِیْ فَائِدٌ مَوْلٰی عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ رَافِعٍ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ عَلِیٍّ عَنْ جَدَّتِہٖ سَلْمٰی اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ وَّابْنَ عَبَّاسٍ وَّابْنَ جَعْفَرٍ اَتَوْھَا فَقَالُوْا لَھَا اصْنَعِیْ لَنَا طَعَامًا مِمَّا کَانَ یُعْجِبُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ اَكْلَهُ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ لَاتَشْتَهِيْهِ الْيَوْمَ قَالَ بَلٰى اصْنَعِيْهِ لَنَا قَالَ فَقَامَتْ فَاَخَذَتْ شَيْئًا مِنَ الشَّعِيْرِ فَطَحَنَتْهُ ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِيْ قِدْرٍ وَصَبَّتْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ زَيْتٍ وَدَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ اِلَيْهِمْ فَقَالَتْ هٰذَا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ اَكْلَهُ ۔

حضرت سلمیٰ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حسن بن علی وعبداللہ ابن عباس اور عبداللہ بن جعفر ان کے گھر آئے اور فرمائش کی کہ آپ ہمارے لئے وہ کھانا تیار کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھا اور اس کو کھانا پسند فرماتے تھے تو انھوں نے کہا بچو! اب وہ کھانا پسند نہیں کروگے، انھوں نے کہا نہیں ہم کو پسند آئے گا آپ ضرور بنادیں، کہتے ہیں کہ وہ اٹھیں اور انھوں نے تھوڑا سا جو لیا اور اسے پیسا، پھر اسے ہانڈی میں ڈالدیا اور اس میں تھوڑا سا زیتون بھی ڈالا، اور مرچیں اور گرم مسالحہ پیس کر ڈالا (جب تیار ہوگیا) توان کے قریب کردیا اور کہا یہ تھا وہ کھانا جو آپ کو مرغوب تھا اور آپ اسے شوق سے تناول فرماتے تھے۔

تحقیق

سلمیٰ:۔ یہ حضرت ابو رافع کی بیوی ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ رہ چکی ہیں۔

یعجب:۔ باب افعال سے ہو تو رسول اللہ اس کا مفعول ہوگا، فاعل بھی ہوسکتا ہے اس وقت مفہوم ہوگا یستحسنہ، اور باب سمع سے ہو تو رسول اللہ اس کا مفعول واقع ہوگا اور عبارت کی تقدیر یوں ہوگی یعجبہ، مفہوم ایک ہی ہوگا کہ جس کو آپ پسند فرماتے تھے۔

یُحسن:۔ باب افعال سے، اچھا سمجھنا، پسند کرنا۔

یا بُنیّ:۔ تصغیر کا لفظ شفقت اور محبت کے لئے، مخاطب ان میں سے ہر ایک یا جو متکلم ہے اور وہی شخص فاعل ہوگا آگے آنے والے لفظ قال کا

زیت:۔ زیتون، تیل، کوئی بھی تیل۔

دَقّت :- دق باب نصر پیسنا، کوٹنا، باریک کرنا

الفلفل :- بروزن ھدھد جمع ہے، واحد فِلفِلۃ مرچ بکسر الفائین بھی آج کل بولا جاتا ہے

التوابل :- واحد تابل بکسر الباء گرم مسالے جیسے ادویۃ حارۃ من الھند کہا جاتا ہے

تشریح اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھانے میں زیادہ تکلف کئے بغیر جو میسر ہوتا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھا، اور گرم مصالحہ عربوں کے یہاں نہیں پایا جاتا تھا بلکہ وہ بلاد ہند سے جاتا تھا اس لئے وہ سہل الحصول نہیں تھا مگر جب ملتا تو آپ اسے بھی استعمال فرماتے جو زہد کے منافی نہیں ہے۔

(۲۸) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ نُبَيْحٍ الْعَنَزِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَنْزِلِنَا فَذَبَحْنَا لَهٗ شَاةً فَقَالَ كَاَنَّهُمْ عَلِمُوْا اَنَّا نُحِبُّ اللَّحْمَ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ۔

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے ان کے لئے ایک بکری ذبح کی اس پر آپؐ نے فرمایا کہ گویا انھیں معلوم ہے کہ ہم گوشت پسند کرتے ہیں، حدیث میں مزید واقعہ ہے۔

تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گوشت پسند فرماتے تھے اس لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا، یا پھر یہ کہ میزبانوں کی دلداری کے لئے فرمایا کہ گھر والوں کو معلوم ہے کہ ہم گوشت پسند کرتے ہیں۔

یہاں روایت مختصر ہے اور مزید تفصیل کی طرف امام ترمذی نے فی الحدیث قصۃ کہکر اشارہ کر دیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ خندق کی تیاری ہو رہی ہے، جب بڑی بے سروسامانی میں خندق کھودنے کا کام چل رہا ہے اور صحابہ بھوکے ہیں حتی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بھوکے تھے، حضرت جابرؓ اپنی بیوی کے پاس گئے اور کہا کچھ کھانے کو ہے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے تو ان کی بیوی نے جَو کا آٹا لاکے رکھدیا

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہماری ایک بکری بھی تھی اسے ذبح کی اور ہانڈی پر گوشت رکھ کر آپؐ کے پاس حاضر ہو کر چپکے سے کہا کہ آپؐ اور چند اصحاب آجائیں اور کھانا تناول فرمالیں، آپؐ نے زور سے آواز لگا کر کہا کہ اے خندق والو جابرؓ نے دعوت عام دی ہے آؤ چلیں پھر کہا کہ ابھی ہانڈی مت اتارنا اور نہ ہی روٹی تیار کر کے رکھ لینا تاوقتیکہ میں نہ آجاؤں، پھر آپؐ تشریف لائے اور گندھے ہوئے آٹے پر لعاب دہن سے دم کیا، اسی طرح گوشت پر بھی اور دعائیں دیں اور کہا جاؤ روٹی تیار کرو اور ہانڈی چولھے سے مت اتارنا اور آنے والے اصحاب تقریباً ایک ہزار تھے مگر خدا کی قسم سبھوں نے کھایا اور وہ اس حال میں واپس گئے کہ گوشت بھی ہانڈی میں ابلتا رہا اور روٹی بھی تیار ہوتی رہی۔ یہ واقعہ آنحضورؐ کے معجزات میں سے ہے۔

(۲۹) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ سَمِعَ جَابِرًا قَالَ سُفْيَانُ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَذَبَحَتْ لَهُ شَاةً فَأَكَلَ مِنْهَا وَأَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظُّهْرِ وَصَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَتَتْهُ بِعُلَالَةٍ مِنْ عُلَالَةِ الشَّاةِ فَأَكَلَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ گھر سے نکلے میں بھی ان کے ساتھ تھا تو وہ ایک انصاری عورت کے گھر تشریف لے گئے تو انھوں نے آپؐ کے لئے ایک بکری ذبح کی جس سے آپؐ نے تناول فرمایا پھر وہ عورت کھجوروں کا ایک طبق لے کر آئیں آپؐ نے اس سے بھی کچھ کھایا اور ظہر کے لئے وضو کی اور نماز پڑھی پھر دوبارہ تشریف لائے تو اس عورت نے آپؐ کے سامنے بکری کا باقی ماندہ گوشت پیش کیا آپؐ نے دوبارہ اس میں سے کچھ کھایا اور عصر کی نماز ادا کی لیکن دوبارہ وضو نہیں فرمائی۔

تحقیق ذَبحَت:۔ باب فتح سے ذبح کرنا، فاعل امرأۃ ہے یعنی اس عورت نے ذبح کا حکم دیا، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود ذبح کیا ہو۔

قِنَاع:۔ بکسر القاف۔ طبق، دسترخوان یا سینی جس پر کھایا جائے۔ قاموس میں لکھا ہے کہ وہ کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ہوتا ہے۔

عُلَالَۃ:۔ بضم العین، باقی ماندہ، بچا ہوا، رکھا ہوا۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ حضرت جابر بھی دعوت پر تشریف لے گئے ہیں، گوشت کھایا ہے اور میٹھے میں کھجور، پھر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد واپس تشریف لائے تو میزبان نے مزید گوشت پیش کر دیا جو باقی بچا تھا، آپ نے اس میں سے چند ٹکڑے کھائے اور بغیر دوبارہ وضو کئے نماز ادا کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک دن میں دو مرتبہ گوشت تناول فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ شکم سیر بھی ہوئے ہوں گے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک دن میں دو دفعہ گوشت سے شکم سیر نہیں ہوئے، اسی طرح یہ روایت حضرت عائشہ رض کے قول سے متعارض نظر آتی ہے تو شارحین حدیث کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا قول ان کے علم کے مطابق ہے یا عام حالات کا ذکر ہے اور یہاں دعوت تھی، اس کے علاوہ اس روایت میں شکم سیر ہونے کا تذکرہ تو نہیں، دو مرتبہ کھانے کا ذکر ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایک وقت میں دو دفعہ بھی کھانا جائز ہے، بلکہ کبھی کبھی میزبان کی دلجوئی کے لئے تو مستحب بھی قرار پائے گا، فلا تعارض ولا اشکال۔

(۳۰) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّوْرِيُّ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ اَبِيْ يَعْقُوْبَ عَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَاْكُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ يَا عَلِيُّ فَاِنَّكَ نَاقِهٌ:

قَالَتْ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مِنْ هٰذَا فَاَصِبْ فَاِنَّ هٰذَا اَوْفَقُ لَكَ

ام المنذر فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے اور ان کے ساتھ حضرت علی رض بھی تھے، اور ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے کھجور تناول فرمانے لگے، حضرت علی رض بھی انھیں کے اتباع میں کھانے لگے تو آنحضور ؐ نے حضرت علی رض سے فرمایا کہ علی! تم چھوڑ دو کیونکہ تم ابھی بیمار ہو تو علی رض کھانا چھوڑ کر بیٹھ گئے اور آنحضور تناول فرماتے رہے، کہتی ہیں کہ میں نے پھر ان کے لئے چقندر اور جو تیار کئے (روٹی یا سوپ) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! تم اس میں سے کھاؤ یہ تمہارے لئے مناسب ہے۔

تحقیق

دَوال :- بفتح الدال اس کی واحد دالیۃ، کھجور کا خوشہ، جب کھجور کو درخت سے توڑ کر رکھ دیا جائے تاکہ رکھے رکھے وہ پک جائے تو اسے کھایا جائے۔

مُعَلَّقَۃ :- یہ دوال کی صفت واقع ہے، معنی لٹکا ہوا، تعلیق سے لٹکانا، معلق کرنا۔

مَہْ :- بفتح المیم وسکون الہاء، مبنی علی السکون امر کے معنی میں کہ رک جاؤ اور نہ کھاؤ، چھوڑ دو۔

ناقِہ :- بکسر القاف اسم فاعل نقہ، باب سمع سے کمزور ہونا، بیماری سے شفایاب ہونا اور اس کا اثر باقی رہنا، اسی سے آتا ہے نقاہت بمعنی کمزوری۔

سِلْقا :- بکسر السین وسکون اللام چقندر

شعیرا :- جو۔ یہاں مراد ان دونوں اشیاء سے تیار کردہ کھانا یا اس کا پانی جسے سوپ کہا جاتا ہے۔

فاصب :- اصابۃ سے امر کا صیغہ، کہ اس میں سے کھاؤ، اس لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کھانا تمہارے لئے درست ہے۔ من ھذا کو مقدم کرنے کا فائدہ حصر کی صورت میں ہے یعنی تم اسی کو کھاؤ اس سے تجاوز مت کرنا۔

اوفق:- موافق، مناسب، اسم تفضیل کا مطلب یہ کہ ہر صورت میں موافق ہوگا اور فائدہ مند ہوگا

تشریح چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیماری سے اٹھے تھے کمزور تھے اور ابھی بیماری کا اثر تھا جس کے لئے پرہیز کی ضرورت تھی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو تازہ کھجور کھانے سے منع فرمایا کہ طبی طور پر وہ ان کے لئے فائدہ کے بجائے نقصان دہ ہوتی اور ان کے لئے جو اور چقندر سے تیار کردہ سوپ کی تجویز کی اور فرمایا یہ تمہارے لئے مناسب ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ بیماری میں پرہیز کرنا توکل کے منافی نہیں، اور ضرورت کے مطابق پرہیز بھی لازمی ہے گرچہ شفا خدا کے ہاتھ میں اور اس کی مرضی کے بغیر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا مگر جب خدا نے بیماری دی ہے تو اس کے لئے دوا بھی تجویز کی ہے، روایتوں سے ثابت ہے کہ خدا نے بیماری پیدا کی تو اس کی دوا بھی پیدا کی، گویا دوا کا کھانا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں ہوگا، اسی طرح تجویز کردہ پرہیز بھی دوا ہی کا حصہ سمجھا جائے گا۔

(۳۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيٰى عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْنِيْ فَيَقُوْلُ اَعِنْدَكِ غَدَاءٌ فَاَقُوْلُ لَا قَالَتْ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ صَائِمٌ قَالَتْ فَاَتَانَا يَوْمًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ اُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ وَمَا هِيَ قُلْتُ حَيْسٌ قَالَ اَمَا اِنِّيْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا قَالَتْ ثُمَّ اَكَلَ ۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی میرے پاس تشریف لاتے اور دریافت کرتے کہ کیا تمہارے پاس (دوپہر کا) کھانا ہے میں جواب دیتی کہ نہیں تو آپ فرماتے چلو آج روزے سے رہ جاؤں گا، کہتی ہیں کہ ایک دن آپ آئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج ہمارے لئے ہدیہ آیا ہوا ہے تو پوچھا کہ کیا، میں نے بتایا کہ کھجور سے تیار ملیدہ ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو صبح روزہ کا ارادہ کیا تھا پھر اس میں سے تناول فرما لیا۔

تحقیق

غَدَاء :- دوپہر کا کھانا، دوپہر سے پہلے کا کھانا۔
صَائِمٌ :- روزہ دار ہوں، گو کہ لفظی ترجمہ خبر کا ہے مگر مراد ہے انشاء یعنی تو اب روزہ ہی رکھ لوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کا اظہار کسی ضرورت یا مصلحت کے تحت ہو سکتا ہے۔
اُهْدِيَتْ :- باب افعال سے الاهداء ہدیہ کرنا یہاں مجہول ہے اس لئے ترجمہ ہو گا ہدیہ آیا ہے۔
حیس :- بفتح الحاء کھجور گھی میں آمیز یا پنیر میں ملی ہوئی ہو، اصل معنی مرکب، ملی ہوئی۔
اَصْبَحْتُ :- صبح کے وقت تو روزہ ہی کا ارادہ کر رکھا تھا، روزہ کا حتمی ارادہ نہیں ہے۔

تشریح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تنگی کا عالم یہی تھا کہ پہلے سے کھانے کی چیز موجود نہیں رہتی تھی جب کوئی چیز ہوئی اس وقت کھالی گئی، چنانچہ آپ مسجد سے گھر میں داخل ہو کر پوچھتے کچھ کھانے کو ہے، اگر نہیں ہوتا تو فرماتے ابھی وقت ہے نیت کر لوں گا اور روزہ رکھ لوں گا، اسی بنیاد پر شوافع و احناف کہتے ہیں کہ رات سے نیت ضروری نہیں، البتہ امام مالک رات ہی سے نیت ضروری قرار دیتے ہیں۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے روزہ کا ارادہ کر رکھا تھا لیکن ہدیہ آیا ہوا ہے تو اب اسے کھالیتا ہوں، گویا اب روزہ کی نیت نہیں کروں گا، دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ صبح کو تو روزہ کی نیت کر لی تھی مگر اب وہ نفل روزہ ختم کر رہا ہوں۔

اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے تھے اور اب توڑا تو کسی ضرورت کے تحت ہو گا، اسی طرح نفلی روزہ توڑنے پر اس روزہ کی قضا لازم ہو گی جیسا کہ آنحضورؐ کا خود حضرت عائشہ سے ایک دفعہ فرمان ہے، یہی مسلک جمہور علماء کا ہے، البتہ شوافع کے یہاں قضا بھی ضروری نہیں۔

(۳۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ يَحْيَى الْاَسْلَمِيِّ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ اُمَيَّةَ الْاَعْوَرِ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ كِسْرَةً مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا تَمْرَةً ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ اِدَامُ هٰذِهٖ فَاَكَلَ ۔

یوسف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس پر ایک کھجور رکھی پھر ارشاد فرمایا کہ یہی اس روٹی کا سالن ہے پھر آپ نے تناول فرمالیا۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قناعت کا درس بھی دیا کہ اگر روٹی کے ساتھ کھجور ہو تو گریہ کھجور سالن نہیں مگر وہ سالن ہی کا کام کرتی ہے اور اسی کے قائم مقام ہوسکتی ہے اس پر صبر کرنا چاہئے اور خدا کا شکر بھی، باب سالن کے ذکر میں ہے اور یہاں آپ نے کھجور کے متعلق فرمایا ہے کہ گویا یہ عام طور پر اکیلے ہی کھائی جاتی ہے اور عام ترکاریوں کی طرح نہیں ہے مگر اس کا استعمال سالن کی جگہ بھی ہوسکتا ہے، اسی لئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کھجور بھی ادام کے تحت آتی ہے۔

اصل میں کسی چیز کو کھانا اور کسی کو ترکاری کہنا یہ عرف عام کے لحاظ سے ہوتا ہے، ممکن ہے ایک چیز کسی زمانہ میں کھانے کی تعریف میں آئے اور دوسرے زمانہ میں وہی سالن کہلائے اسی طرح مقام کے اختلاف اور عادت کے تغیر سے غذا اور ادام کے اطلاق میں فرق آجاتا ہے اور عرف عام پر ہی دیگر متفرع مسائل کا دارومدار بنتا ہے جیسے کہ کوئی قسم کھائے کہ میں سالن نہیں کھاؤں گا تو یہ اس وقت حانث ہوگا جب وہاں کے مروجہ اصطلاح میں سالن کھائے خواہ وہ چیز کچھ بھی ہو، کھجور ہو، سرکہ ہو یا گوشت ہو۔

(۳۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ الْعَوَّامِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ الثُّفْلُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ يَعْنِىْ مَا بَقِىَ مِنَ الطَّعَامِ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا ہوا کھانا مرغوب تھا، راوی عبداللہ کہتے ہیں کہ ثفل سے مراد کھانے کا باقی ماندہ مراد ہے۔

تحقیق ثفل:۔ سے مراد شیخ ترمذی نے کہا مابقی من الطعام، یہ لفظ بکسر الثاء و بضمہا و سکون الفاء، شارح مظہر کہتے ہیں کہ ثفل سے مراد ہانڈی کا بچا ہوا کھانا ہے، لیکن بعض

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ برتن یا پیالہ میں سے بچا ہوا کھانا ثفل کہلاتا ہے۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع اور صبر کی عادت بھی رہی ہے، اور قناعت کی تلقین بھی فرمائی ہے، نہ صرف قول سے بلکہ عمل سے، اسی لئے ہانڈی میں یا پیالہ میں بچا ہوا کھانا آپ کو مرغوب رہا ہے، آپ نے برتن میں باقی ماندہ کھانا ہمیشہ صاف کر کے کھایا ہے اور پیالہ انگلیوں سے چاٹ کر، اور یہی سنت نبوی بھی ہے، اس کے برخلاف جو لوگ اس میں کراہت محسوس کرتے ہیں بلاشبہ کبر و نخوت کی وہ راہ اپناتے ہیں، جو سنت کے خلاف ہے۔

ترمذی رہ نے اس حدیث کو باب کے آخر میں ذکر کر کے صنعت حسن مقطع اختیار کیا ہے، یعنی ما بقی من الطعام آخری حصہ ہوتا ہے اور تذکرہ بھی باب کے آخری حصہ میں۔

واللہ اعلم بالصواب

والیہ المرجع والمآب

باب ما جاء فی صفۃ وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند الطعام

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے وقت وضوء کے بیان میں

وضو کے دو معنی آتے ہیں ایک لغوی دوسرا شرعی، لغوی کا مطلب ہے ہاتھوں کو دھونا، دوسرا مفہوم وہی ہے جو نماز سے پہلے وضوء کرتے ہیں اس کو شرعی وضو کہتے ہیں۔

اور یہاں پر اصل میں مراد وضو لغوی یعنی پاکی حاصل کرنا اور ہاتھوں کو دھونا ہی ہے اس لئے کہ ذکر ہے کھانے کے وقت کا اور اس وقت ہاتھ دھویا جاتا ہے نہ کہ وضوء شرعی کیا جاتا ہے، ایک قول کے مطابق شرعی وضوء ہی مراد ہے، ابن حجر کہتے ہیں کہ یہاں دونوں معنی مراد لیا جا سکتا ہے حقیقی بھی اور مجازی بھی یعنی ہاتھ دھونے کے اور وضوء کرنے کے۔

تین حدیثیں اس باب کے ضمن میں ہیں، پہلی دو حدیثوں میں وضوء للصلوۃ کا ذکر ہے اور آخری حدیث وضو غسل الیدین کے تذکرہ میں۔

(الطعام) کے معنی کھانا، ورنہ عربوں میں الطعام کا اطلاق اور چیزوں پر بھی ہوتا ہے

(۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ عَنْ اَيُّوبَ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ الطَّعَامُ فَقَالُوا لَا نَاْتِيكَ بِوَضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَى الصَّلَاةِ ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو ان کے سامنے کھانا لایا گیا. تو لوگوں نے دریافت کیا وضو

کے لئے پانی لے آئیں، آپ نے جواب دیا کہ مجھے وضو کا حکم اس وقت کے لئے ہے جب نماز کا ارادہ کروں

تحقیق الخلاء:۔ بفتح الخاء خالی جگہ، یہاں مراد قضائے حاجت کی جگہ، خواہ وہ کھلی جگہ ہو یا بند، بیت الخلاء۔

قُرِّبَ : مجہول کا صیغہ از باب تفعیل، قریب کیا گیا، پیش کیا گیا۔

الوضوء: مراد وضو شرعی، مطلب یہ کہ آنحضور وضوء نہیں فرمائیں گے۔

الصَّلوٰۃ : اشارہ ہے اذا قمتم الی الصلوٰۃ کی جانب، یہاں مطلب ہے کہ نماز اور اس کے حکم میں آنیوالی دوسری چیزیں جیسے سجدۂ سہو، قرآن کا چھونا یا طواف کرنا۔

تشریح جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء سے فراغت کے بعد کھانے کے لئے تیار ہوئے تو سوال کیا گیا کہ آپ وضوء نہیں فرمائیں گے؟ گویا سائل یہ خیال کرتے ہوں کہ استنجاء کے بعد یا کھانے سے پہلے وضوء ضروری ہے تو آپ نے اس کی نفی کردی اور فرمایا کہ وضوء صرف نماز یا اس جیسی چیزوں کے لئے ضروری ہے اور کھانے سے پہلے آپ نے ہاتھ دھولیا ہوگا یا نہیں اس بنا پر یہ سوال ہوا کہ شرعی وضوء فرمائیں گے؟ کھانے سے پہلے ہاتھ منھ دھونا مستحب ہے ضروری نہیں اسی کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے، وضوء شرعی تو نماز کے لئے ہے ہاتھ منھ دھونا ضروری بھی نہیں، مبادا کبھی امت کے افراد اسے بھی ضروری قرار دیدیں

لیکن اگر کوئی طہارت کے خیال سے استنجاء کے بعد وضو کرلیا کرے یا کھانے سے پہلے وضوء کرے تو اس حدیث سے اس کی نفی نہیں ہوتی، صرف وجوب کی نفی مقصود ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ فَقِيلَ لَهُ أَلَا تَتَوَضَّأُ فَقَالَ أُصَلِّي فَأَتَوَضَّأَ۔

ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو آپ کے لئے کھانا لایا گیا، پھر دریافت کیا گیا کہ کیا آپ وضوء نہیں فرمائیں گے آپ نے جواب دیا کہ کیا میں نماز پڑھوں گا کہ وضو کروں؟

تحقیق الغائط: الغوط کے معنی ہیں زمین کی گہرائی، دور، دراز حصہ، اس کا اطلاق قضاء حاجت کی جگہ پر کیا جانے لگا ہے، اور بیت الخلاء کے مفہوم میں یعنی مکان الغائط، اب یہ جگہ آبادی سے دور کسی نشیبی جگہ پر واقع ہو یا گھر میں بنائی ہوئی پردہ والی جگہ میں، یہ اصل میں کنایۃً بیت الخلاء مراد ہو رہا ہے

أُصَلِّي: یہاں استفہام انکاری ہے یعنی مجھے نماز نہیں پڑھنی ہے جس کے لئے وضوء کی ضرورت ہوتی ہے، یہ حدیث بھی پہلی حدیث ہی کے مضمون پر مشتمل ہے

(۳) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ الْجُرْجَانِيُّ عَنْ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ زَاذَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ إِنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ.

حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے توریت میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد وضو کھانے میں برکت کی وجہ ہے تو میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا اور توریت میں پڑھی ہوئی بات بتلائی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور اس سے فراغت کے بعد ہاتھوں کو دھونے میں ہے۔

تشریح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نصاریٰ اور یہود کی کتابوں اور مذاہب کے

بارے میں مکمل علم رکھتے تھے اور جو چیزیں ان کو کھٹکتیں یا پسند آتیں اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلامی حکم بھی دریافت کرتے یا استصواب کیا کرتے تھے چنانچہ کھانے کے وقت کے سلسلہ میں انھوں نے توریت میں یہ پڑھ رکھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے میں برکت ہے اسی کو انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرکے اس کی مزید وضاحت چاہی ہوگی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے کے بعد ہی کیوں کھانے سے پہلے اور بعد دونوں حالتوں میں ہاتھ منھ دھولینے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

کھانے میں برکت کا مفہوم علماء محدثین بتاتے ہیں کہ اس سے کھانے میں زیادتی اور اس کے فوائد مراد ہیں، یعنی ہاتھ منھ دھونے سے طہارت بھی ہوتی ہے اور کھانے میں سکون ملتا ہے، اس کے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اچھے آثار مرتب ہوتے ہیں مضرت ختم ہوجاتی ہے، شیطانی اثرات سے کھانا محفوظ رہتا ہے نیک اور صالح ارادے بنتے ہیں، بدن کو نشاط حاصل ہوتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی

قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الطَّعَامِ

کھانے سے پہلے اور فراغت کے بعد رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات کا ذکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا شروع کرنے سے پہلے اور کھانے سے فراغت کے بعد جو کلمات ادا فرماتے یا جو دعائیں پڑھتے تھے اس کا بیان اس باب کے تحت ہو رہا ہے اس میں سات حدیثیں ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَھِیْعَۃَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ رَاشِدِ بْنِ جَنْدَلٍ الْیَافِعِیِّ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ اَوْسٍ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَقُرِّبَ اِلَیْہِ طَعَامٌ فَلَمْ اَرَ طَعَامًا کَانَ اَعْظَمَ بَرَکَۃً مِنْہُ اَوَّلَ مَا اَکَلْنَا وَلَا اَقَلَّ بَرَکَۃً فِیْ آخِرِہٖ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ ھٰذَا قَالَ اِنَّا ذَکَرْنَا اسْمَ اللّٰہِ حِیْنَ اَکَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَکَلَ وَلَمْ یُسَمِّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَاَکَلَ مَعَہُ الشَّیْطٰنُ ۔

ابو ایوب انصاریؓ کی روایت ہے کہ ہم ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؐ کے سامنے کھانا لایا گیا تو میں نے کوئی کھانا ایسا نہیں پایا کہ جو ہم نے شروع میں کھایا ہو وہ اتنا بابرکت ہو اور اس کے آخری حصہ میں برکت کم ہو گئی ہو تو ہم نے آنحضور سے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کیوں کر ہوا

آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب ہم نے کھانا شروع کیا تو اللہ کا نام لے لیا تھا پھر اس میں ایسا آدمی آبیٹھا جس نے اللہ کا نام نہیں لیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ساتھ شیطان بھی کھانے میں شریک ہو گیا۔

تشریح ابو ایوب کی روایت کا حاصل یہ کہ ہم نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا لیکن عجیب ماجرا دیکھا ابتدا میں تو بڑی برکت محسوس ہوئی لیکن جب کھانا ختم ہونے کو ہوا تو اس میں بے برکتی معلوم ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ اور اس کی حکمت معلوم کی تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو بسم اللہ کے ساتھ شروع کیا تھا مگر بعد میں ایک ایسا آدمی کھانے میں شریک ہوا جس نے بسم اللہ کہے بغیر کھانا شروع کر دیا اور اس میں چونکہ شیطان بھی شامل ہو گیا اس لئے آخری حصہ میں برکت اتنی کم محسوس ہوئی۔

کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بالاجماع مستحب ہے اور اسکی حکمت یا اس کے فوائد کیا ہیں ان کا تذکرہ اگلی روایتوں میں آجائے گا بنیادی طور پر جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ کھانے میں برکت ہوتی ہے اور شیطان کو شریک ہونے کا موقع نہیں ملتا اس لئے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔

اللہ کا نام لینا مقصود ہے جس کے لئے صرف بسم اللہ کا لفظ کافی ہے الرحمٰن الرحیم کا اضافہ ہو تو بہتر ہے ورنہ کوئی مضائقہ نہیں (غزالی، نووی) اور بسم اللہ چھوڑ دینے میں شیطان کی جو شرکت ہے اس کا مطلب جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ حقیقتاً شیطان شریک ہو جاتا ہے۔

امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں کہ جب جماعت (ابتداء ہی سے) کسی کھانے میں شریک ہو تو کسی ایک کا بسم اللہ کہہ لینا بھی کافی ہو جائیگا احناف کے نزدیک ہر ایک کو بسم اللہ سے شروع کرنا چاہئے۔

(۲) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ بُدَيْلٍ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَنَسِيَ اَنْ يَّذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلٰى طَعَامِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی کھانا کھائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو اسے بسم اللہ اولہ وآخرہ کہہ لینا چاہئے۔

تحقیق نسی، باب سمع سے بھولنا

اوّلہ وآخرہ: لام اور راء کے فتحہ کے ساتھ ظرف ہوگا منصوب بنزع الخافض یعنی فی اولہ وآخرہ، یا مفعول ہوگا فعل محذوف ہوگا۔ اکلت اوّلہ واکل آخرہٗ مستعینا باللہ اس میں کسرہ بھی ہوسکتا ہے فی مقدر مان کر فی اوّلہ وآخرہ۔

تشریح اگر کوئی کھانا کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے اور درمیان میں یاد آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس کا بسم اللہ اولہ وآخرہ کہدینا کافی ہوگا، یہ گویا ابتدا کا قائم مقام ہوجائے گا اور سنت پر عمل کے مرادف ہوگا، اور اگر کھانے سے فراغت کے بعد یاد آئے اور کوئی بسم اللہ کہہ لے تو سنت پر عمل نہیں سمجھا جائیگا (ابن حجر، ہیثمی) وضو کے وقت بسم اللہ ہر صورت میں شروع میں ہونا چاہئے۔

واضح ہو کہ تسمیہ سے مراد اللہ کا نام لینا ہے لفظ بسم اللہ ضروری نہیں اگر کوئی لا الٰہ الا اللہ یا الحمد للہ یا اس طرح کے کلمات ادا کرے جس میں اللہ کا نام لے تو سنت کی ادائیگی ہوجائیگی (ابن ہمام)

(۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ طَعَامٌ فَقَالَ اُدْنُ يَا بُنَيَّ فَسَمِّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ مِمَّا يَلِيْكَ ۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ بیٹے قریب آجاؤ اور بسم اللہ کہہ لو اور داہنے ہاتھ سے کھانا شروع کردو اور جو تمہارے قریب ہے اس میں سے کھاؤ۔

تحقیق

ادن: امر کا صیغہ دنا، دنوٌ (باب نصر) سے قریب آجاؤ
یا بنیّ: تصغیر ہے ابن کی، شفقت میں بولا جاتا ہے، عمر بن سلمہ آنحضور ﷺ کے پروردہ ہیں۔

یلیک:۔ جو تمھارے قریب ہو متصل ہو۔

تشریح

اس حدیث میں مزید دو باتیں معلوم ہو رہی ہیں ایک یہ کہ کھانا داہنے ہاتھ سے ہونا چاہئے، جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے جو سب کے سب امر استحبابی ہیں (میرک) اور بعض علماء کہتے ہیں کہ داہنے ہاتھ سے کھانے کا حکم وجوبی ہے، دراصل داہنے ہاتھ سے کھانے کے سلسلہ میں سنت اتنی تاکید کے ساتھ ہے کہ جو وجوب کے قریب ہے اسلئے کہ داہنے ہاتھ سے نہ کھانے کے سلسلہ میں وعید بھی وارد ہوتی ہے، جمہور بہرحال اس کو زجر پر محمول کرتے ہیں اور امر کو وجوبی نہیں مانتے جیسا کہ بقیہ دونوں چیزوں کے بارے میں کہتے ہیں۔

دوسری چیز ہے کہ کھانا اپنے سامنے اور قریب کا کھانا چاہئے یہ بھی استحباب پر محمول ہے کیونکہ روایت گذر چکی ہے کہ آنحضور کدو کو برتن میں ٹٹول کر تناول فرمارہے تھے جو ظاہر ہے کہ مما یلیک سے الگ چیز ہو جاتی ہے، گو کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے اکیلے میں ایسا فرمایا یا پھر اپنے قریب والے حصہ میں سے تلاش کرکے تناول فرمایا ہے۔
البتہ اگر پھل وغیرہ جیسی چیز ہو تو اس میں اپنے سے قریب یا دور کی کوئی تخصیص نہیں، کوئی سا بھی ٹکڑا اٹھا کر کھا لینا خلاف سنت نہیں ہوگا، اس طرح اگر کھانے میں مختلف انواع ہوں تو اپنے سے دور اور دوسرے سے قریب والے نوع کو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ رِيَاحٍ عَنْ رِيَاحِ بْنِ عَبِيدَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ ۔

ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ پڑھتے، تمام تعریفیں اس ذات پاک کیلئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

تشریح کھانے کی ابتدا میں بسم اللہ کہنا مسنون ہوا، اسی طرح کھانے سے فراغت کے بعد خدا کا شکر ادا کرنا بھی ہر مومن کی شان ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھانے اور پینے کی صورت میں خدا کی نعمت ہے اس پر شکر ادا فرمایا ہے ساتھ ہی اخیر میں اس نعمت عظمیٰ کا تذکرہ بھی جس کی بدولت انسان خدا کا بندہ بنتا ہے، یہ شکر اس بات کا کہ ہمیں مسلمان بنایا اور اپنی اطاعت و بندگی کی توفیق عطا فرمائی۔

اس دعا کے علاوہ بھی بعض دعائیہ کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جن میں خدا کے حمد و شکر کا ذکر ہے اس طرح کوئی بھی دعا پڑھنا سنت کی ادائیگی کا مرادف قرار پائے گا

(۵) حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَعْدَانَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رُفِعَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا ۔

حضرت ابوامامہ سے منقول ہے کہ جب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

ایسی تعریف جو بہت زیادہ اور جو پاک اور مبارک ہے اور جو نہ چھوڑی جا سکتی ہے اور نہ اس سے بے نیاز ہوا جا سکتا ہے۔ اے خدا۔

تحقیق المائدۃ:۔ دستر خوان، خوان جس پر کھانا چنا ہو، میز، یا ہر وہ چیز جس پر کھانا رکھا جائے، کسی مخصوص طرز کی تقیید کے بغیر۔

حَمْدًا کثیرًا، ایسی تعریف جس کی انتہا نہ ہو۔

طیبًا:۔ پاکیزہ، ریار سے خالی۔

مبارکًا: برکت والا، مبارک، ایسی برکت کہ جو ختم نہ ہو اسلئے کہ خدا کی نعمتیں لازوال ہیں تو اس پر تعریفیں بھی لازوال ہی ہوں گی۔

غیر مودَّعٍ، غیر منصوب حال واقع ہونے کی بنا پر، یا مرفوع مبتدا محذوف کی خبران کر ہو غیر مودع، اور مودع اسم مفعول چھوڑا ہوا مطلب ہوگا جو غیر متروک الطلب ہو۔

مستغنی: بے نیاز، غیر محتاج، یعنی ایسی تعریف جس کی ضرورت ہمیشہ باقی رہے، اس سے بے نیاز نہیں ہوا جا سکتا۔

ربّنا: اس میں حرف با پر تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں، حالت رفع میں عبارت اس طرح مقدر ہوگی ھو ربنا، یا انت ربنا۔ اور نصب اس بنیاد پر کہ حرف ندا محذوف مانیں یعنی یا ربنا، اور اگر اس کو مجرور مانیں تو یہ بدل واقع ہوگا من اللہ سے۔

(٦) حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِیِّ عَنْ بُدَیْلِ بْنِ مَیْسَرَةَ الْعُقَیْلِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَیْدِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ الطَّعَامَ فِیْ سِتَّةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَجَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَاَکَلَهٗ بِلُقْمَتَیْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ سَمّٰی لَکَفَاکُمْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ اصحاب کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک گاؤں

کا آدمی آیا اور اس نے کھانا دو لقموں میں کھالیا، آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ اعرابی بسم اللہ
کہہ لیتا تو کھانا تم سبھوں کو کافی ہو جاتا۔

تشریح یہ حدیث اس باب کی پہلی حدیث کے مفہوم پر مشتمل ہے کہ اگر کھانے کی شروعات بغیر اللہ کا نام لیے ہو تو اس میں بے برکتی ہوتی ہے شیطان کھانے میں شریک ہو جاتا ہے اس لئے کھانا ناکافی محسوس ہوتا ہے، چنانچہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے تو کھانے کی مقدار کافی تھی، کچھ اصحاب بھی آپ کے ساتھ تھے مگر ایک اعرابی آیا جسے کھانے میں شریک کیا گیا تو اس نے بغیر بسم اللہ کے شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ دو لقمے میں کھانا نمٹ گیا، نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ بسم اللہ پڑھ کے شریک ہوا ہوتا تو اتنی بے برکتی نہ ہوتی اور گو کہ کھانا کم ہی تھا مگر اتنا ناکافی محسوس نہ ہوتا۔

(۷) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ اَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَّاْكُلَ الْاَكْلَةَ وَيَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهٗ عَلَيْهَا۔

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ بندہ کے اس عمل سے راضی ہوتا ہے کہ وہ کھانا کھائے یا پانی پیئے اور اس پر خدا کا شکر ادا کرے۔

تحقیق العبد: الف لام جنس کیلئے یا استغراق کیلئے یعنی ان تمام بندوں سے جو ایسا کرتے ہیں
الاکلۃ: بفتح الہمزۃ، ایک دفعہ کھانا، بضم الہمزہ ہو تو معنی ایک لقمہ
الشربۃ: پینا۔ ایک گھونٹ پانی پینا۔

تشریح بندہ اللہ کا نام لیکر کھانا شروع کرے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور جب کوئی چیز کھائے یا پی کر مطمئن ہو تو اس پر خدا کا شکر ادا کرے، یہ عمل ایسا ہے جس پر خدا بھی بندہ سے راضی ہوتا ہے کہ اس نے منعم کے انعام پر شکر بجا لایا، جس کے بعد وہ مزید انعام کا مستحق بھی قرار پائیگا کیونکہ آیت قرآنی ہے کہ لئن شکرتم لازیدنکم، اگر تم شکر ادا کروگے تو تمہیں مزید دوں گا۔

باب ما جاء فی قدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ کے بیان میں

(۱) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْاَسْوَدِ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ طَهْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَدَحَ خَشَبٍ غَلِيْظًا مُضَبَّبًا بِحَدِيْدٍ فَقَالَ يَا ثَابِتُ هٰذَا قَدَحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ثابت روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک لکڑی کا پیالہ نکال کر دکھایا جو موٹا تھا اور لوہے کا پتر لگا ہوا تھا اور انھوں نے کہا ثابت! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ہے۔

تحقیق

قدح: بفتح القاف والدال وہ برتن جس سے پانی پیا جائے، ج اقداح، اور یہی لفظ بکسر القاف ہو تو اسکے معنی تیر۔

غلیظا: موٹا، بھاری، یہ قدح کی صفت ہے یعنی ایسا موٹا پیالہ جو لکڑی کا بنا ہوا تھا، یہ خشب کی صفت بیانیہ نہیں ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کہ موٹی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔

مُضبَّبًا: جو کسی لوہے یا دوسری چیز سے احاطہ کئے ہوتے ہو، اردگرد چڑھا ہوا ہو، اصل لفظ آتا ہے ضبۃ جمع ضبات وہ پتر یا کنارے کا حصہ جو کسی چیز کے گرد اسکو

مضبوط کرنے یا باندھنے کے لیے لگایا جاتے، اور یہ پیالہ وہ تھا جس پر لوہے کا پتر چڑھایا ہوا تھا،

تشریح نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس پیالہ سے پانی تناول فرماتے تھے وہ پیالہ بھاری بھرکم موٹا اور لکڑی کا بنا ہوا تھا جس کے کنارے لوہے کے پتر لگے ہوتے تھے، بعض روایتوں کے مطابق اس پر چاندی کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی پیالے تھے جن کے مختلف نام بھی تھے، الریان، مغیث اور مضبب۔

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پیالہ جس سے پانی پیتے چوڑا تھا، اس کی لمبائی چوڑائی کے مقابلہ میں کم تھی، ایک روایت کے مطابق خالص لکڑی کا بنا ہوا تھا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر چاندی کے پتر چڑھے ہوئے تھے اور لوہے یا چاندی کے یہ پتر یا تو آنحضورؐ نے خود اس کو ٹوٹنے سے محفوظ رکھنے کے لئے لگائے تھے یا پھر حضرت انس نے حفاظت کی خاطر لگا دیئے تھے۔

بہر صورت اس سے نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت تواضع، سادگی اور ترک تکلف کا اظہار ہوتا ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ وَثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْقَدَحِ الشَّرَابَ كُلَّهُ الْمَاءَ وَالنَّبِيْذَ وَالْعَسَلَ وَاللَّبَنَ ۔

حضرت انس کی ہی روایت ہے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالہ سے پینے کی تمام چیزیں یعنی پانی، نبیذ، شہد اور دودھ پلایا تھا۔

تشریح یہاں اس پیالہ کا تذکرہ ہے جو پہلی حدیث میں گذر چکا کیونکہ حضرت انس کے پاس وہی ایک پیالہ آنحضورؐ کا رہا تھا اسی میں سے آپ پینے کی جملہ انواع استعمال فرماتے تھے، پانی دودھ یا شہد اور نبیذ۔ نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں جس میں کچھ کھجوریں، کشمش یا شہد وغیرہ ڈالدیا جاتے تاکہ وہ میٹھا ہوجاتے، اور یہ پانی ایک دن میں استعمال ہوجایا کرتا تھا تین دن گذرنے پر اسکو آپ استعمال نہیں فرماتے تھے کہ مبادا اس میں تبدیلی آگئی ہو اور نشہ نہ پیدا ہوگیا ہو۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ صِفَةِ فَاكِهَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھلوں کے بیان میں

فَاكِهَة دراصل جملہ قسم کے ثمار (پھلوں) پر بولا جاتا ہے (امام راغب) ایک قول کے مطابق فاکہۃ کا اطلاق تمر یعنی کھجور اور رُمّان (انار) کے علاوہ پھلوں پر ہوگا، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اصل میں کھجور غذا ہے اور رمان دوا اس لئے یہ فاکہۃ کے ضمن میں نہیں آتے، لیکن اصل مدار عرف عام پر ہے، اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھل تناول فرمانے کا ذکر ہے کہ کون کون سے پھل تناول فرمائے، اس باب میں سات حدیثیں ہیں

(١) حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مُوْسَى الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ ۔

حضرت عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔

تحقیق

القثّاء:۔ بکسر القاف وضمہ، ثاء پر تشدید، ککڑی، کھیرا

الرطب:۔ تازہ کھجور، تر کھجور، عبارت کا مفہوم یوں ہوگا۔ القثاء مصحوبًا بالرطب۔

تشریح:۔ ککڑی کی خاصیت برودت ہے اور کھجور گرم، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

ککڑی استعمال فرماتے تو اس کے ساتھ کھجور بھی استعمال فرماتے تاکہ دونوں ایک دوسرے کے لئے مصلح کا کام دے جس سے بارد کی مضرت بھی کم ہو اور کھجور کی حرارت بھی ختم ہو۔

اس حدیث سے دو باتیں مستفاد ہیں ایک یہ کہ دو طرح کی چیزوں کا استعمال بیک وقت تواضع کے منافی نہیں، دوسرے یہ کہ کھانوں کے معاملہ میں ان چیزوں کی خاصیت اور صفات کی رعایت جائز ہے جو طبی نقطہ نظر سے بہتر ثابت ہو تاکہ اعتدال رہے اور کھانا نقصان دہ نہ بنے۔

(۴) حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْكُلُ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ کھجور کے ساتھ کھاتے تھے۔

تحقیق

البِطّیخ :۔ بروزن سکّین اس کو خربوزہ اور تربوز دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، ایک کو الاصفر کہتے ہیں جس کو عربی میں الخربز بھی کہتے ہیں جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے، دوسرے کو الاخضر سے تعبیر کرتے ہیں، یہاں پر دونوں مراد ہوسکتا ہے، خربوزہ بھی اور تربوز بھی، ایک قول کے مطابق اس سے مراد خربوزہ ہی ہے جس کی تائید دوسری روایت سے ہو رہی ہے، اور وہ رطب بارد ہوتا ہے جو کھجور کی حرارت کے ساتھ اعتدال میں آتا ہے، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آنحضور نے دونوں کا استعمال کھجور کے ساتھ فرمایا ہو، ایک دفعہ خربوزہ اور کھجور اور دوسری دفعہ تربوزا اور کھجور، کسی ایک کی تخصیص کی چنداں ضرورت نہیں۔

(۳) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ يَعْقُوْبَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ حُمَيْدًا يَقُوْلُ اَوْ قَالَ حَدَّثَنِيْ حُمَيْدٌ قَالَ وَهْبٌ وَكَانَ صَدِيْقًا لَهُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْخِرْبِزِ وَالرُّطَبِ .

حضرت انس کی روایت ہے کہ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خربوزہ اور کھجور ایک ساتھ کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خربوزہ اور کھجور ایک ساتھ تناول فرمایا ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الثَّمَرِ جَاؤُا بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا أَخَذَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي ثِمَارِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَمُدِّنَا ، اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَإِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهِ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ قَالَ ثُمَّ يَدْعُو أَصْغَرَ وَلِيدٍ يَرَاهُ فَيُعْطِيهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ .

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ جب لوگ کوئی نیا پھل دیکھتے تو اسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر پیش کرتے جب آپ اسے لیتے تو یہ دعا پڑھتے

اے اللہ ہمارے پھلوں میں برکت دے اور ہمارے شہر میں اور ہمارے (پیمانے) صاع اور مد میں برکت عطا فرما، اے خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے بندے آپ کے دوست اور آپ کے نبی تھے، اور میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انھوں نے تو مکہ کیلئے دعا مانگی تھی اور میں تجھ سے مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں اس مقدار میں جس کے لئے انھوں نے مکہ کیلئے دعا مانگی اور مزید اتنی ہی مقدار میں (مدینہ کے لئے) راوی کہتے ہیں کہ پھر جو چھوٹا بچہ نظر آتا اسے بلاتے اور پھل اس کو عنایت فرما دیتے۔

تحقیق صاعنا ومدنا: صاع اور مد دو پیمانے ہیں جو مدینہ منورہ میں ناپنے کیلئے استعمال ہوتے تھے اور ایک صاع چار مد کے برابر ہوتا ہے، مُد کی مقدار میں اختلاف ہے، امام شافعی اور علماء حجاز کہتے ہیں وہ ایک رطل اور تہائی کی مقدار کا ہوتا تھا، امام ابو حنیفہ اور فقہاء عراق کہتے ہیں دو رطل کو مد کہا جاتا تھا، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اصل میں آنحضور کے زمانہ میں جو مد رائج تھا مدینہ میں وہ اہل مدینہ نے ضائع کر دیا اس لئے کوئی حتمی پیمانہ متفق علیہ قرار نہیں پا رہا ہے۔

خلیلک :- خلیل مشتق ہے خُلة بضم الخاء سے بمعنی دوستی و محبت، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت ابراہیم کیلئے خلیلک کہا اور اپنے لئے اس لفظ کو چھوڑ دیا باوجودیکہ آپ بھی خلیل اللہ ہی ہیں بلکہ آپ کا درجہ محبوبیت میں بلند ہے مگر چونکہ آپ دعا فرما رہے ہیں اس لئے اس کا تقاضہ تواضع اور انکسار کا تھا اسلئے اپنے لئے اس کو ظاہر نہیں فرمایا اور ساتھ ہی اپنے جد امجد حضرت ابراہیم کے تئیں ادب کا اظہار بھی ہے

اصغر ولید، چھوٹا بچہ، جو مسلمان بچہ نظر آتا، نہ کہ اہل بیت میں سے ہی۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ کرام نیا پھل لاتے تو آپ دعا فرماتے پھر چونکہ پہلا پھل ہوتا اس لئے خود کھانے کے بجائے کسی چھوٹے بچے کو بلا کر اس کو عنایت فرما دیتے کہ اس میں دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینے کا جذبہ بھی ہے اور بچوں کو چونکہ زیادہ نئی چیزوں کی رغبت ہوتی ہے اس لئے آپ کی شفقت مزید ہوتی اور

بچے کو ہی دیدیتے۔

آنحضورؐ نے مدینہ کے لئے جو دعائیں فرائی ہیں وہ وہی ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کیلئے کی تھیں جس کا تذکرہ قرآن میں بھی ہے البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی دعا کی کہ حضرت ابراہیم کی دعا کا دگنا حصہ مدینہ کے لئے میری جانب سے ہے چنانچہ دونوں حضرات کی دعائیں قبول ہوئیں اور دونوں جگہوں پر لوگوں کی آمدورفت زیادہ ہوئی اور وہاں کے پھلوں میں برکت ہوتی ہے جو ہمیشہ کے لئے برقرار ہے اور اسی طرح وہاں کی آمدنی میں اضافہ ہوا جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں بہت ہی واضح رہا ہے۔

(۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ الْمُخْتَارُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ بَعَثَنِيْ مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَعَلَيْهِ اَجْرٌ مِنْ قِثَّاءٍ زُغْبٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْقِثَّاءَ فَاَتَيْتُهُ بِهٖ وَعِنْدَهٗ حِلْيَةٌ قَدْ قَدِمَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَمَلَاَ يَدَهٗ مِنْهَا فَاَعْطَانِيْهِ ۔

ربیع بنت معوذ بن عفراء روایت کرتی ہیں کہ معاذ بن عفراء نے مجھے تازہ کھجور کا ایک طباق بھیجا جن پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیاں بھی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ ککڑی مرغوب تھی اس لئے وہ آپ کی خدمت میں لے آئی ان کے سامنے کچھ زیورات رکھے تھے جو بحرین سے آئے ہوئے تھے تو آپ نے ان زیورات میں اپنا ہاتھ بھر کر مجھے اس میں سے عنایت فرما دیا۔

تحقیق

ربیع بنت معوذ:۔ راوی یہ ہیں اور ان کے پاس ان کے چچا معاذ بن عفراء نے کھجوریں بھیجی تھیں، ان کے والد معوذ اور چچا معاذ دونوں حضرات غزوہ بدر میں ابوجہل کے قتل میں شریک تھے۔

قناع:۔ بکسر القاف، طبق جس میں کھایا جائے یا جس میں کھانا وغیرہ ہدیۃً کہیں

بھیجا جائے۔

اَجْر:۔ بفتح الہمزۃ وسکون الجیم جمع ہے اس کی واحد جرو یا بکسر الجیم بھی ہو سکتا ہے چھوٹی چیز، کسی بھی شئی کی ہو، یہاں چھوٹی چھوٹی ککڑیاں مقصود ہیں۔

زُغْب:۔ بضم الزاء وسکون الغین یہ ازغب کی جمع ہے معنی روئیں والا، جو ریشے چھوٹی ککڑی میں ابتداء ہی میں ظاہر ہوتے ہیں، یہ ترکیب میں یہاں مرفوع ہوگا تو صفت ہوگا اجر کی اور اگر مجرور کہیں تو صفت واقع ہوگا قثاء کی۔

حلیۃ:۔ بضم الحاء وکسرہا زیور، جمع حُلِیّ، ہر وہ چیز جو معدنیات یا پتھر کی بنی ہوئی ہو اور اسے زینت کے لئے استعمال کیا جائے، یہاں حلیۃ واحد ہے اور جنس کے معنی میں ہے

قدمت:۔ قدِم قدوما، باب سمع سے آنا، سفر سے لوٹنا، یہاں مراد ہے کہ آپؐ تک جو بحرین سے آئے یا پہونچے تھے۔

اعطانیہ: مجھے عنایت فرمایا، باب افعال سے دینا، یہاں متعدی بدو مفعول ہے ایک یای اور دوسرا ہ مجھے وہ زیور دیا۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی پسند تھی اور اسے کھجور کے ساتھ استعمال فرماتے تھے، یہ دونوں اشیاء طبی طور پر بیحد مفید ہیں، تو جب حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے چچا نے کھجوریں اور روئیں دار یعنی کچی ککڑیاں بھیجی ہیں تو انھوں نے آنحضور کی خدمت میں پیش کیا کہ آپ کو یہ مرغوب تھی، آپ نے قبول فرمایا اور ساتھ ہی آپ نے کچھ زیورات مٹھی بھر کے عنایت فرمائے جو بحرین سے آپ کے پاس آئے ہوئے تھے، یہ آپ کی نہایت شفقت تھی اور عورت کے ساتھ اسی کی مناسبت سے برتاؤ تھا، زیورات انھیں پسند ہوتے ہیں تو آپ نے وہ ان کو دیدیا کہ یہ عورتوں ہی کا حق ہوتا ہے۔

(۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَاَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَيْلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَاَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِيْ مِلْاَ كَفِّهٖ

خِلَبًا اَوْ قَالَتْ ذَهَبًا ۔

حضرت ربیع بنت معوذ کہتی ہیں کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تازہ کھجوروں اور روئیں دار چھوٹی ککڑیوں کو لے کر حاضر ہوئی تو آپ نے مجھے ہتھیلی بھر زیور یا سونا عنایت فرمایا۔

تشریح یہ روایت اسی واقعہ کا بیان ہے جو پہلے مذکور ہوا، یہاں مختصر طور پر انھوں نے کہدیا کہ میں لے کر حاضر ہوئی بقیہ تفصیلات چھوڑ دیں، البتہ اس روایت میں کسی راوی کو شک ہے کہ یا تو حضرت ربیع نے یہ کہا تھا کہ زیور دیا یا یہ کہا تھا کہ سونا دیا، مقصود بہر حال ایک ہی ہے۔

باب فی صفة

شراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کی چیزوں کے بیان میں

شراب ماخوذ ہے شرب سے، شرب کے معنی پینا اور شراب کے معنی وہ چیز جو پی جاتے مائع اشیاء میں سے، شراب کے معنی شربت کے بھی آتے ہیں، کوئی سا بھی مشروب۔

اس باب میں ذکر ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کی چیزوں کا، پینے کے طرز انداز وغیرہ کے سلسلہ میں) اگلا باب ہے، یہاں تو یہ بتا رہے ہیں کہ آپ کون سی چیزیں پینا پسند فرماتے تھے مثلاً ٹھنڈا پانی، دودھ، شہد یا اسی طرح کی دوسری چیزیں، اس باب میں دو حدیثیں ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوُ الْبَارِدُ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کی چیزوں میں میٹھی اور ٹھنڈی چیز سب سے زیادہ پسند تھی۔

تحقیق

احب:- پسندیدہ مرغوب، یہ کان کا اسم ہے اس لئے مرفوع ہوگا۔

الحلو البارد:- منصوب ہے کان کی خبر ہونے کی وجہ سے، میٹھا اور ٹھنڈا،

یہاں مراد پانی ہے جیساکہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ آپ کے لئے میٹھا پانی بیوت السقیا نامی چشمہ سے لایا جاتا تھا اور یہ میٹھا پانی بمقابلہ کھارا پانی ہے یعنی جو صاف ستھرا اور ٹھنڈا پانی ہوتا وہ آپ کو مرغوب تھا، علامہ مناوی نے الحلو البارد کی تشریح یوں کی ہے الماء الممزوج بعسل اوالمنقوع بتمر او زبیب یعنی ایسا پانی جس میں شہد، کھجور یا کشمش کی آمیزش ہو۔ گویا الحلو البارد سے شکر آمیز پانی مراد ہو سکتا ہے نہ کہ پھیکا پانی۔

تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور ٹھنڈا پانی مرغوب تھا، ایسا پانی جو کھارا اور نمکین نہ ہو اور ٹھنڈا بھی ہو آپ اسے پسند فرماتے تھے یا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ آپ پانی میں کوئی میٹھی چیز ملا کر پسند فرماتے تھے۔

اسی طرح آنحضورؐ کو دودھ بھی ٹھنڈا ہی مرغوب تھا اور کبھی اس میں پانی ملا کر بھی نوش فرماتے تھے جیساکہ بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے، یہاں باب کے تحت اس حدیث کا مفہوم عام ہوگا کہ آپ میٹھا پانی پسند فرماتے تھے جو ٹھنڈا ہو جو پانی نمکین نہ ہو اور ایسا پانی بھی جس میں کوئی میٹھی چیز ملائی ہوئی ہو یا دودھ ملایا ہوا ہو مگر بہر صورت ہو ٹھنڈا، اور اس کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ عرب کے لوگ عام طور پر مزاج کے لحاظ سے گرم ہیں اس لئے وہاں ٹھنڈا مشروب ہی مناسب ہوتا۔

(۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَنْبَانَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُمَرَ هُوَ ابْنُ اَبِيْ حَرْمَلَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَلٰى مَيْمُوْنَةَ فَجَاءَتْنَا بِاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَخَالِدٌ عَلٰى شِمَالِهٖ فَقَالَ لِيَ الشَّرْبَةُ لَكَ فَاِنْ شِئْتَ اٰثَرْتَ بِهَا خَالِدًا فَقُلْتُ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ عَلٰى سُؤْرِكَ اَحَدًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ طَعَامًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ، وَمَنْ سَقَاهُ اللّٰهُ لَبَنًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

کہ میں سمجھتا ہوں وہ دو سنتیں مختصر ہوا کرتیں۔

تشریح امام بخاری و مسلم کے طریق سے یہ ثابت ہے کہ فجر کی دو سنتیں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مختصر پڑھا کرتے تھے، اس لئے مختصر پڑھنا ہی مسنون ہوگا۔

ابن عبدالبر مالکی نے امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ ان دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا ہی اولیٰ ہے، جب کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملائی جائے مگر ہو بہت چھوٹی سورتیں۔

(۲۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ بِرَكْعَتَيِ الْغَدَاةِ وَلَمْ أَكُنْ أَرَاهُمَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۸ رکعات (سنت مؤکدہ) یاد کی ہیں، دو ظہر سے پہلے دو اس کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد، ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے دو رکعت، فجر کے بھی بتائے تھے مگر میں نے ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھا نہیں ہے

تشریح حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میری بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے دو رکعت سنت مؤکدہ فجر کی بھی بتائی تھی مگر میں نے اسے دیکھا نہیں، جب کہ روایات سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ فجر کی سنت کا تمام سنتوں سے زیادہ اہتمام فرماتے اور پابندی سے ادا کرتے، ابن عمرؓ کا نہ دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ فجر کی یہ دو رکعتیں آنحضورؐ گھر پر ہی پڑھا کرتے تھے۔

دودھ عطا کرے تو یہ دُعا پڑھنی چاہئے، اے اللہ اس میں ہمارے لئے برکت دے اور زیادتی بھی نصیب فرما۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کھانا اور پانی دونوں کو کافی ہو جائے سوائے دودھ کے۔

تحقیق انا علی یمینہ، میں آنحضورؐ کے دائیں جانب تھا اور حضرت خالد کے لئے لفظ آیا عن شمالہ، اس فرق کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی قرابت آنحضورؐ سے زیادہ ہونے کو بتانا چاہتے ہوں، ورنہ اس لفظی تفریق کا مقصد تفنن فی العبارۃ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اور خالد دونوں آپ کے ساتھ موجود تھے۔

الشربة لك، پینے کا حق تمہارا ہے دائیں جانب ہونے کی وجہ سے۔

آثرت، ایثار سے ترجیح دینا۔

تشریح حضرت ابن عباسؓ محدثین کے یہاں عبداللہ بن عباس کو ہی شامل ہوتا ہے ورنہ ایک روایت میں یہی واقعہ فضل بن عباس سے مروی ہے، علماء کہتے ہیں کہ ممکن ہے دو واقعے ہوں ایک حضرت عبداللہ کا دوسرا فضل کا، ورنہ دوسری روایت کی بنیاد پر یہاں بھی فضل بن عباس ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

ابن عباس اور خالد بن ولید آنحضورؐ کے ساتھ ہیں، ابن عباس آنحضورؐ سے رشتہ کے لحاظ سے قریب ہیں اور خالدؓ ابن عباس سے بڑے بھی ہیں اور اپنی قوم کے با اثر معزز شخصیت ہیں مگر چونکہ یہاں ابن عباس آپ کی دائیں جانب ہیں اس لئے آپ نے فرمایا کہ حق تمہارا ہے مگر ساتھ ہی خالد کی دلجوئی اور ان کی طیب خاطر پیش نظر ہے، اس لئے آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تو تمہارا ہی ہے مگر تمہاری مرضی ہو تو خالد بن ولید کو اپنے اوپر ترجیح دے کر اسے ہی پینے دو، اس پر ابن عباس نے کہا کہ آپؐ کے جھوٹے دودھ کی میرے نزدیک وہ حیثیت ہے کہ میں کسی کو بھی اس پر ترجیح نہیں دے سکتا، چنانچہ آپؐ نے اس پر نکیر بھی نہیں فرمائی۔

باب کی مناسبت کا حصہ حدیث کا آخری جزء ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ دودھ ایک

ایسی چیز ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا بدل ہوجاتا ہے، کہ یہ غذا بھی ہے اور مشروب بھی اس سے دودھ کے ساتھ رغبت کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز کھانے کا بھی کام کرے اور پینے کا بھی۔

قال ابو عیسیٰ:

امام ترمذی اس عبارت سے دو باتیں واضح کر رہے ہیں ایک تو یہ کہ حضرت ابن عباس اور خالد بن ولید ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی کے گھر میں داخل ہوئے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی دونوں حضرات کی خالہ ہوتی ہیں، جس طرح یزید بن اصم کی خالہ لگتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں دوسرے طریقوں سے اختلاف پایا جا رہا ہے، ایک طریق میں تو آتا ہے عن علی بن زید عن عمر بن حرملة اور محدثین نے شعبہ کی روایت سے جو نقل کیا ہے اس میں ہے عن علی عن عمرو بن حرملة جب کہ صحیح وہ ہے جو امام ترمذی نے نقل کی ہے۔ عن عمر بن ابی حرملة۔

باب ما جاء فی شرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے طریقہ کے بیان میں

الشرب:۔ شین پر تینوں حرکات ہو سکتے ہیں جس کے معنی ہیں پینا (بیہقی) ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس پر مشہور لغت شین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے۔

اس باب میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشروبات کو کس طرح پیا کرتے تھے پینے کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اس میں دس حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا هُشَیْمٌ اَنَا عَاصِمُ الْاَحْوَلِ وَمُغِیْرَةُ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر نوش فرمایا ہے۔

تشریح زمزم مکہ میں مشہور کنواں ہے اس کو کہا جاتا ہے اور کبھی زمزم کے پانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی پینے کے سلسلہ میں مختلف روایتیں آتی ہیں، ایک تو یہی ہے کہ آپ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، اور بھی دیگر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بلا تخصیص پانی کھڑے ہو کر پیا ہے، جب کہ دوسری طرف امام مسلم کی وہ قولی روایت موجود ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کو منع فرمایا، اس میں تطبیق کی مختلف صورتیں

بیان کی گئی ہیں ۔

۱ :- نہی عن الشرب قائماً تنزیہی ہے اور کھڑے ہو کر پینے کا عمل جواز بتانے کیلئے ہے۔

۲ :- نہی ادب کے لحاظ سے ہے کہ بیٹھ کر پینے میں اطمینان وسکون ہوتا ہے اور مضر نہیں ہوتا (محی السنۃ)

۳ :- آنحضورؐ عام طور پر بیٹھ کر ہی نوش فرماتے تھے، ایک آدھ بار کھڑے ہو کر پیا ہے تو صرف جواز بیان کرنے کے لئے۔ (مجدالدین فیروزآبادی)

۴ :- نہی ناسخ ہے یا منسوخ ہے ۔

۵ :- کھڑے ہو کر پینا عذر کی حالت میں، ورنہ عام حالات میں بیٹھ کر پینے کا حکم ہے ۔

۶ :- امام نووی نسخ کے سخت مخالف ہیں اور کہتے ہیں تطبیق ہی ضروری ہے وہ اس طرح کہ بیٹھ کر پینا مستحب قرار پائیگا ۔

۷ :- زمزم کھڑے ہو کر پینا چاہئے، اسی طرح ما بقی من الوضوء بھی اور باقی پانی بیٹھ کر پینا چاہئے اور اسی قول کو ملا علی قاری اپناتے ہوتے کہتے ہیں کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا ہی مسنون ہے اس میں اتباع سنت ہے کہ یہی طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رہا۔ کہتے ہیں کہ اس کی تائید حضرت علی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ البتہ ابن حجر حنفی کہتے ہیں زمزم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا ۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر (دونوں حالتوں میں) پیتے ہوئے دیکھا ہے

تشریح اس روایت میں عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ پر محدثین کے یہاں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے کہ اس میں راوی کون ہیں، بیشتر حضرات کہتے ہیں کہ یہ

عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں، اس طرح یہ حدیث متصل ہوجاتی ہے اور قابل حجت بھی، چنانچہ ابوداؤد اور نسائی میں تو وضاحت کے ساتھ اخیر میں آتا ہے عن جدہ عن عبداللہ بن عمرو بن العاص،

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کی دونوں صورتوں کو جائز فرمایا ہے، گو کہ کھڑے ہو کر پینا خلاف اولیٰ ہوگا کہ آپ نے کھڑے ہو کر بہت کم کوئی مشروب نوش فرمایا ہے وہ بھی عذر کی وجہ سے، یا ضرورت کے تحت یا جواز بیان کرنے کے لئے۔

(۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَاصِمِ الْأَحْوَلِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَقَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا تو آپ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

(۴) حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَمُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ قَالَا أَنْبَأَنَا ابْنُ الْفُضَيْلِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ قَالَ أُتِيَ عَلِيٌّ بِكُوزٍ مِنْ مَاءٍ وَهُوَ فِي الرَّحَبَةِ فَأَخَذَ مِنْهُ كَفًّا فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ ثُمَّ شَرِبَ مِنْهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوءُ مَنْ لَمْ يُحْدِثْ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ

نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک کوزہ پانی لایا گیا درانحالیکہ وہ کوفہ کے میدان میں تھے، تو انھوں نے اس میں سے ہتھیلی بھر پانی لیا اور اس سے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور کلی کی اور ناک میں ڈالا اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں اور سر پر پھیرا پھر کھڑے ہو کر پانی پی لیا۔ اور یہ کہا کہ اس شخص کا وضو ہے

جو پہلے سے با وضو ہو، میں نے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے

تحقیق الرَّحبَة :- بفتح الراء وسکون الحاء او بفتحہ، کشادہ جگہ، صحن، میدان، یہاں مراد ہے رحبۃ الکوفہ، اور یہ اصل میں مسجد کوفہ کے وسط میں صحن کا حصہ تھا جہاں حضرت علی رضہ بیٹھتے اور وعظ کہتے تھے۔

ومسح وجھہ :- مسح کے اصل معنیٰ ہیں ہاتھ پھیرنے کے، لیکن یہاں باتفاق علماء غسل خفیف کے معنیٰ میں ہے یعنی پانی لے کر ہلکے سے ہاتھ چلانا، پانی بہانے سے کم درجہ کا اس طرح یہ بھی دھونے کے معنیٰ میں ہوگا جیسا کہ بعض روایتوں میں آتا ہے۔

تشریح حضرت علی رضی اللہ عنہ وضو کرکے یہ بتلا رہے ہیں کہ یہی طریقہ وضو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رہا ہے، اس میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں ہے، لیکن دوسرے طریق سے یہی روایت ایسی آئی ہے جس میں پاؤں کے دھونے کا تذکرہ ہے، یہ تجدید وضو ہے کہ پہلے سے وضو ہو پھر وضو کے لئے محدث کے وضوء کی طرح مکمل دھونا نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا درست ہے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس سے دو باتیں اخذ ہوتی ہیں جواز شرب یا استحباب، بہرحال جواز میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ احناف کے یہاں وضو کے باقی پانی کو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے، علامہ شامی نے تو اس کو شفا امراض کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَيُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي عِصَامٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا إِذَا شَرِبَ وَيَقُولُ هُوَ أَمْرَءُ وَأَرْوَى.

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے ہوئے تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ طریقہ زیادہ خوشگوار اور سیراب کرنے والا ہے

تحقیق

یتنفس:۔ باب تفعل سے سانس لینا

فی الاناء:۔ برتن میں، مراد یہ کہ برتن سے پانی پیتے وقت درمیان میں رک کر پیتے تھے اور برتن کو منھ سے ہٹا کر، یہ مقصد نہیں کہ برتن ہی میں سانس لیتے تھے، اور اس مراد کی تعیین دیگر روایتوں سے بھی ہوتی ہے جس میں وضاحت ہے کہ تین سانسوں میں پیتے۔

اَمْرَأُ:۔ امرء کے معنی خوشگوار، زود ہضم، اچھا، جو معدہ پر بھاری نہ ہو، یہی مفہوم ادا ہوتا ہے آیت فکلوہ هنیأ مریٔا میں۔

اَرْوٰی:۔ باب سمع ریّ سے سیراب ہونا، یہ اسم تفضیل ہے بمعنی زیادہ سیرابی والا، پیاس بجھانے والا۔

تشریح

اس روایت سے اور اسی طرح کی دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول پانی پینے میں یہ رہا کہ درمیان میں رک رک کر پیتے اور سانس لیتے، اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس طرح سانس برتن میں لینے میں پانی میں تغیر پیدا ہوجاتا ہے اور نقصان دہ ہوسکتا ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ایک سانس میں پانی پینے میں دھچکا بھی لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے، کئی سانسوں میں یہ اندیشہ نہیں رہتا اس روایت میں تو صراحت ہے کہ تین دفعہ سانس لے کر پیتے تھے۔

(۶) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ رِشْدِیْنِ بْنِ کُرَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا شَرِبَ یَتَنَفَّسُ مَرَّتَیْنِ۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے تو دو دفعہ سانس لیتے تھے۔

تشریح

اس سے قبل کی روایت میں آیا تھا کہ تین سانسوں میں پیتے تھے اور اس میں وضاحت ہے کہ دو سانسوں میں پیتے، تو محدثین دونوں حدیثوں کی تطبیق یوں کرتے ہیں کہ عام طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تین سانسوں میں پیتے، البتہ

بعض اوقات دو سانسوں میں بھی، مقصد یہ ہے کہ ایک سانس میں پانی نہ پیا جائے چنانچہ ابن عباس ہی کی روایت ترمذی نے نقل کی ہے آنحضورؐ نے فرمایا اونٹ کی طرح پانی ایک سانس میں مت پیا کرو البتہ دو یا تین سانسوں میں پی لیا کرو

دوسری بات یہ ہے کہ جب آدمی پانی پیتے ہوئے درمیان میں دو سانس لیتا ہے تو اس طرح پانی پینا تین سانسوں میں متحقق ہوتا ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں رہا۔

(۷) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمْرَةَ عَنْ جَدَّتِهٖ كَبْشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِیْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهٗ.

حضرت کبشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے تو لٹکے ہوئے مشکیزہ کے منھ سے ہی پانی کھڑے ہو کر پی لیا۔ میں گھڑے کے منھ تک گئی اور اسے کاٹ لیا۔

تشریح آپؐ نے مشکیزہ کے منھ سے ہی پانی نوش فرمایا اور کھڑے ہو کر، یہ جواز بتلانے کے لئے ہے یا کسی عذر کی بناء پر ورنہ حدیث میں وارد ہے کہ آپ نے پانی کے برتن میں منھ ڈال کر پینے سے منع فرمایا ہے تو ثابت ہوا کہ ممانعت حرمت کیلئے نہیں ہے نہی تنزیہی ہے

حضرت کبشہؓ نے جب آنحضورؐ کو اس طرح پانی پیتے ہوئے دیکھا تو تبرک کے طور پر مشکیزہ کے اس حصہ کو جہاں آپ کا منھ لگا تھا کاٹ کر محفوظ رکھ لیا، یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ اس جگہ دوسرے کا منھ نہ لگنے پائے، گویا ادباً انھوں نے ایسا کیا۔

(۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِیُّ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلَاثًا وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلَاثًا ۔

ثمامہ ابن عبداللہ کی روایت ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ پانی تین سانسوں میں پیتے اور یہ کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی برتن سے تین سانسوں میں پیا کرتے تھے

(۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ زَيْدٍ ابْنِ ابْنَةِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ وَقِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ وَهُوَ قَائِمٌ فَقَامَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى رَأْسِ الْقِرْبَةِ فَقَطَعَتْهَا .

انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے گھر داخل ہوئے وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا تو آپ نے اس میں سے کھڑے ہو کر نوش فرما لیا حضرت ام سلیمؓ اٹھیں اور مشکیزہ کے منہ کو کاٹ لیا۔

تشریح اسطرح کا واقعہ پہلے گذر چکا یہاں بھی ام سلیم کے یہاں آپ نے مشکیزہ کے منہ سے ہی پانی پیا اس کے بعد حضرت ام سلیم نے اس حصہ کو جہاں سے آپ نے پیا تھا کتر کر رکھ لیا ابن حبان نے کتاب اخلاق النبی میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد مزید حضرت ام سلیم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ کترنا اس لئے ہے تاکہ آپ کے بعد کوئی اس میں سے نہ پی سکے

(۱۰) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ نَصْرٍ النَّيْسَابُوْرِيُّ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ حَدَّثَتْنَا عُبَيْدَةُ بِنْتُ نَائِلٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِيْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَشْرَبُ قَائِمًا . قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ عُبَيْدَةُ بِنْتُ نَابِلٍ .

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی کھڑے ہو کر پی لیا کرتے تھے۔

تشریح یہ عام عادت مبارکہ نہیں تھی بلکہ احیاناً تھا اور کان کا لفظ استمرار یا تکرار کیلئے مستعمل نہیں ہے عند جمہور المحدثین قال ابوعیسیٰ :۔ امام ترمذی اس حدیث کی سند میں ایک راویہ عبیدہ بنت نائل کے بارے میں کہتے ہیں کہ بعض محدثین یا اصحاب رجال نائل کے بجائے نابل بالباء نقل کرتے ہیں، ابن حجر عسقلانی اس راویہ کی تصحیح نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں انها مقبولة من السابعة ..

بَابُ مَاجَاءَ فِی تَعَطُّر رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطر استعمال کرنے کے بیان میں

التعطر:۔ عطر استعمال کرنا، اس کا ایک مفہوم ہے خوشبو لگانا۔ عطر بکسر العین خوشبو
مختلف صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے خوشبو آیا کرتی تھی
ان کا پسینہ بھی خوشبودار تھا، وہ مکمل طور پر معطر تھے اس کے باوجود آپ نے عطر و خوشبو استعمال
فرمایا تھا، محدثین کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بول و براز بھی پاک ہیں اس پر
جملہ متقدمین و متاخرین کا اتفاق ہے اور یہ آنحضور کی خصوصیات میں سے ہے، ایک وجہ یہ بھی
بتائی جاتی ہے کہ آپ کے پیٹ کو چاک کرکے اس میں سے آلودگی ختم کردی گئی تھی اور اندرونی
حصہ دھو دیا گیا تھا۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَغَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَنْبَأَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّبَیْرِیُّ
حَدَّثَنَا شَیْبَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْمُخْتَارِ عَنْ مُوْسَی بْنِ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ
عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُکَّۃٌ یَتَطَیَّبُ مِنْھَا۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سُکہ
تھا آپ اس میں سے خوشبو لگایا کرتے تھے۔

تحقیق سُکہ: بضم السین اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ایک عطردان، وہ ڈبیہ جس
میں خوشبو رکھی جائے، دوسرے ایک قسم کی مٹی جو مشک سے تیار ہوتی تھی
چنانچہ نہایہ میں ہے طیب معروف یضاف الی غیرہ من الطیب ویستعمل ایک طرح

کی مشہور خوشبو جو کسی دوسری خوشبو میں ملا کر استعمال کی جاتی ہے۔ ملا علی قاری پہلے معنی کو ترجیح دیتے ہیں، عسقلانی کہتے ہیں کہ وہ ایک طرح کی مرکب خوشبو ہوتی ہے۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عطر و خوشبو استعمال فرماتے تھے جو مشک و عنبر سے تیار ہوتی تھی، جیسا کہ حضرت عائشہ رض کی ایک روایت ہے کہ آپ مشک وغیرہ کی وہ خوشبو استعمال فرماتے جو مردوں کے لئے مناسب ہوتی، یعنی جس میں رنگ نہ ہوتا صرف خوشبو ہوتی تھی، مشک، عنبر یا عود کی طرح۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَا يَرُدُّ الطِّيْبَ وَقَالَ اَنَسٌ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيْبَ ۔

ثمامہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے، اور یہ کہا کرتے تھے کہ آنحضور بھی خوشبو کو لینے سے انکار نہیں فرماتے تھے۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے دیئے ہوئے ہدیہ کو خاص طور پر عطر کو لوٹاتے نہیں تھے بلکہ اسے قبول فرما لیتے تھے، اسی طرح بعض دوسری چیزوں کے بارے میں روایت آتی ہے کہ آپ ان چیزوں کے واپس لوٹا دینے کی رائے نہیں رکھتے تھے خوشبو کا ہدیہ جو مقدار میں کم ہو جس سے نفع بھی ہو ہدیہ دینے والے کو واپس کر دینے میں اسے رنج ہو سکتا ہے، اس لئے آپ فرماتے کہ یہ چیزیں قبول کر لیا کرو، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب ان چیزوں کا رواج نہیں ہو۔

(۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ : الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَالطِّيْبُ وَاللَّبَنُ ۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں لوٹانی نہیں چاہئے، تکیہ، تیل و خوشبو اور دودھ۔

تحقیق | الوسائد: واحد وِسادۃ ۱۔ تکیہ جو سوتے وقت سر کے نیچے رکھا جائے۔ ۲۔ گدا۔ الدّهن: تیل، خوشبودار تیل مراد ہے اور آگے جو الطیب ہے وہ گویا اس کی وضاحت ہے درمیان میں واؤ مغایرت کے لئے نہیں ہے، بعض روایتوں میں الدھن ہی ہے طیب کا تذکرہ نہیں اس سے ظاہر ہے کہ یہاں خوشبو یا خوشبودار تیل مراد ہے۔

تشریح | یہ چیزیں کم خرچ اور بقول فقہاء معظم ومشرف ہیں اس لئے ان کے قبول کرنے میں ہدیہ دینے والے کی دلجوئی ہو جاتی ہے اور اس پر بار نہیں پڑتا اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چیزیں قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے، ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں کہ ان تین چیزوں کی طرح ہر وہ چیز ہوگی جو کم قیمت ہوں اور جس کے دینے یا لینے میں عرف عام میں احسان نہ کیا جائے، ان کا بھی یہی حکم ہوگا لا تُرَدّ۔

(۴) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طِيْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهٗ وَخَفِيَ لَوْنُهٗ وَ طِيْبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِيَ رِيْحُهٗ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنِ الطُّفَاوِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ بِمَعْنَاهُ۔

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے کہ جس کی بو تو نمایاں اور رنگ مخفی رہے اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے کہ جس میں رنگ ظاہر ہو اور خوشبو واضح نہ ہو۔

تشریح | خوشبو دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جس کا رنگ زیادہ ہو خوشبو کم اور ایک

وہ جس کی خوشبو زیادہ ہو اور رنگ بہت کم، اسی مناسبت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کیلئے وہ خوشبو ہونی چاہیے جو ان کے لائق ہو کہ جس میں خوشبو تو ہو رنگ نمایاں نہ ہو کیونکہ رنگ سے زینت عورتوں کی بنتی ہے، اسی طرح عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس میں رنگ نمایاں ہو یہ ان کے لئے مناسب ہے اور خوشبو کم ہو کہ عورتوں کے لئے خوشبو لگا کر نکلنا ممنوع ہے، البتہ اگر وہ گھر ہی میں ہوں باہر نکلنا نہ ہو تو پھر جیسی چاہے خوشبو استعمال کریں۔

جس خوشبو کا رنگ زیادہ ظاہر نہیں ہوتا جیسے گلاب، مشک، عنبر یا کیوڑہ وغیرہ، اور جس کا رنگ زیادہ ہوتا ہے وہ زعفران، صندل یا مہندی وغیرہ ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلِيفَةَ وَعَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ الصَّوَّافُ عَنْ حَنَانٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدَّهُ فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ۔

قَالَ أَبُو عِيسَى لَا يُعْرَفُ لِحَنَانٍ غَيْرُ هَذَا الْحَدِيثِ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي كِتَابِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيلِ حَنَانٌ الْأَسَدِيُّ مِنْ بَنِي أَسَدِ بْنِ شُرَيْكٍ وَهُوَ صَاحِبُ الرَّقِيقِ عَمُّ وَالِدِ مُسَدَّدٍ وَرَوَى عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ وَرَوَى عَنْهُ الْحَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ الصَّوَّافُ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ ذَلِكَ۔

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی ریحان دے تو اسے لوٹانا نہیں چاہیے کیونکہ وہ جنت سے نکلا ہے۔

تحقیق

ابو عثمان: راوی تابعی ہیں گو کہ آنحضورؐ کے زمانہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر آپ سے ملاقات نہیں ہے، اس طرح یہ روایت مرسل ہوگی۔

الریحان:- خوشبودار پودا، ایک معنی میں ہر طرح کی خوشبو۔

فائدہ :- خوشبو جنت سے نکلی ہوئی ہے، ممکن ہے اس کی اصل جنت سے نکلی ہو، ورنہ عام خوشبو بھی بہرحال جنت کی یاد دلانے کے لئے ہے، گویا دنیا کی خوشبو آخرت کی خوشبو کا ایک نمونہ ہے، ورنہ تو جنت کی خوشبو ایسی ہے جو پانچ سو سال کی مسافت تک پہونچتی ہے۔

(٦) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ عُرِضْتُ بَيْنَ يَدَيْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَلْقٰى جَرِيْرٌ رِدَاءَهٗ وَمَشٰى فِيْ اِزَارٍ فَقَالَ لَهٗ خُذْ رِدَائَكَ فَقَالَ عُمَرُ لِلْقَوْمِ مَا رَاَيْتُ رَجُلًا اَحْسَنَ صُوْرَةً مِنْ جَرِيْرٍ اِلَّا مَا بَلَغَنَا مِنْ صُوْرَةِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب کے سامنے پیش کیا گیا، تو جریر نے اپنی چادر اتار دی اور تہمد میں چل کر دکھایا، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا اپنی چادر اٹھالو، پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ میں نے کوئی آدمی اتنا خوبصورت نہیں دیکھا جتنا کہ جریر، البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بات اور ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔

تحقیق عُرِضت :- صیغہ مجہول۔ میں پیش کیا گیا، پیش ہوا تاکہ معائنہ کریں کہ میں جہاد میں شریک ہو سکتا ہوں یا نہیں، اور اس پیشی کی وجہ یہ تھی کہ گھوڑے کی پیٹھ پر مضبوطی سے جم نہیں پاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا کی تھی، اب امتحان لینا مقصود تھا، یا پھر یہ مقصد ہو کہ ان کی طاقت اور بدن کی سختی ملاحظہ کی جاسکے جو ایک فوجی کے لئے ضروری ہوتی ہے، اور یہی وجہ قرین قیاس ہے، اس لئے کہ معائنہ پیدل چل کر ہوا ہے نہ کہ گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھا کر، واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح :- یہاں دو باتیں قابلِ وضاحت ہیں، ایک تو یہی کہ جریر کا چہرہ

صورۃً جریر سے مراد نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ حضرت دحیہ کلبی کے متعلق حدیث ہے کہ وہ احسن القوم ہیں، یہاں مقصد چہرہ اور بدن ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام سے زیادہ حسین تو خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں پھر حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے یوسف علیہ السّلام زیادہ حسین ہیں کہاں تک درست ہے؟ تو محدثین کہتے ہیں کہ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم عقلاً نزوراس سے مستثنیٰ ہیں، ان کے علاوہ حضرت یوسف علیہ السّلام کا حسن معلوم ہے ورنہ تو کوئی شخص جریر جیسا نہیں ہے۔

یہ حدیث بظاہر باب سے متعلق معلوم نہیں ہوتی کہ یہاں خوشبو اور عطر کا تذکرہ ہی نہیں، ابن حجر کہتے ہیں کہ صورت کا حسن اس کے خوشبودار ہونے کو مستلزم ہے تو اس میں ایک طرح خوشبو کے استعمال کی طرف اشارہ ہے، اور یہ بھی ہے کہ جب جریر کا حسین ہونا اس کے بدن کے خوشبودار ہونے کا غماز ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے زیادہ حسین تھے یقیناً معطر تھے، اور طبعی طور پر خوشبولاحق تھی

ولا یخفی ما فیہ التکلف

بَابُ کَیْفَ کَانَ
کَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی کیفیت کے بیان میں،

باب کیف کان کی اصل یا تو یہ ہوگی باب جواب کیف کان یا پھر بیان کیف کان بہرحال یہ کیف استفہامیہ نہیں ہوگا بلکہ کیفیت کے معنی میں ہوگا۔

اس باب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے انداز پر جو حدیثیں منقول ہیں وہ تین ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ الْاَسْوَدِ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْرُدُ سَرْدَکُمْ ھٰذَا وَلٰکِنَّہٗ کَانَ یَتَکَلَّمُ بِکَلَامٍ بَیِّنٍ فَصْلٍ یَحْفَظُہٗ مَنْ جَلَسَ اِلَیْہِ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ بات کرتے تھے واضح، جدا جدا اس طرح کہ جو ان کے پاس بیٹھا ہو وہ یاد کرلے۔

تحقیق یَسْرُدُ:- باب نصر سے، اس طرح جلدی کرنا کہ ایک دوسرے سے گھل مل کر غیر واضح ہوجاتے اور مجمل رہ جاتے، لگاتار کرنا۔

بَیِّن:- واضح، صاف صاف۔

فَصلٍ، مکسور یہ صفت تاکید ہے بیّن کی۔ جدا جدا۔ کلام فصل بمعنی فاصل، جیسے کہا جاتا ہے رجل عدل ای عادل۔

تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو ہر کلمہ واضح اور ایک دوسرے سے اس طرح جدا ہوتا کہ مخاطب کو اسے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی دشواری نہ ہو، اور جو بات فرماتے وہ ظاہر المفہوم ہوتا، ملتبس نہ ہوتا، اس طرح لگاتار گفتگو نہیں فرماتے کہ ایک جملہ دوسرے میں مل جائے اور مفہوم واضح نہ ہو یحفظہ من جلس الیہ کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کی بات پر دھیان دیتا یا پوری طرح متوجہ ہوتا وہ اسے یاد رکھ لیتا۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا اَبُوْقُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُثَنّٰى عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعِيْدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ ۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایک بات کو تین دفعہ دہراتے تاکہ وہ سمجھ میں آجائے۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایک بات کو تین دفعہ فرماتے تاکہ سننے والے اچھی سمجھ لیں اور یہ ان کی غایت شفقت وعنایت تھی امت پر کہ مشکل مضامین کو غور و تدبر اور ہر سطح کی سمجھ رکھنے والے کے لئے تین دفعہ ارشاد فرماتے تھے، یہ تکرار عام حالات میں یا ہر مضمون میں نہیں ہوتا، جب کوئی مسئلہ ایسا ہوتا جو ہر ایک کے لئے سمجھنا ضروری ہوتا تو حسب موقع دوبار یا تین بار فرما دیتے تھے۔ یا جب تاکید مقصود ہوتی۔

(۳) حَدَّثَنَا الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيْمٍ مِنْ وَلَدِ اَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنٰى اَبَا عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِي هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَاَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ اَبِي هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا قُلْتُ صِفْ لِي مَنْطِقَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ دَائِمَ الْفِكْرَةِ لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ، طَوِيْلُ السَّكْتِ لَا يَتَكَلَّمُ فِيْ غَيْرِ حَاجَةٍ، يَفْتَتِحُ الْكَلَامَ وَيَخْتِمُهُ بِاَشْدَاقِهِ، وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، كَلَامُهُ فَصْلٌ لَا فُضُوْلٌ وَلَا تَقْصِيْرٌ، لَيْسَ بِالْجَافِيْ وَلَا بِالْمُهِيْنِ، يُعَظِّمُ النِّعْمَةَ وَاِنْ دَقَّتْ لَا يَذُمُّ مِنْهَا شَيْئًا غَيْرَ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَذُمُّ ذَوَاقًا وَلَا يَمْدَحُهُ، وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْيَا وَلَا مَا كَانَ لَهَا فَاِذَا تُعُدِّيَ الْحَقُّ لَمْ يَقُمْ لِغَضَبِهِ شَيْءٌ حَتّٰى يَنْتَصِرَ لَهُ، لَا يَغْضَبُ لِنَفْسِهِ وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا، اِذَا اَشَارَ اَشَارَ بِكَفِّهِ كُلِّهَا وَاِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا وَاِذَا تَحَدَّثَ اِتَّصَلَ بِهَا وَضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْيُمْنٰى بَطْنَ اِبْهَامِهِ الْيُسْرٰى وَاِذَا غَضِبَ اَعْرَضَ وَاَشَاحَ وَاِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهُ، جُلُّ ضِحْكِهِ التَّبَسُّمُ يَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے ہند بن ابی ہالہ جو آنحضورؐ کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے، ان سے کہا کہ آپ میرے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بات کرنے کے انداز کے بارے میں بتا دیجئے تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل غم کی حالت میں رہتے ہمیشہ خیال میں ہوتے جس کی وجہ سے انھیں مستقل آرام نہیں ملتا. طویل خاموشی اختیار کئے رہتے اور بغیر ضرورت کے گفتگو نہیں فرماتے تھے، آپ بات شروع کرتے اور ختم کرتے تو منھ بھر کے، اور جامع کلام فرماتے، ان کی بات جدا جدا ہوتی، نہ زیادہ اور نہ کم، آپ نرم مزاج تھے نہ کسی کی بے عزتی کرنے والے، کسی نعمت کو خواہ کم ہو اس کو بڑا سمجھتے، ان میں سے کسی چیز کی مذمت نہیں فرماتے مگر یہ کہ آنحضورؐ نہ کسی کھانے کی مذمت کرتے اور نہ ہی تعریف فرماتے. آپؐ کو غصہ نہیں آتا دنیا یا اس کی چیزوں کی وجہ سے. اور جب کہیں حق سے تجاوز کیا جاتا تو اس پر کوئی چیز آپ کے غضب کو روک نہیں سکتی تھی تا وقتیکہ آپ اس کا بدلہ نہ لے لیں، نہ اپنی

ذات کے لئے ان کا غصہ تھا اور نہ ہی اپنے لئے انتقام لیتے، جب کسی چیز کی جانب اشارہ فرماتے تو مکمل ہاتھوں سے اشارہ کرتے اور جب کسی چیز پر تعجب ہوتا تو ہتھیلی کو پلٹ دیتے اور جب گفتگو فرماتے تو اس کے ساتھ ہاتھوں کو حرکت دیتے داہنی ہتھیلی کو اپنے بائیں انگوٹھے پر مارتے اور جب کسی بات پر ناراض ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے اور جب خوش ہوتے تو آنکھ بند فرما لیتے، آپؐ کا ہنسنا تو زیادہ تر صرف مسکرانے کی حد تک تھا اور اس وقت آپ کے دانت اولے کی طرح چمکدار ظاہر ہوتے۔

تحقیق و تشریح

مَنطِق :۔ نطق سے ماخوذ یعنی کیفیتِ کلام، گفتگو کا انداز۔

مُتواصِلُ الاحزان :۔ تواصل کے معنی تسلسل، یعنی کوئی نہ کوئی غم لاحق رہتا، مطلب یہ کہ آنحضورؐ زیادہ تر خاموش رہتے، کیونکہ زیادہ تر فکرات لاحق رہتے۔

دائمُ الفِکرۃ :۔ مسلسل سوچ والا، متفکر رہنے والا، آنحضورؐ خدا کی ذات میں غرق ہوتے یا امت کے لئے سوچتے رہتے، اسی بنا پر وہ غم میں ڈوبے رہتے اور خاموش رہتے۔

طویل السّکت :۔ زیادہ خاموشی والے، یعنی زیادہ تر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہی رہتے، جو متفکر رہنے کی علامت اور وجہ بھی ہے۔ السّکت :۔ بفتح السین وسکون الکاف بمعنی السکوت، خاموشی۔

لا یتکلم فی غیر حاجتہ :۔ بلا ضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے، یعنی دینی یا دنیوی ضرورت کے بغیر کلام سے احتراز ہی فرماتے تھے، جس کا کوئی فائدہ یا حاصل نہ ہو

باَشدَاقہ :۔ واحد شدق۔ منہ کا کنارہ، گفتگو فرماتے تو پورے منہ سے صرف ہونٹوں کو حرکت دیدینے پر اکتفا نہ فرماتے جو متکبرین کی عادت ہوتی ہے، اور جو تشدق سے حدیث میں ممانعت وارد ہوتی ہے وہ ایسا کلام جو منہ کو کھول کھول کر یا چبا چبا کر تکلف سے بات کی جائے، ان دونوں کا درمیانی حصہ وہ ہوتا ہے جو بات واضح ہو اور تکلف کے بغیر، وہی صورت آنحضورؐ کے کلام میں ہوتی۔

بعض نسخوں میں باشد اقہ کی جگہ باسم اللہ آیا ہے، یعنی آپ کلام کی ابتداء اللہ کے نام سے فرماتے اور اختتام ہوتا تو خدا کے ذکر سے۔

جَوَامِعُ الکلم:- الجوامع۔ جامعۃ کی جمع اور کَلِم بفتح الکاف وکسر اللام اسم جنس ہے جوامع الکلام۔ ایسی باتیں کہ جن کے الفاظ تو کم ہوں مگر اس کا مفہوم زیادہ اور وسیع ہو، گو کہ یہ ایک طرح سے ایجاز کہلاتا ہے مگر یہ بعض مواقع میں افضل مانا جاتا ہے، ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل میں جوامع الکلم کو چالیس احادیث کی صورت میں نقل کیا ہے۔

کلامہٗ فَصْل:- یعنی فاصل بین الحق والباطل۔ یا یہ کہ ایک دوسرے کلام سے الگ الگ ہوتا، ایک دوسرے سے بالکل ہی ملا ہوا اور پیوست نہ ہوتا۔

لا فضول ولا تقصیر:- نہ زیادتی ہوتی اور نہ کمی۔ یعنی مقصود واضح کرنے میں جو بات کافی ہو جائے اور بلا ضرورت باتیں نہ آجائیں اور اصل مراد کہنے میں کوئی کوتاہی بھی نہ ہو۔

لیس بالجافی:- یہ جفاء سے مشتق ہے جو نیکی اور وفا کے خلاف ہو، سخت ہو، آپؐ کا کلام ایسا نہ تھا یعنی آپ کے کلام میں سختی نہ ہوتی، بلکہ ہر ایک کے ساتھ نرمی اور خلوص کا معاملہ ہوتا۔

المُهین: اھانۃ باب افعال سے ذلیل کرنا، توہین کرنا، حقیر گرداننا۔ آنحضورؐ نہ کسی کی تذلیل فرماتے اور نہ تحقیر کرتے۔

یُعَظِّم: باب تفعیل سے بڑا ماننا، تعظیم کرنا، عزت دینا، نعمت کی تعظیم کرنا۔

دقّت:- بمعنی صغرت وقلّت نعمت خواہ چھوٹی اور کم ہو۔

ذَوَاقًا:- بفتح اول وتخفیف الواو کھانے پینے کی چیز۔

لایذمہ:- آنحضورؐ کی عادت تھی کہ کسی کھانے کی برائی نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی بیحد تعریف کرتے۔ برائی نہ کرنا تو اس واسطے کہ وہ خدا کی نعمت ہے اور نعمت کی مذمت کفران نعمت ہے جو متکبرین کی عادت ہوتی ہے اور تعریف اس لئے نہ کرتے کہ اس میں حرص کا شبہ ہوتا ہے، البتہ بسا اوقات بعض کھانوں کی تعریف دلجوئی کے لئے یا کسی مصلحت سے فرمائی ہے۔

لا تغضبہ:- اغضاب سے یعنی آپ کو غصہ نہیں دلاتا تھا، دنیا یا دنیاوی امور کی وجہ

سے غصہ نہیں آتا تھا۔

تُعُدِّیَ الحق۔ ، مجہول کا صیغہ، جب حد سے تجاوز کیا جاتا، جب کوئی شخص کہیں حق سے تجاوز کرتا۔

لم یقم لغضبہ:۔ یعنی غصہ دور نہ کرنا، اور کوئی چیز غضب کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

حتی ینتصرلہٗ:۔ جب تک انتقام نہ لے لیں، حق کے اثبات کے لئے جب تک کہ معاملہ رک نہ جاتا آپ ناراضگی کی حالت میں رہتے، اور یہ اپنی ذات کے لئے نہ ہوتا بلکہ حق کے لئے۔

بکفّہٖ کلھا:۔ پورے ہاتھ سے جب آپ کسی چیز یا کسی شخص کی طرف اشارہ کرتے تو مکمل ہاتھ سے صرف انگلیوں سے اشارہ پر اکتفا نہ فرماتے کہ یہ متکبرین اور ظالمین کی عادت شمار کی جاتی تھی

قَلّبھا:۔ باب تفعیل سے الٹ دینا، پلٹ دینا، حالت تعجب میں ہاتھ پلٹ دیتے۔

اتّصل بھا:۔ جملہ ھا ضمیر کا مرجع کف ہے، جب آپ گفتگو فرماتے تو اس کے ساتھ ہی ہاتھوں کو حرکت بھی دیتے تھے اور بسا اوقات اپنی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے پر مارتے۔

اَعرضَ واَشاحَ:۔ جب کسی بات پر ناراض ہوتے تو اس سے بے توجہی برتتے اور مزید بے اعتنائی برتتے۔

غَضّ:۔ باب نصر سے، آنکھیں موند لینا، آپ خوشی کے موقع پر حیاءً آنکھیں بند فرما لیتے۔ اس طرح سے بعض روایتوں میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام آنحضورؐ کی خوشی یا ناراضگی چہرۂ انور کے تاثرات ہی سے معلوم کر لیتے تھے۔

یَفتَرّ:۔ افتعال سے دانت ظاہر ہونا۔ دکھائی دینا۔ یعنی اس طرح ہنستے کہ دانت ظاہر ہو جاتے۔

حَبّ الغَمام:۔ بادلوں کے دانے۔ یعنی اولے۔

جب آپؐ ہنستے تو اس طرح کہ دانت ظاہر ہو جاتے۔ اور وہ اتنے خوبصورت، سفید اور چمکدار ہوتے کہ معلوم ہوتا اولے ہوں جو موتیوں کی طرح لگتے ہیں۔

باب ماجاء فی
ضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کے بارے میں

ضحک، بکسر الضاد وسکون الحاء اور بفتح وکسر بروزن کتف بھی آتا ہے ہنسی ہنسنے کا انداز۔ اس باب میں مستقل طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کے بارے میں روایتیں منقول ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گو کہ دائم الفکرہ رہتے لیکن آپؐ مسکراتے بھی تھے بلکہ صحابہ وغیرہ کی رواداری کے لئے تبسم فرماتے رہتے، اور آپ کا ہنسنا مسکرانے کی حد تک ہوتا، قہقہہ لگانے کی صورت نہیں بنتی، آپ کے دندان مبارک اس طرح ظاہر ہوجاتے کہ معلوم ہوتا آپ ہنس رہے ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ وَهُوَ ابْنُ أَرْطَاةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ فِي سَاقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوشَةٌ وَكَانَ لَا يَضْحَكُ إِلَّا تَبَسُّمًا فَكُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ قُلْتُ أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِأَكْحَلَ۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں میں تھوڑی باریکی تھی اور آپ صرف مسکرانے کی حد تک ہنستے تھے، جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو دل ہی دل میں کہتا کہ آپؐ آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ سرمہ لگائے نہیں ہوتے۔

تحقیق حُمُوشَةٌ:۔ خراش، باریکی، قابل تعریف حد تک موٹاپا لئے ہوئے، بضم الحاء والمیم

یہاں مراد اس حد تک پنڈلیاں پتلی تھیں جو سُبک لگتی تھیں اور خوبصورت نہ کہ بھدی۔

اَکحلُ ۔ خبر مبتدا محذوف کی، ھوَ اکحلُ۔ اکحل۔ اس شخص کو کہیں گے کہ جس کا سرمہ واضح ہو، گویا کہ طبعی طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرمگیں تھیں، اور بادی النظر میں لگتا جیسے آپ نے سرمہ لگا رکھا ہو، یہ اس وقت بھی ایسا ہی محسوس ہوتا جب آپ سرمہ نہ لگائے ہوتے۔ اکحل العینین: سرمگیں آنکھوں والے۔

تشریح اس حدیث میں ایک بات تو یہ بتائی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں زیادہ موٹی نہیں تھیں بلکہ ان میں کسی حد تک باریکی تھی جو خوبصورت لگتی۔ اور اس باب کی مناسبت سے یہ ذکر بھی کہ آپ ہنستے نہیں تھے مگر مسکرانے کے طور پر یعنی صرف تبسم ہوتا جس میں ضحک کا اطلاق ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں کہ اس ہنسی میں آواز پیدا ہوتی، آنکھوں کی ایک صفت یہ بتائی گئی کہ طبعی طور پر آپ کی آنکھیں سرمگیں تھیں اور گو کہ آپ سرمہ کا استعمال فرماتے تھے مگر جب سرمہ نہ لگا ہوتا جب بھی محسوس ہوتا کہ آپ نے سرمہ لگا رکھا ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْلَهِيعَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔

تشریح یہ حدیث گذشتہ باب کے اس بیان کے منافی نہیں ہے جس میں کہا گیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل غم اور فکر میں لگے رہتے، اس لئے کہ دائم الفکرہ ہونا آپ کا عام معمول تھا جو اکیلے رہنے کے وقت خاص طور پر نمایاں ہوتا، البتہ جب مجلس میں ہوتے اور صحابہ کرام کے ساتھ گفتگو وغیرہ میں مشغول رہتے تو ان کی دلجوئی اور ان سے محبت وشفقت کے اظہار کے لئے مسکراتے رہتے، اس لئے حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ ان کو مسکراتا ہوا دیکھا ہے اور دوسرا کوئی اس طرح نظر نہیں آیا، دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا چہرۂ انور خنداں تھا، طلق الوجہ تھا یعنی

جب نہ مسکراتے جب بھی محسوس ہوتا کہ کھل رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ خندہ پیشانی گویا آپ کا نمایاں وصف محسوس ہوتا

(۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْخَالِدِ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اِسْحَاقَ السَّيلحَانِي حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِي حَبِيْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ مَا كَانَ ضَحِكُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا تَبَسُّمًا۔
قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ حَدِيْثِ لَيْثِ بْنِ سَعْدٍ۔

عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی (عام طور پر) صرف تبسّم کی حد تک ہوتی تھی۔

(۴) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارُ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ اَنْبَاَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُوْرِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ اَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَاَعْلَمُ اَوَّلَ رَجُلٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَآخِرَ رَجُلٍ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ، يُؤْتَى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ اعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهِ وَتُخَبَّأُ عَنْهُ كِبَارُهَا فَيُقَالُ لَهُ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا كَذَا وَكَذَا وَهُوَ مُقِرٌّ لَا يُنْكِرُ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِهَا فَيُقَالُ اَعْطُوْهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ عَمِلَهَا حَسَنَةً فَيَقُوْلُ اِنَّ لِي ذُنُوْبًا مَا اَرَاهَا هٰهُنَا قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ۔

حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں اس کو جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور اس کو بھی جو سب سے اخیر میں جہنم سے نکلے گا۔ ایک آدمی قیامت کے دن لایا جائیگا اور کہا جائے گا (فرشتوں سے) کہ اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے گناہ اس وقت تک چھپالئے جائیں گے پھر اس شخص سے کہا جائیگا کہ تم نے فلاں

دن فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور وہ اعتراف کرتا رہے گا، انکار نہیں کرے گا جب کہ وہ اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس کے گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی (جو اس نے کر رکھی ہوگی) دیدی جائے تو وہ کہے گا کہ میرے تو اور بھی گناہ ہیں جو یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں، حضرت ابوذر رضؓ کہتے ہیں کہ یہ کہتے ہوئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے ہیں یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے

تحقیق

لَاَعلم:۔ میں جانتا ہوں وحی یا الہام یا کسی اور ذریعہ سے۔

آخر رجل:۔ آخری آدمی، یعنی جو صاحب ایمان ہوگا، لیکن گنہ گار جس کی وجہ سے وہ جہنم میں سزا پا رہا ہوگا اور اب سزا مکمل ہونے کے بعد وہ آخری آدمی ہے جو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

یؤتی بالرجل: یہ غالباً اس شخص کا ہی تذکرہ ہے جو سب سے اخیر میں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ یا پھر ایک قول کے مطابق یہاں اول من یدخل اور آخر من یخرج کے علاوہ کسی تیسرے آدمی کا واقعہ ہے جس کو آنحضورؐ بیان فرما رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اعرضوا: امر کا صیغہ، عرض سے پیش کرنا، یہ ملائکہ کو حکم دیا جا رہا ہے۔

یُخبَأُ:۔ مجہول کا صیغہ، مخفی رکھا جائے گا خبأ باب فتح چھپانا۔

مُشفِق: اشفاق باب افعال سے ڈرنا، خوف کھانا، گھبرانا

بَدَتْ: باب نصر بدوٌ سے ظاہر ہونا۔

نَواجِذ: وہ دانت جو ہنستے ہوئے ظاہر ہو جاتے ہیں، اس کا ایک معنی داڑھ کے ہے جو ظاہر ہے یہاں مراد نہیں ہو سکتا، اسلئے کہ صرف ضحک میں وہ آخری دانت ظاہر نہیں ہوا کرتے، اور اگر دانت کے آخری اجزاء مراد لئے جائیں جو نواجذ کا اصلی مفہوم ہے تو مطلب ہوگا کہ آپ زور سے ہنس پڑے ہیں یہاں تک کہ منہ کے اندر کے آخری دانت بھی ظاہر ہو گئے اس میں المبالغۃ فی الضحک مراد ہوگا اور غالباً حضرت ابوذر رضؓ اسی جانب اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں۔

(۵) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ مَا حَجَبَنِیْ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِیْ اِلَّا ضَحِکَ۔

حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں روکا (اپنے پاس آنے سے) جب سے میں نے اسلام قبول کیا، اور مجھ کو جب بھی دیکھا تو ہنس پڑے ہیں۔

(۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَۃُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَۃُ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ عَنْ قَیْسٍ عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِیْ اِلَّا تَبَسَّمَ۔

حضرت ہی کی روایت ہے کہ میرے اسلام لانے کے بعد سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حاضری سے نہیں روکا اور جب جب مجھے دیکھا ہے مسکرائے ہیں۔

تحقیق و تشریح حَجَبَنِیْ: مجھے نہیں روکا، منع نہیں کیا، فاعل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جریر پر اس کا صدور محجوب عنہ یعنی جس چیز سے روکا نہیں گیا وہ کیا ہے، تو عبارت یوں ہوگی ما منعنی عن مجالستہ ایک مطلب یہ ہوگا کہ میرے لئے اجازت تھی جب چاہوں آؤں، دوسرا مطلب یہ کہ میں جب بھی آنے کی اجازت طلب کرتا آپ نے منع نہیں فرمایا۔

دونوں روایتوں میں یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو مسکرائے یا ہنسے مقصود یہی ہے کہ آپ نے مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی سے بٹھایا، بلایا، اور یہ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد سے ہے، جو ایک روایت کے مطابق آنحضورؐ کی وفات سے صرف چالیس روز قبل ہی یہ مسلمان ہوئے تھے۔

(۷) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِیِّ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عُبَیْدَۃَ السَّلْمَانِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ آخِرَ اَهْلِ النَّارِ

خُرُوجًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا فَيُقَالُ لَهُ انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ اَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَيَرْجِعُ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ قَدْ اَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ فَيُقَالُ لَهُ اَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِيْ كُنْتَ فِيْهِ فَيَقُوْلُ نَعَمْ قَالَ فَيُقَالُ لَهُ تَمَنَّ قَالَ فَيَتَمَنّٰى فَيُقَالُ لَهُ فَاِنَّ لَكَ الَّذِيْ تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةَ اَضْعَافِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُبِيْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اس شخص سے واقف ہوں جو جہنم سے سب سے اخیر میں نکلے گا، وہ ایسا آدمی ہوگا جو جہنم سے گھسٹتا ہوا نکلے گا تو اس سے کہا جائے گا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ جنت میں داخل ہونے جائیگا تو وہاں دیکھے گا کہ لوگوں نے تو اپنی سیٹیں قبضہ کر رکھی ہیں وہاں سے واپس آکر کہے گا کہ اے پروردگار لوگوں نے تو ساری جگہیں لے رکھی ہیں تو اس سے کہا جائے گا تمھیں وہ وقت یاد ہے جو تم نے گذارا تھا (دنیا میں) وہ جواب دیگا کہ ہاں تو پھر اس سے کہا جائے گا اچھا کسی چیز کی تمنا کرو تو وہ کسی چیز کی خواہش ظاہر کریگا تو ارشاد باری ہوگا کہ جو تمھاری خواہش ہے وہ اور دنیا کا دس گنا تمھیں دیا جارہا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اب وہ کہے گا کہ یا اللہ آپ تو بادشاہ ہیں اور آپ مجھ سے مزاق کر رہے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ اس بات پر آنحضورؐ ہنس پڑے ہیں یہاں تک کہ دندان مبارک دکھائی دینے لگے۔

تحقیق زَحْفًا۔ حال واقع ہوگا یا مفعول مطلق بغیر لفظ کے، معنی ہے کولھوں کے بل زمین پر گھسٹنا، ایک روایت میں لفظ آیا ہے۔ حبوا: ہاتھوں، پیروں کے سہارے گھسٹ کر چلنا، مفہوم ایک ہی ہوگا کہ وہ کھڑے ہونے پر قادر نہ تھا، جہنم کے عذاب کی وجہ سے کھڑے ہو کر چلنے کی قدرت نہیں تھی۔

المنازل، واحد منزل، جگہ، سیٹ، ٹھکانہ۔

اتذکر الزمان، وہ زمانہ یاد رکھتے ہو یعنی جب دنیا میں تھے وہاں کیا حال تھا جو پہلے آتا وہ سیٹ پر قبضہ کرلیتا، یا یہ کہ دنیا کی وسعت یاد کرو جو اسے وہاں کی جانے والی ہے۔

تَمَنَّ:۔ امر کا صیغہ ہے تمنا کرو، خواہش کرو، التمنی تمنا کرنا

تسخر بی: آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں، بعض نسخوں میں منی ہے مفہوم دونوں کا ایک ہے

تشریح یہ روایت اس باب کی گذری حدیث ۲۴ سے الگ ہے، اس میں اس شخص کا تذکرہ ہو رہا ہے جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا، وہ زمین پر گھسٹتا ہوا آئے گا اسے جنت میں داخل ہونے کی بشارت ملے گی جب وہاں جائیگا تو معلوم ہوگا کہ جگہ تو پُر ہے اس وجہ سے واپس آکر کہے گا کہاں رہوں اس پر ارشاد باری ہوگا کہ تم جو چاہو مانگ لو چنانچہ وہ کسی غیر ممکن چیز کی تمنا کرے گا مگر خداوند قدوس اپنی قدرت سے اسے نہ صرف عطا کرینگے بلکہ یہ بھی ارشاد ہوگا کہ دنیا میں جتنی وسعت نظر آتی تھی یا وہاں جو کچھ بھی تھا اس کا دس گنا تمہیں دیا جاتا ہے، یہ چیز اس آدمی کیلئے حیرانی کا باعث ہوگی، اسے تو یہ بھی خیال ہوگا کہ مجھے جنت میں جگہ تک نہ مل سکی، اب اتنی ساری جگہیں اور نعمتیں کیسے مل سکیں گی اس واسطے وہ کہے گا کہ اے مالک الملک آپ کی ذات اعلیٰ وارفع ہے پھر بھی مجھ سے استہزاء؟ یہ ایک مخلوق اور انسانی ذہن کی رسائی کے مطابق سوچ کا تقاضہ تھا، اس لئے دنیاوی عادت کے لحاظ سے کہا کہ یہ تو مذاق ہے اس شخص کے اس قول پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح مسکرائے کہ آپ کے دانت نمودار ہوگئے، یہ اس شخص کی جرأت اور انداز بیان پر ہے۔

بدت نواجذہ کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ معنی مجازی یعنی مبالغہ فی الضحک مراد ہے کہ آپ اس طرح زور سے مسکراتے ہیں کہ آپ کے دانت بھی دکھائی دینے لگے، اور یہ مفہوم اس روایت سے متعارض نہیں جس میں یہ آیا ہے کہ آپ کا ہنسنا صرف مسکرانے کی حد تک ہوا کرتا تھا۔

(۸) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَنْبَأَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوَىٰ عَلَىٰ ظَهْرِهَا قَالَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلَاثًا وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلَاثًا سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ، ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ لَهٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِكْتَ يَا اَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِكْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اَحَدٌ غَيْرِیْ۔

علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایسے وقت میں حاضر ہوا کہ ان کے لئے ایک سواری لائی گئی تا کہ وہ اس میں سوار ہوں، انھوں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو بسم اللہ کہا اور جب پشت پر سوار ہوئے تو الحمد للہ کہا پھر یہ دعا پڑھی (پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے یہ سواری مسخر کردی جب کہ ہم اس کی تسخیر پر قادر نہ ہوتے اور ہم اپنے رب ہی کی جانب لوٹ جائیں گے پھر انھوں نے بطور شکر تین مرتبہ الحمد للہ کہا اور تین دفعہ اللہ اکبر (پھر یہ دعا پڑھی) تری ذات پاک ہے، میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے تو اے خدا تو میری مغفرت فرما کیونکہ گناہوں کو تیرے سوا اور کوئی معاف نہیں کر سکتا پھر وہ ہنس پڑے راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا اے امیرالمؤمنین آپ کس بات پر ہنسے تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا تھا اور وہ بھی مسکرائے تھے تو میں نے پوچھا تھا کہ آپ کس بات پر ہنس پڑے یارسول اللہ! تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ خدا اس بات پر اپنے بندے سے خوش ہوتا ہے جب وہ رب اغفر لی ذنوبی کہتا ہے وہ جانتا ہے کہ کوئی شخص میرے سوا گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔

تحقیق و تشریح

اُتی بدابۃ، سواری ان کے لئے لائی گئی، دابۃ: کل مایدب فی الارض کے معنی میں پھر یہ عرف عام میں چوپائے سواری کیلئے استعمال ہونے لگا۔

سَخّر: مسخر کرنا، تابع بنانا، تسخیر باب تفعیل سے۔

مقرنین: طاقت رکھنے والے، استطاعت والے۔

احد غیری: خدا کے علاوہ کوئی، بعض نسخوں میں غیرہ کے ساتھ آیا ہے، اور یہی ظاہر کلام کے مطابق بھی ہے کیونکہ یہ خدا کا قول نہیں ہے بلکہ کلام رسول اللہ ہے، یا پھر اس کی ضمیر کو الرب کی جانب راجع کرکے حال مان لیں، مفہوم بہرحال وہی ہوگا۔ احد غیر اللہ

خدا کو معلوم ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی بندوں کے گناہ معاف نہیں کرسکتا، اس بات کا اعتراف جب بندہ کرتا ہے تو خدا اس بات سے خوش ہوتا ہے، خدا کی خوشنودی کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں اور مسکراتے ہیں، اسی کے اتباع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہنسے۔

(۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِیُّ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ سَعْدٌ لَقَدْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قَالَ قُلْتُ كَیْفَ كَانَ ضَحِكُهٗ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مَعَهٗ تُرْسٌ وَكَانَ سَعْدٌ رَامِیًا وَكَانَ یَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا بِالتُّرْسِ یُغَطِّیْ جَبْهَتَهٗ فَنَزَعَ لَهٗ سَعْدٌ بِسَهْمٍ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهٗ رَمَاهُ فَلَمْ یُخْطِئْ هٰذِهٖ مِنْهُ یَعْنِیْ جَبْهَتَهٗ وَانْقَلَبَ وَشَالَ بِرِجْلِهٖ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قَالَ قُلْتُ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِكَ قَالَ مِنْ فِعْلِهٖ بِالرَّجُلِ۔

عامر بن سعد کی روایت ہے کہ حضرت سعد نے کہا میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ خندق کے دن اس طرح ہنستے دیکھا تھا کہ آپ کے دندان مبارک نمودار ہوگئے

تھے، میں نے دریافت کیا کہ کس وجہ سے آپؐ ہنسے تھے. تو کہا کہ ایک کافر شخص
کے پاس ڈھال تھی اور سعد تیر اندازی کر رہے تھے اور وہ شخص اپنی ڈھال کی
وجہ سے ادھر اُدھر چہرہ کر کے بچاؤ کر رہا تھا اور ڈھال سے پیشانی بچا لیتا
تھا، سعد ایک دفعہ تیر نکال کر تیار رہے تو جب اس شخص نے اپنا سر اٹھایا!
اسی وقت انھوں نے تیر مار دیا جو اس کافر کی پیشانی سے چوکا نہیں اور وہ شخص
گر گیا اور اس کی ٹانگ اوپر اٹھ گئی تو آنحضورؐ اس پر ایسے ہنسے کہ آپؐ کے
دانت ظاہر ہو گئے، میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ کس بات پر آپ ہنسے تو آپؐ
نے فرمایا کہ سعد کے اس عمل پر۔

تحقیق

تُرس، بضم التاء ڈھال، وہ چیز جس کی آڑ لی جائے حالت جنگ میں، جمع
اتراس اور تروس۔

رامیا: تیر انداز رمی باب ضرب تیر چلانا۔

یُغطّی: باب تفعیل سے تغطیہ ڈھانپنا، چھپا لینا، ڈھال سے چھپا لیتا تھا، یہ جملہ
یا تو مستانفہ ہے کہ وہ شخص ادھر ادھر تو کترا رہا تھا ساتھ ہی ڈھال سے اپنی پیشانی بھی چھپا
لیتا تھا، یا یہ کہ یہ کذا وکذا کی تشریح کے طور پر ہے۔

یُخطئ: باب افعال سے خطا کرنا، نشانہ چوک جانا۔

انقلب: پلٹ گیا، باب انفعال سے انقلاب ایک حالت سے دوسری حالت میں
بدل جانا، پلٹ جانا، بدل جانا۔

شَالَ برجلہ، ٹانگیں اوپر اٹھ گئیں، شال بمعنی رفع با تعدیہ کا۔

تشریح

حضرت سعد رضی اللہ عنہ خندق کے دن تیر چلا رہے تھے، ایک کافر شخص
ڈھال لئے ان کی تیر اندازی سے محفوظ رہ رہا تھا، اور تیر کو روک لیتا یا
اِدھر اُدھر ہو جاتا، حضرت سعدؓ نے یہ دیکھا تو تاک میں لگ گئے، تیر کمان پر رکھ کر انتظار
کرنے لگے، اور جب اس کافر دشمن نے دیکھنے کے لئے اپنا سر ڈھال سے اوپر کیا اسی
وقت سعدؓ نے تیر چلا دیا جو اس کی پیشانی پر جا لگا، جس کے نتیجہ میں وہ نہ صرف گرا بلکہ

سر کے بل گرا اور ٹانگیں زمین سے اوپر اٹھ گئیں جس سے اس کی ستر کھل گئی۔

اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی کا یہ بھی مطلب ہوتا کہ شاید اس کے گرنے اور کشف ستر عورت کی وجہ سے ہنسی آئی ہو، اس لئے صحابی نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں سعدؓ کے طریقۂ کار اور اس کے نشانہ پر ہنسا ہوں، کتنی عمدگی اور ہوشیاری سے اس شخص کی پیشانی کا نشانہ لگایا، ایک کافر کی عیاری کے باوجود ایک صحابہ کے نشانہ بننے پر آنحضورؐ خوش ہوتے نہ کہ اس کی ٹانگیں اوپر اُٹھ جانے کی وجہ سے، یہ آنحضورؐ کے اخلاق کے شایان شان بھی نہیں، اور آپ نے اس کی وضاحت بھی فرما دی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِزَاحِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق کرنے کے بیان میں

مزاح: بضم المیم وکسرہا، دل لگی کرنا، خوش مزاجی کی باتیں کرنا، مذاق کرنا، دراصل مذاق کے مفہوم میں استہزاء شامل ہوتا ہے یا تحقیر، ورنہ جس گفتگو میں دل لگی اور ہنسی کی بات ہو بغیر تحقیر و استہزاء کے وہی مزاح کہلاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح کیا ہے اور دل لگی فرمائی ہے مگر ساتھ ہی روایت میں ہے کہ آپ نے مزاح سے منع فرمایا ہے، تو اصل میں جو مزاح استہزاء کو مشتمل ہو اس سے ممانعت ہے اور جس مزاح میں دل کو خوش کرنے والی بات ہو مگر کسی کی استہزاء یا ایذا یا تحقیر نہ ہو تو وہ ممنوع نہیں اور آپ سے یہی ثابت ہے۔

امام نووی کہتے ہیں کہ جس مذاق کو مستقل اختیار کر لیا جائے یا مزاح کی عادت بنالی جائے تو اس کی ممانعت ہے البتہ کبھی کبھی مذاق کر لینا ممنوع نہیں ہوگا مگر شرط یہی ہے کہ اس میں کسی کا مذاق نہ اڑایا جائے اور نہ استہزاء ہو، البتہ خوش دلی ہنسی یا دل لگی کی بات ہو وہ مباح ہوگی کما فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس باب میں چھ احادیث ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ أَنْبَأَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ قَالَ مَحْمُودٌ قَالَ أَبُو أُسَامَةَ يَعْنِي يُمَازِحُهُ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا

اے دو کانوں والے! ابواسامہ راوی کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مزاح فرمارہے تھے۔

تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو کہا اے ذوالاذنین، یہ ازراہِ مزاح تھا، اس مزاح میں کوئی غلط بات نہیں تھی، دو کان تو سب کے ہوتے ہیں یہاں ان کو خاص طور پر کسی وجہ سے ہی فرمایا تھا، مقصد یہ تھا کہ وہ غور سے باتیں سنتے ہوں گے اسلئے کہا اے دو کانوں والے، یا یہ کہ دل لگی کے طور پر فرمایا اور یہ قول ظاہر بھی ہے اور مناسب بھی کیونکہ حضرت انس تو دس سال کی عمر سے ہی آنحضورؐ کی خدمت میں رہ رہے تھے اور آپ ان کی دل جوئی اور اسے خوش کرنے کے لیے اس طرح کا مذاق فرمالیتے تھے۔

راوی حضرت اُسامہ نے اس قول کو مزاح پر ہی محمول فرمایا اور کہا یعنی یمازحہ، اور ممکن ہے آپ نے حضرت انس کے کانوں کی کسی خصوصیت کی وجہ سے ان کے نام کی بجائے کانوں والے کہہ کر مخاطب فرمایا ہو۔

(۲) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ۔

قَالَ أَبُو عِيسَى رَحِمَهُ هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُمَازِحُ، وَفِيهِ أَنَّهُ كَنَّى غُلَامًا صَغِيرًا فَقَالَ لَهُ يَا أَبَا عُمَيْرٍ وَفِيهِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ أَنْ يُعْطِيَ الصَّغِيرُ الطَّيْرَ لِيَلْعَبَ بِهِ وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ، لِأَنَّهُ كَانَ لَهُ نُغَيْرٌ يَلْعَبُ بِهِ فَمَاتَ فَحَزِنَ الْغُلَامُ عَلَيْهِ فَمَازَحَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ۔

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ میل جول فرماتے تھے یہاں تک کہ میرے ایک چھوٹے بھائی کو کہا کرتے ابو عمیر نغیر کا

کیا ہوا۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرمایا کرتے تھے اسی میں یہ بات بھی ہے کہ ایک چھوٹے بچے کو کنیت دے کر کہا اے ابو عمیر۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ چھوٹے بچے کو اگر کھیلنے کے لئے کوئی پرندہ دیدیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اور آنحضورؐ نے جو یہ فرمایا کہ یا ابا عمیر ما فعل النغیر تو اس وجہ سے کہ اس بچے کا ایک جانور تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا وہ مرگیا تو بچہ اس پر بہت غمگین ہوا تو آپ نے ازراہ مذاق یہ فرمایا کہ ابو عمیر وہ نغیر کہاں گئی۔؟

تحقیق لیخالطنا: باب مفاعلت سے میل جول رکھنا مزاح کرنا، بعض نسخوں میں لیخالطنا ہے، اس نا سے مراد حضرت انس اور ان کے گھر والے ہیں۔

ما فعل: ماضی معروف کا صیغہ، کیا ہوا، کیا حال ہے۔

النُغَیر: تصغیر نغر بضم النون، ایک پرندہ عصفور کی مانند سرخ چونچ والا، حیاۃ الحیوان کے مطابق بلبل، اہل مدینہ بھی اس کو بلبل ہی کہتے ہیں۔

قال ابو عیسیٰ: یہاں سے امام ترمذی ان مسائل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو اس حدیث سے مستنبط ہو رہے ہیں۔

کَنّیٰ: باب تفعیل سے کسی کو کوئی کنیت دی اصل نام کے علاوہ کوئی دوسرا نام دیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو ابو عمیر کی کنیت دے کر پکارا، یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کنیت پہلے ہی سے ابو عمیر ہو اور آپؐ نے اسی کنیت سے پکارا ہو، جس کا مقصد عبارت میں سجع پیدا کرنا ہے نغیر کے وزن پر ابا عمیر کہا، اور یہ اس بچہ کی دلداری اور اس کو خوش کرنے کے لئے ہے۔

وفیہ: امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ایک بات اور بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر بچے کو کھیلنے کے لئے کوئی چھوٹا سا پرندہ یا جانور دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ اس حدیث کے مخالف نہیں ہے جس میں جانور کو اذیت دینے سے منع کیا گیا ہے، وہ حکم بڑوں کے لئے ہے، بچوں کو خوش کرنے کے لئے، ان کی تسلی اور دل جوئی کے لئے پرندہ دینا درست ہے، جب یہ معلوم ہو کہ اس جانور کو اذیت نہیں دی جائے گی۔

وانما قال:۔ امام ترمذی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو

ایسا فرمایا تھا تو اس کی وجہ یہ کہ اس بچہ نے ایک پرندہ نغیر پال رکھا تھا، وہ مرگیا تھا تو بچہ غمگین تھا آپ نے صورت حال دریافت کی پھر بچے کی تسلی کے لئے یہ جملہ فرمایا کہ ما فعل النغیر۔

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر کسی کو واقعہ کا علم ہو اور کسی خاص وجہ سے انجان بنتے ہوئے اس بارے میں دریافت کرے تو اس کی ممانعت نہیں ہے، آپ کو واقعہ معلوم تھا پھر بھی پوچھا ما فعل النغیر کہ تمہارے نغیر کا کیا حال ہے۔

یہ بھی واضح ہوا کہ اس طرح کی دل لگی جس سے مخاطب کو تسلی ہو اور اسے تکلیف نہ پہونچے قطعی درست ہے۔

(۳) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّوْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ شَقِيْقٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّيْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا ۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم سے مزاح بھی فرماتے ہیں، تو آپ نے جواب دیا کہ میں صرف حق بات ہی کی حد تک کرتا ہوں۔

تشریح صحابۂ کرام کو معلوم تھا کہ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق سے منع فرما رکھا ہے اور یہ کہ مذاق میں غلط سلط باتیں بھی ہوتی ہیں اس لئے تعجب سے سوال کیا کہ آپ مزاح بھی فرماتے ہیں، تو آپ نے جواب دیا کہ صرف اسی حد تک کہ جہاں تک حق بات ہو، میں غلط بات نہیں کہتا، کسی کا تمسخر نہیں کرتا، حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتا، اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اب جو بھی حق اور سچی بات کہہ کر مذاق پیدا کرسکے جب کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو تو ایسے مذاق میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مداعبۃ: مزاح کرنا، دل لگی کرنا، آپؐ نے جواب مختصر طور پر دیا جس کا اصل مفہوم یہ تھا کہ ہاں میں مذاق کرتا ہوں لیکن سچی بات ہی کہتا ہوں، گویا اس بات کا اشارہ کہ اس حد تک

مزاح کی اجازت ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّي حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ ۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کا جانور طلب کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تمھیں اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا تو اس آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ تو آپؐ نے جواب دیا کہ اونٹ بھی تو آخر اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے۔

تحقیق استحمل: سواری پر بٹھانے کی درخواست کی یعنی اس بات کی درخواست کہ کوئی سواری عنایت کی جائے جس پر سوار ہوں۔

ولد ناقۃ: اونٹنی کا بچہ، سائل نے اس سے چھوٹا بچہ سمجھا تھا جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تھی بڑے اونٹ سے جو بالآخر اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے۔

النُّوق: جمع ہے، واحد ناقۃ، اونٹنی۔

تشریح آپؐ نے ہلکا سا مزاح بھی فرمایا اور اس طرح جواب دیا کہ جو بالکل درست تھا، مگر سائل نے بغیر غور کئے یہ کہدیا کہ یا رسول اللہ میں تو سواری چاہ رہا ہوں بچے پر تو نہیں سوار ہوا جا سکتا اس کا کیا کروں گا، پھر آپ نے وضاحت فرمادی کہ اونٹنی کا بچہ خواہ وہ اونٹ ہو یا بچہ ہر ایک پر بولا جاتا ہے، سواری دی جائے گی وہ اونٹ یعنی بڑے بچے کی شکل میں لیکن آخر یہ بھی تو اونٹنی نے جنم دیا ہوگا، اس لئے کہدیا ولد ناقۃ۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ بات کو سوچ سمجھ لینا چاہئے، بغیر غور و فکر کے جواب نہیں دینا چاہئے۔

(۵) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهُ زَاهِرًا وَكَانَ يُهْدِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً مِنَ الْبَادِيَةِ فَيُجَهِّزُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يُحِبُّهُ وَكَانَ رَجُلًا دَمِيْمًا فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَهُوَ يَبِيْعُ مَتَاعَهُ وَاحْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ وَلَا يُبْصِرُهُ فَقَالَ مَنْ هٰذَا اَرْسِلْنِيْ فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَاْلُوْا مَا اَلْصَقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَرَفَهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا وَاللّٰهِ تَجِدُنِيْ كَاسِدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ اَوْ قَالَ اَنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ غَالٍ ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ گاؤں کا ایک آدمی جس کا نام زاہر تھا وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گاؤں کی چیزیں ہدیہ میں دیا کرتا تھا تو آنحضور بھی اس کو جاتے وقت شہری سامان دیدیتے تھے تو آنحضورؐ نے فرمایا کہ زاہر ہمارا گاؤں اور ہم اس کے شہر ہیں اور آپ اس کو پسند بھی کرتے تھے، یہ زاہر صورت میں کچھ بدشکل تھے ایک دفعہ آپ اس کے پاس ایسے وقت گئے جب وہ بازار میں اپنا سامان بیچ رہا تھا، آپ نے پیچھے سے جاکر اس کی کولی بھرلی اس طرح کہ وہ آپؐ کو نہ دیکھ سکے تو اس نے کہا کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو، پھر جب مڑا ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا اب اس نے اپنی پیٹھ آنحضورؐ کے سینے سے ملاکر خود بھی چمٹ گیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کون یہ غلام خریدے گا؟ اس شخص نے جواب میں کہا یارسول اللہ آپؐ تو اس طرح مجھے کھوٹا ہی پائیں گے (جس کی قیمت نہیں

ملتی) آپؐ نے فرمایا لیکن تم تو اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو، یا یہ فرمایا کہ تم خدا کے نزدیک قیمتی ہو۔

تحقیق البادیۃ: جو آبادی شہر سے دور گاؤں یا جنگل کی ہو، اس سے آتا ہے بدوی یعنی گاؤں والا، عرب میں بدوی اب تک آباد ہیں جنہوں نے غیر شہری تہذیب و ثقافت ہی کو اپنائے رکھا ہے، حتی کہ عربی زبان کی اصل حیثیت کو بھی، اس لئے ان کی زبان فصیح اور مرجع ہے۔

یھدی: باب افعال اھداء سے ہدیہ کرنا، یہاں مفہوم ہے ہدیہ لے کر خود آیا کرتا تھا۔

یُجَھِّزہ: تجھیز باب تفعیل سے تیار کرنا، سامان بہم پہونچانا، مطلب یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے وہ سامان مہیا فرماتے تھے جو مدینہ میں ہوتا اور جو بادیہ میں میسر نہیں ہوتا تھا۔

حاضرونہ: ہم اسکے شہری ہیں یعنی سامانِ شہر مہیا کرنے والے ہیں۔

دَمیما: قبیح المنظر، بدشکل۔

احتضنہ: باب افتعال سے گود بھرنا، کولی بھرنا، پیچھے سے آکر سمیٹ لینا اپنی گود میں۔

التفت: مڑا۔ آنکھوں کے کنارے سے دیکھنا

لا یالوا الصق: چمٹانا نہیں چھوڑا

کاسدا: کھوٹا۔ کساد، کھوٹا پن، جس کی قیمت کم ہو یا بالکل ہی نہ ہو، اس کے بالمقابل غالی مہنگا، قیمتی ہے۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت و محبت کہ ایک گاؤں والے سے جو صورت کے لحاظ سے خوبصورت نہیں مگر اسکے عمل اور سیرت کی وجہ سے آپ اس درجہ محبت فرماتے تھے کہ دوسروں کو رشک ہو، صرف شہر میں رہنے والوں یا خوبصورت افراد سے ہی تعلق نہیں بلکہ ہر ایک کے ساتھ مساویانہ سلوک بلکہ دلداری کے لئے بدشکل افراد سے غایت درجہ کے تعلق کا اظہار بھی جو آپؐ کی ذات اقدس کو اور نمایاں کرتی ہے، آپؐ نے بازار میں اس کے پیچھے سے جاکر اس کی آنکھیں بند کرلیں اور اپنی گود میں بھر لیا، جب زاہر کو آپ کی شخصیت کا علم ہوا تو ان کی کوشش بھی یہی رہی کہ مزید رسولِ اکرم سے چمٹے رہیں۔

آپؐ نے مزاح فرمایا کہ کوئی اس غلام کا خریدار ہے؟ وہ تو اپنے آپ کو آنحضورؐ کا غلام ہی سمجھا تھا جو یہ جواب دیا کہ یا رسول اللہ اس غلام کو بیچ کر قیمت بھی کہاں ملے گی، آپؐ نے مزید محبت اور حقیقت حال کا اظہار یوں کیا کہ تم کم سے کم خدا کے یہاں کھوٹے نہیں بلکہ بیش قیمت ہو، یہ ان کے لئے خوش خبری بھی کہ ان کے رسول اکرم سے محبت کی بنا پر خدا کے یہاں وہ محبوب ہے، اور جو خدا کے یہاں محبوب ہو اس سے قیمتی اور کون ہوسکتا ہے۔

(٦) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْمُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اَتَتْ عَجُوْزٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّدْخِلَنِيَ الْجَنَّةَ فَقَالَ يَا اُمَّ فُلَانٍ اِنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا عَجُوْزٌ قَالَ فَوَلَّتْ تَبْكِيْ فَقَالَ اَخْبِرُوْهَا اَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوْزٌ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّا اَنْشَاْنَاهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا -

حضرت حسن بصری کی روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہؐ خدا سے دعا کیجئے کہ مجھے جنت میں داخل کردے، آنحضورؐ نے اس سے فرمایا کہ جنت میں تو بوڑھی عورت داخل نہیں ہوسکتی وہ عورت روتی ہوئی واپس جانے لگی تو آپؐ نے صحابۂ کرام سے کہا کہ اسے بتادو کہ وہ بوڑھی ہوکر جنت میں داخل نہیں ہوگی (بلکہ جوان ہوکر جائے گی) کیونکہ خداوند تعالیٰ نے کہا ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے وہ اس طرح کردہ کنواریاں ہیں اپنے شوہروں کے لئے محبوب اور عمر میں برابر ہیں۔

تحقیق

عجوزۃ :- زیادہ عمر کی، بوڑھی ایک قول کے مطابق وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت زبیر بن عوام کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں۔

فولّت : واپس ہوئی، مڑی، جانے لگی۔

انشأناھن :- ہم نے ان عورتوں کو بنایا، پیدا کیا، خاص طور پر۔

ابکارا: کنواریاں، یعنی ایسی عورتیں جو مجامعت کے بعد بھی کنواری رہیں گی، بکر کی جمع

عُرُبا: بضم العین والراء۔ عروب کی جمع جیسے رسول اور رُسُل جو مردوں کو بہت محبوب رہیں، شوہروں کی محبت جن کو حاصل رہے۔

اترابا، عمر میں برابر۔ مدارک میں لکھا ہے کہ جن کی عمریں ۳۳ سال کی ہوں۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ مزاح فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی، اور یہ حقیقت بھی تھی کیونکہ خدا کا ارشاد ہے کہ جنت میں داخل ہونے والی عورتوں کو جوان بنا کر داخل کریں گے مگر بڑھیا نے اس کو سمجھا نہیں اس لئے رونے لگیں، تو آپ نے فوراً کہلوا دیا کہ تم اس حالت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ وہاں جوان بن کر جاؤگی، خدا کا یہی حکم ہے۔

باب کی تمام احادیث سے ترشح ہوتا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی مزاح فرمایا ہے اور دل لگی کی ہے مگر ایذا یا تمسخر کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت ہی بیان کر کے جس کا مقصد مخاطب کی دل جوئی ہے، چنانچہ صحابۂ کرام میں سے حضرت علی رضؓ اور تابعین میں ابن سیرینؒ بہت خوش دل رہے ہیں اور اس طرح کے مزاح کو اپنایا بھی ہے، اور اس وقت کے دوسرے صحابہ و تابعین نے اس کی مخالفت بھی نہیں کی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی صِفَةِ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشِّعْرِ

شعر کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام

شعر کے اصل معنی علم اور ادراک کے ہیں جیسے کہ عرب کہا کرتے ہیں لیت علی یا لیتَ شعری، لیکن متعارف مفہوم ہے ایسا کلام جو وزن اور قافیہ کا پابند ہو، اور شاعر اس کو کہتے ہیں جو شعر کی تخلیق کرے (امام راغب فی المفردات)

یہ بات تاریخ سے واضح ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں اگر علم کا کوئی مفہوم متعارف تھا تو وہ صرف شعر گوئی اور خطابت کی حد تک، چنانچہ جو افراد اچھے اشعار موزوں کرتے وہ صاحبِ علم شمار کئے جاتے تھے، اور اس وقت کی شعر وشاعری کا محور مدح، ہجو، رجز یا فخر بالانساب تھا، اس کے علاوہ اشعار میں جنگ و جدال یا عشق ومحبت کی لغویات وخرافات کا تذکرہ ہی ہوتا تھا، اس بناء پر سب سے پہلے قرآن کریم نے شعر گوئی کو گمراہی بتلایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد باری ہوا ما علمنٰہ الشعر وماینبغی لہٗ یعنی نہ آپ کو شعر سکھلایا گیا اور نہ ہی آپ کے شایان شان تھا، اسی طرح خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر گوئی سے منع فرمایا اور بتایا کہ یہ بری چیز ہے۔

اس وقت قرآن کریم کی تعلیم اصل مقصود تھی جس میں تمام صحابہ کرام مشغول ہوتے، البتہ جب کفار مشرکین نے اسلام اور مسلمانوں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی اور ہجو میں اشعار کہے تو صحابہ نے آپ سے اس کے دفاع کے لئے شعر گوئی کی اجازت طلب کی چنانچہ آپؐ نے ایک حد تک اس کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، اور جب صحابہ کی تربیت کافی حد تک ہو چکی اور

ان کو لغویات وخرافات سے احتراز کرانے کی کوششیں کامیاب ہوگئیں تو بعض صحابہؓ کو آنحضورؐ نے مخصوص قسم کے اشعار کہنے کی اجازت بھی دی جس کے ذریعہ اسلام کی سربلندی، رسول اللہؐ کی مدح اور دفاع کے جذبہ سے اشعار کہنے والے صحابہ بھی نمایاں ہوئے۔ ان میں سے بیشتر وہ تھے جو زمانہ جاہلیت میں بھی شعر کہتے مگر اعتدال کے ساتھ، پھر جب ان میں اسلامی تعلیمات کا اثر درسوخ ہوا تو انھوں نے خالص اسلامی اشعار کہے۔ اور بعض مواقع پر آنحضورؐ نے ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔

اس طرح ان اشعار کی ممانعت بھی ہوئی جن میں برائی ہوتی اور ان اشعار کی اجازت بھی جن میں بھلائی ہوتی، چنانچہ ایک روایت اسی مفہوم کی وارد ہوئی کہ نفس شعر میں کوئی برائی یا بھلائی نہیں مضمون اچھا ہے تو ٹھیک اور مضمون برا ہے تو شعر کا بھی وہی حکم۔

پھر روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے اشعار بعض مواقع پر پڑھے ہیں، البتہ یہ بات بھی محقق ہے کہ آپ نے شعر نہیں کہے، البتہ بعض کلام موزوں ضرور ہوئے جو غیر ارادی طور پر ہیں جیسے انا النبی لا کذب، جو اس شعر کے ضمن میں نہیں آتا جس کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس مفہوم کے ضمن میں بھی نہیں جس کی نفی وما علمناہ الخ سے ہوتی ہے۔

اس باب میں اشعار کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عمل رہا اور کیا فرمان اس کا تذکرہ ہے، اس میں نو حدیثیں وارد ہیں

(۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قِيْلَ لَهَا هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَمَثَّلُ بِشَيْءٍ مِنَ الشِّعْرِ قَالَتْ كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ وَيَتَمَثَّلُ وَيَقُوْلُ: وَيَاْتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ کسی نے ان سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شعر بھی پڑھتے تھے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہاں ابن رواحہ کے اشعار پڑھتے تھے، اور کبھی یہ بھی پڑھتے تھے ویاتیک بالاخبار

من لم تزود یعنی کبھی وہ شخص بھی تمہارے لئے خبریں لے آتا ہے جس کو تم نے کوئی معاوضہ نہ دیا ہو۔

تحقیق یتمثّل، باب تفعل سے بطور استشہاد کسی کلام کو نقل کرنا، یہاں مراد کسی کا شعر نقل کرنا یا پڑھنا۔

ابن رواحۃ: عبداللہ بن رواحہ انصاری خزرج قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، یہ غزوہ بدر و احد اور خندق کے علاوہ بہت سے غزوات میں شریک ہوئے، غزوۂ موتہ میں ان کی شہادت ہوئی، بہت اچھے شعراء میں سے ہیں۔

یقول:- یعنی دوسروں کے اشعار نقل کرتے ہوئے طرفہ بن العبد کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

لم تزود:- بضم التاء وکسر الواؤ، باب تفعیل سے کسی کو زادِ سفر دینا، سامان مہیا کرنا، معاوضہ دینا، طرفہ بن العبد کے شعر کا ایک مصرعہ یہ ہے اور مکمل شعر اس طرح ہے۔

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا ؛ ویاتیک بالاخبار من لم تزود

تشریح اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ اشعار پڑھا کرتے تھے جو اسلامی اقدار و تعلیمات کے مطابق ہوتے تھے، اس روایت میں دو شاعروں کا کلام آپ سے نقل ہونا ثابت ہو رہا ہے، ایک عبداللہ بن رواحہ جو کہ ابتدائے مرحلہ ہی میں اسلام قبول کر چکے ہیں اور دوسرے طرفہ بن العبد جس کے اشعار سبعہ معلقہ میں دوسرے معلقہ کی صورت میں موجود ہے، یہ دونوں حضرات اسلام سے قبل بھی ایسے اشعار کہتے تھے جو دنیائے فانی کی حیثیت اجاگر کرتے اور ایسے اشعار جن میں غور و فکر کی دعوت ہوتی اور جن سے دنیا والوں کو عبرت حاصل ہوتی، ان دونوں شعراء کے علاوہ بھی شعراء ہیں جن کے اشعار آنحضور پڑھا کرتے تھے جو اخلاقی تعلیم اور آخرت کی جانب ترغیب پر مشتمل ہوتے۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ: اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ وَكَادَ اُمَيَّةُ بْنُ اَبِي الصَّلْتِ اَنْ يُّسْلِمَ۔

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی وہ لبید بن ربیعہ کا یہ قول ہے: ہر چیز خدا کے علاوہ فانی ہے اور امیہ بن الصلت تو قریب تھا کہ اسلام قبول کر لیتا۔

تشریح لبید بن ربیعۃ العامری اسلام لانے سے پہلے اشعار کہتے تھے اور عرب کے فصیح شعراء میں ان کا شمار ہے، یہ اپنی قوم کے ساتھ ایک وفد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، جب سے ہی انھوں نے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا، زمانۂ جاہلیت میں بھی شعراء میں شمار تھا، ان کے اشعار بامقصد اور اخلاقی تعلیم لئے ہوئے تھے، ان کا وہ شعر جس کے متعلق آنحضور نے فرمایا کہ شعراء میں سب سے حق بات لبید کا قول ہے، وہ یہ ہے۔

وکل نعیم لامحالۃ زائل ÷ الا کل شئ ماخلا اللہ باطل

دنیا کی ہر نعمت بہرحال ختم ہوجانی ہے اور خدا کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

وکاد امیۃ الخ ایک دوسرے شاعر کے بارے میں آنحضور کا یہ ارشاد کہ اس کے اشعار بہت اچھے، ایسا لگتا تھا کہ وہ اسلام قبول کرے گا مگر مسلمان نہ ہو سکا وہ امیہ بن الصلت ثقفی ہے، جو جاہلیت میں حقیقی باتیں ہی اپنے اشعار میں پیش کرتا تھا، جو عبادت گذار اور متدین بھی تھا مگر زمانۂ اسلام پانے پر بھی اسلام قبول نہ کر سکا۔

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ قَالَ اَصَابَ حَجَرٌ اُصْبُعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَمِيَتْ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اُصْبُعٌ دَمِيْتِ، وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ۔

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ نَحْوَهٗ۔

جندب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی میں ایک پتھر لگ گیا جس سے انگلی خون آلود ہو گئی، تو آپ نے یہ شعر پڑھا کہ تم ایک انگلی ہو

جو خون آلود ہو گئی، اور یہ بھی تمھیں جو چوٹ لگی تو اللہ کے راستہ میں۔

تحقیق اصبع: بکسر الہمزۃ و بفتح الباء، انگلی (قاموس میں الف اور باء پر تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں، جمع اصابع۔

دمیتِ:۔ بفتح الدال وکسر المیم باب سمع سے خون میں آلودہ ہونا۔

ما لقیتِ:۔ ما موصولہ دمیت اور لقیت میں تا مخاطب کیلئے ہے یعنی الذی لقیتہ حاصل فی سبیل اللہ اس لئے تم غمگین نہ ہو بلکہ یہ بھی خوشی کا مقام ہے۔

تشریح جمہور علماء کا قول ہے کہ آپ کی انگلی میں پتھر لگا اور خون نکلا یہ واقعہ غزوۂ احد کا ہے اس موقعہ پر آپ نے یہ اشعار پڑھے، آپ کا شعر کہنا وما علمنٰہ الشعر کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ قول بلا ارادہ صرف موزونیت کی حد تک ہے جو شعر لگتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے اشعار کہے ہیں، جو کلام بلا تکلف کے موزوں ہو کر آپ کی زبان پر جاری ہو گیا وہ شعر گوئی کی تعریف میں نہیں آسکتا،

دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ یہ شعر تو آپ کا ہے بھی نہیں بلکہ واقدی کے قول کے مطابق ولید بن ولید بن مغیرہ کا ہے اور اس نے اپنے لئے یہ رجز کہا تھا، آنحضور نے اسی کو نقلاً پڑھا ہے

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا عُمَارَةَ فَقَالَ لَا وَاللهِ مَا وَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ وَلَّى سَرَعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ — أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

براء بن عازب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ کیا تم لوگ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر غزوۂ حنین میں بھاگ گئے تھے تو انھوں نے کہا کہ نہیں اور خدا کی قسم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت نہیں پھیری، البتہ کچھ جلد باز لوگ تھے جن کو قبیلۂ ہوازن نے تیروں کا نشانہ بنالیا تھا جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر رہے اور حضرت ابو سفیان اس خچر کی لگام تھامے رہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے تھے کہ میں بلاشبہ نبی ہوں اور میں عبد المطلب کی اولاد میں سے ہوں

تحقیق افررتم: کیا تم لوگ بھاگ گئے۔ باب ضرب فراراً بھاگ جانا۔
ولی، تولیۃ و تولی۔ پیٹھ پھیرنا۔ واپس مڑنا۔

سَرعان الناس: بفتح السین وسکون الراء، جلد بازی کرنے والے، آگے بڑھنے والے۔

تلقتھم:۔ تلقّی باب تفعل پیش آنا، پڑنا، نشانہ بننا، وصول کرنا، یہاں مفہوم ہے کہ وہ لوگ ہوازن کا نشانہ بنے، سامنے آئے، یا مقابلہ کیا۔

بَغلَۃ:۔ خچر، وہ بغلہ جو آپؐ کو مقوقس نے ہدیہ میں بھیجا تھا، اس کا نام دلدل بتایا جاتا ہے، اسی طرح آپؐ کا ایک اور بغلہ تھا جس کا نام فضۃ تھا۔

لجام:۔ لگام بکسر اللام بروزن کتاب ج لُجُم۔

تشریح واقعہ غزوۂ حنین کا ہے جو ۸ھ میں واقع ہوا، فتح مکہ کے بعد قبیلۂ بنی ہوازن اور بعض دیگر حلیف قبائل نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی تھی چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر وہاں تشریف لے گئے، فوج میں قبیلۂ بنی سلیم اور مکہ کے بہت سے نومسلم جوان بھی تھے جنھوں نے پہلی بار آپؐ کے ساتھ کسی غزوہ میں شرکت کی تھی اس لئے انھیں آنحضور کی ثابت قدمی مسلمانوں کا استقلال اور جاں نثاری اور خدا کی نصرت کا حال معلوم نہیں تھا اور یہ افراد آگے آگے چل رہے تھے، جب ایک گھاٹی کے قریب سے گذرے تو بنو ہوازن جو مشہور تیرانداز تھے انھوں نے تیر چلانے شروع کردیئے نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوتے اس لئے پہلے مرحلہ میں مسلمانوں کی ہزیمت بھی ظاہر ہوئی جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی مرحلہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی تو لوگ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، اب جو لوگ پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے انھوں نے تیر اندازی کی تو یہ مجمع

نہایت پریشانی میں ادھرادھر منتشر ہوگیا، چند جاں نثار صحابہ آپ کے ساتھ رہے۔

اسی واقعہ کی جانب اشارہ اس حدیث میں ہے، راوی کہتے ہیں کہ ہم بھاگے نہ تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو مورچے پر مستقل طور پر ڈٹے رہے وہ اپنے بغلہ میں سوار تھے، ان کی ایک جانب حضرت ابوسفیانؓ اور دوسری طرف حضرت عباسؓ تھے، آنحضورؐ مسلسل یہ پڑھتے رہے انا النبی لاکذب، انا ابن عبد المطلب، آنحضورؐ کی شان یہ تھی کہ آپؐ ثابت قدم رہیں، اسی کو فرما رہے ہیں کہ میں تو بلاشبہ نبی ہوں اور نبی پیچھے نہیں ہٹا کرتا اور میں تو عبد المطلب کی اولاد میں سے ہوں جو نہ صرف سردار عرب ہیں بلکہ جری بہادر، پیچھے نہ ہٹنے والوں میں سے ہیں۔

ابن عبد المطلب فرمانا یا تو قافیہ کی پابندی ہے یا پھر اس لئے کہ آپ اپنے دادا ہی کے نام سے پہچانے جاتے رہے، آپؐ نے اپنے بغلہ سے اتر کر کچھ کنکریاں کفار کی جانب پھینکی ہیں جس کی وجہ سے کفار کا شاهت الوجوہ ہوا اور بالآخر مسلمانوں کو سکینت، ثبات قدمی اور پھر فتح حاصل ہوئی ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ اَنْبَأَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ فِيْ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَابْنُ رَوَاحَةَ يَمْشِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُوَ يَقُوْلُ:

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ	اَلْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ
ضَرْبًا يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهٖ	وَيُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ

فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ يَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ حَرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى تَقُوْلُ شِعْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ فَلَهِيَ اَسْرَعُ فِيْهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرۃ القضاء کے لئے مکہ میں داخل ہوئے تو ابن رواحہ آپؐ کے آگے آگے یہ اشعار پڑھتے ہوئے چل رہے تھے کہ اے کفار کی اولاد آپؐ کا راستہ چھوڑ دو، آج ہم آپ کی تشریف آوری پر

تم لوگوں کو ایسی مار ماریں گے جو کھوپڑی کو تن سے جدا کردے اور دوست کو دوست سے بھلادے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا اے ابن رواحہ تم حرم بیت اللہ میں اور آنحضورؐ کے سامنے شعر پڑھ رہے ہو تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر آج تو ابن رواحہ کو چھوڑ دو (شعر کہنے دو) کیونکہ یہ اشعار کفار کے لئے تیر برسانے سے زیادہ کاری ثابت ہوں گے۔

تحقیق عمرة القضاء: صلح حدیبیہ کے وقت جب عمرہ فوت ہوگیا تو اس کی قضا کے لئے مکہ تشریف لے گئے، احناف کہتے ہیں المحصر یجب علیه القضاء اور ابن حجر کہتے ہیں کہ عمرة القضاء سے مراد القضية ہے یعنی صلح صفائی کے ارادہ سے جو عمرہ فرمایا تھا اور یہ عمرہ قضا کے طور پر نہیں تھا کما یقول الشوافع. فلا یلزم القضاء عندهم للمحصر۔

خَلُّوا: امر کا صیغہ تخلیۃ سے یعنی مستقل طور پر چھوڑ دو، راستہ خالی کردو

نضربکم: بسکون الباء لضرورة الشعر یعنی تمہاری بدعہدی اور آنحضور کو سال گذشتہ منع کرنے پر تم سزا کے مستحق ہوگے۔

تنزیله: یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی وجہ سے کہ ان پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، یا یہ مفہوم ہوگا کہ آنحضورؐ کے مکہ مکرمہ میں دخول و نزول پر اضافت المصدر الی المفعول بر بناء اولیٰ۔

الهَام: جنس رأس، مبالغہ ہے ورنہ اس کی مفرد هامة بمعنی کھوپڑی، سر۔

مَقیله: مقیل بمعنی جگہ، ٹھکانہ، یہاں مراد گردن یا بدن ہے۔

یُذهل: باب افعال سے دور کرنا، غافل ہونا۔

خلیل: دوست، جمع أخِلَّاء

فَلَهِی: یہاں لام تاکید کیلئے ہے ھی کی ضمیر کا مرجع۔ الابیات، الکلمات یا القصیدة

نضح: اصل معنی پانی برسنا، پانی چھڑکنا، یہاں مراد ہے تیر برسنا۔

تشریح جب آپؐ صلح حدیبیہ میں عمرہ کئے بغیر واپس مدینہ لوٹ گئے تو اگلے سال قضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے، آپ کے ساتھ شاعر حضرت ابن رواحہ بھی تھے جو شعر پڑھتے جا رہے تھے، حضرت عمرؓ نے ٹوکا تو آنحضورؐ نے فرمایا آج اسے شعر کہنے دو اس لئے کہ یہی شعر

کفار کے دلوں میں تیر کی طرح لگیں گے بلکہ اس سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوں گے۔
معلوم ہوا کہ شعر پڑھنا بذاتہ ممنوع یا مذموم نہیں ہے ورنہ آپ خود منع فرما دیتے، یہاں تو آپ نے ایک طرح سے ترغیب بھی دی کہ کفار کو اس سے اذیت زیادہ محسوس ہوگی۔

(٦) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَأَنَا شَرِيْكٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَالَسْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَكَانَ اَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ وَيَتَذَاكَرُوْنَ اَشْيَاءَ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ ۔

حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو مرتبہ سے زیادہ بیٹھا ہوں اور ان مجلسوں میں اصحاب کرام شعر بھی پڑھا کرتے تھے، اور زمانہ جاہلیت کی باتیں بھی دہرایا کرتے تھے جبکہ آنحضور خاموش رہتے اور کبھی کبھی تو ان کے ساتھ ساتھ مسکراتے بھی تھے۔

تحقیق یتناشدون: باب تفاعل سے، شعر پڑھا کرتے، از نشد باب نصر شعر پڑھنا، یہاں مطلب ہے کہ ایک دوسرے سے ایسے شعر پڑھنے کو کہتے جو اچھے ہوا کرتے۔
یتذاکرون: یاد کرتے، دہراتے۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں بسا اوقات اصحاب کرام اشعار سنایا کرتے یا جاہلیت کے واقعات سناتے اور اپنے حالات بتاتے تو آپ خاموشی کے ساتھ سنتے اور منع نہیں فرماتے بلکہ ایسا بھی ہوتا کہ آپ سننے کے بعد ان کے ساتھ ہی مسکراتے بھی تھے، اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھے اشعار سننا یا سنانا درست ہے بلکہ صحابہ کرام جاہلیت میں اپنے کئے پر شرمندگی کا اظہار کرتے اور اسے بتاتے تھے تو آپ اس احساس سے مسکراتے بھی تھے اور خاص طور پر ان کے نیک جذبوں کو سراہنے کیلئے، اور یہ کبھی کبھار ہی ہوتا تھا

(٧) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَأَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشْعَرُ

كَلِمَةٍ تَكَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ :
أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ

حضرت ابوہریرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا سب سے اچھا شاعرانہ قول جو عرب شعراء نے کہا ہے ان میں سے لبید کا وہ کلام ہے کہ بے شک ہر چیز ماسوائے ذات باری تعالیٰ فانی ہے۔

تحقیق

اَشعرُ کلمةٍ :- سب سے اچھا، خوبصورت، معقول کلام۔

العرب :- یعنی شعراء عرب اور اصحاب فصاحت وبلاغت۔ العرب اسم مؤنث بتایا جاتا ہے، اور یہ جنس کے درجہ میں استعمال ہوتا ہے، وہ افراد جو عربی زبان بولتے ہیں، در اصل العرب العاربة ان افراد کو کہا جاتا تھا جو یعرب بن قحطان کی زبان بولیں، اور وہ قدیم عربی زبان ہے اسی سے آتا ہے رجل عربی۔

الاکل شئ :- اس شعر کو جب حضرت عثمان غنی نے سنا تھا تو کہا تھا کہ لبید نے کیسے کہدیا کہ ہر نعمت زائل ہونے والی ہے جبکہ جنت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی تو لبید نے اس کی وضاحت اپنے اشعار میں ہی کردی تھی کہ یہ دنیا کی نعمتیں مراد ہے اس پر حضرت عثمان رض نے فرمایا صدق لبید۔

(۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطَّائِفِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْشَدْتُهُ مِائَةَ قَافِيَةٍ مِنْ قَوْلِ اُمَيَّةَ بْنِ الصَّلْتِ، كُلَّمَا اَنْشَدْتُهُ بَيْتًا قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيْهِ حَتّٰى اَنْشَدْتُهُ مِائَةً يَعْنِيْ بَيْتًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَادَ لَيُسْلِمُ ۔

حضرت شرید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا تو میں نے آنحضور کو امیۃ بن ابی الصلت کے سو اشعار سنائے جب بھی میں اس کا کوئی شعر پڑھتا تو آپ مزید کی فرمائش کرتے، یہاں تک کہ میں نے سو اشعار

سنا دیئے، تو آپ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ یہ اسلام لے آتا۔

تشریح امیۃ بن الصلت کے اشعار حقانیت لئے ہوئے، لغویات وخرافات سے پاک بلکہ توحید اور بعث بعد الموت کے اعتراف پر مشتمل ہوتے تھے اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو شوق سے سنتے، اور پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے اشعار سے لگتا ہے کہ وہ اسلام لانے کے قریب تر پہونچ گیا تھا مگر اسے توفیق خداوندی نہیں ہوئی اور بحالت کفر ہی مرگیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ آمن لسانہ وکفر قلبہ۔ کلام تو مومنانہ ہے مگر دل میں اسلام نہیں آسکا۔

(۹) حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مُوْسَى الْفَزَارِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ يُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا يُنَافِحُ اَوْ يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مُوْسَى وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت رضؓ کے لئے مسجد میں ایک منبر (بلند جگہ) رکھوایا کرتے تھے جہاں وہ کھڑے ہوکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت ومفاخرت میں اشعار پڑھا کرتے تھے یا آپ کا دفاع کرتے تھے، اور آنحضورؐ فرماتے کہ خداوند تعالیٰ حسان کو روح القدس

کے ذریعہ تائید و تعاون دیتے ہیں جب تک وہ فخریہ اشعار یا آنحضور ﷺ کے دفاع میں کہتے ہیں۔

تحقیق منبر:۔ بکسر المیم آلۃ المنبر کھڑے ہونے اور بلند ہونے کا ذریعہ، کوئی نمایاں اور اونچی جگہ۔

یفاخر:۔ باب مفاعلت سے مفہوم یہ کہ وہ آنحضور ﷺ کے اوصاف و فضائل بیان کرتے، فخر کرتے۔

ینافح: منافحت دفاع کرنا، جواب دینا، کسی کی طرف سے لڑنا مراد یہ کہ مشرکین جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تو حضرت حسان ان کے اشعار کا جواب دیتے۔

روح القدس:۔ بضم الدال وسکون، حضرت جبرئیل علیہ السلام۔

تشریح حضرت حسان بن ثابت اسلامی شاعر ہیں جنھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معنی کر خصوصی عنایت حاصل تھی کہ ان کو اشعار کہنے کا موقع دیا جاتا تھا اور باضابطہ ان کے ذریعہ اشعار مسجد میں سنوائے جاتے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و مناقب اور مسلمانوں کے شرف و عظمت کو شامل ہوتے۔ ان ہی جیسے شعراء کے کلام کی بنیاد پر یہ قول نبوی بھی ہے کہ: ان من البیان لسحرا یا ان من الشعر لحکمۃ یعنی جو اشعار سچے اور واقعہ کے مطابق ہوں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السَّمَرِ

رات کو قصہ گوئی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام

السَّمَر بفتح السین والمیم، رات کے وقت قصے کہانیاں بیان کرنا، رات کی بات چیت کو سمر کہا جاتا ہے۔

رات کے وقت چند افراد کا ایک مجلس بنا کر بیٹھنا، بات چیت کرنا یا قصہ گوئی کرنا سمر کا مفہوم ہے اس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس باب میں اسی کی جانب اشارہ ہے، اس کے تحت دو حدیثیں منقول ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَقِيْلٍ الثَّقَفِيُّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَقِيْلٍ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ نِسَاءَهُ حَدِيْثًا فَقَالَتْ اِمْرَاَةٌ مِنْهُنَّ كَاَنَّ الْحَدِيْثَ حَدِيْثُ خُرَافَةَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا خُرَافَةُ، اِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلًا مِنْ عُذْرَةَ اَسَرَتْهُ الْجِنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَثَ فِيْهِمْ دَهْرًا ثُمَّ رَدُّوْهُ اِلَى الْاِنْسِ فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَاٰى فِيْهِمْ مِنَ الْاَعَاجِيْبِ فَقَالَ النَّاسُ حَدِيْثُ خُرَافَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات اپنی بعض عورتوں کو ایک واقعہ سنایا تو ایک عورت نے کہا یہ قصہ تو خرافہ کے قصوں جیسا ہے، تو آپ نے پوچھا تم لوگ جانتی بھی ہو خرافہ کا مقصد کیا ہے یہ بنو عذرہ

کا ایک شخص تھا اس کو زمانۂ جاہلیت میں جن اٹھالے گئے تھے وہ ان جنوں کے پاس عرصہ دراز تک رہا تھا پھر انھوں نے اسے واپس انسانوں میں بھیج دیا تو یہ لوگوں کو اپنے مشاہدات میں سے عجیب وغریب واقعات سنایا کرتے، اس پر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا حدیث خرافۃ

تحقیق حَدَّثَ : باب تفعیل سے بیان کرنا، ذکر کرنا، روایت کرنا، حدیث بیان کرنا

نسائہٗ : یہاں عورتوں سے بعض ازواج مطہرات مراد ہیں یا سب یا پھر گھر کی عورتیں جن میں ازواج مطہرات کے علاوہ باقی رشتہ دار ہوں۔

خرافۃ :- بضم الخاء یہ معرفہ غیر منصرف ہے، اصل معنی دلچسپ یا چٹ پٹی باتیں جس میں جھوٹ بھی شامل ہو، دراصل عرب میں ایک شخص تھا جس کے بارے میں آنحضور نے خود بیان فرمایا کہ اس کا کیا واقعہ ہے، تو اس کی باتوں کی وجہ سے اس کا نام ہی خرافہ مشہور ہو گیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ہوئے واقعہ کو درست قرار دیا تھا۔

عذرۃ : بضم عین وسکون ذال، یمن کا ایک مشہور قبیلہ۔

الاعاجیب :- وہ چیزیں یا باتیں جس سے تعجب ہو، عجوبۂ روزگار

تشریح قبیلۂ بنو عذرہ کے ایک آدمی کو جن پکڑ کر لے گئے، پھر عرصہ دراز کے بعد ان واپسی انسانوں میں ہوتی، وہ وہاں قیام کے دوران کی عجائبات، تعجب خیز واقعات لوگوں کو سناتے تو کہتے یہ من گھڑت باتیں ہیں اسی پر اس کا نام خرافہ پڑ گیا تھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام عربوں کے خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا واقعہ سچا تھا،

اس حدیث سے اور اسکے بعد والی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عشار کے بعد رات کو واقعہ سنانا یا بات چیت کرنا جائز ہے خاص طور سے اپنے اہل وعیال سے، یہ حسن معاشرت اور دلجوئی کے قبیل سے ہے، اور عام حالات میں اہل بیت کے علاوہ بھی اس کی گنجائش ہے اگر اس میں درس عبرت، تذکیر اور وعظ ونصیحت کی چیز ہو۔

(۲) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَخِیْهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَلَسَتْ اِحْدٰی عَشْرَةَ اِمْرَاَۃً فَتَعَاهَدْنَ وَتَعَاقَدْنَ اَنْ لَّا یَکْتُمْنَ مِنَ

اخبارِ أزواجهنَّ شيئاً فقالت :

قالتِ الأولى : زوجي لحمُ جملٍ غثٍّ على رأسِ جبلٍ وعرٍ لا سهلٌ فيُرتقى ولا سمينٌ فينتقى .

قالتِ الثانيةُ : زوجي لا أبثُّ خبرهُ إنّي أخافُ أنْ لا أذرهُ إن أذكرهُ أذكر عُجرهُ وبُجرهُ .

قالتِ الثالثةُ : زوجي العشنَّقُ إنْ أنطقْ أُطلَّقْ فإنْ أسكتْ أُعلَّقْ .

قالتِ الرابعةُ : زوجي كليلِ تهامةَ لا حرٌّ ولا قرٌّ ولا مخافةَ ولا سآمةَ .

قالتِ الخامسةُ : زوجي إنْ دخلَ فهدَ وإنْ خرجَ أسدَ ولا يسألُ عمّا عهدَ .

قالتِ السادسةُ : زوجي إنْ أكلَ لفَّ وإنْ شربَ اشتفَّ وإنْ اضطجعَ التفَّ ولا يولجُ الكفَّ ليعلمَ البثَّ .

قالتِ السابعةُ : زوجي عياياءُ أو غياياءُ طباقاءُ كلُّ داءٍ لهُ داءٌ شجّكِ أو فلّكِ أو جمعَ كلاًّ لكِ .

قالتِ الثامنةُ : زوجي المسُّ مسُّ أرنبٍ والريحُ ريحُ زرنبٍ .

قالتِ التاسعةُ : زوجي رفيعُ العمادِ عظيمُ الرمادِ طويلُ النجادِ قريبُ البيتِ من النادِ .

قالتِ العاشرةُ : زوجي مالكٌ وما مالكٌ خيرٌ من ذلكَ ، لهُ إبلٌ كثيراتُ المباركِ قليلاتُ المسارحِ إذا سمعنَ صوتَ المزهرِ أيقنَّ أنهنَّ هوالكُ .

قالتِ الحاديةَ عشرةَ : زوجي أبو زرعٍ وما أبو زرعٍ أناسَ منْ حُليٍّ أُذنيَّ وملأَ منْ شحمٍ عضديَّ وبجّحني فبجحتْ الى نفسي

وَجَدَنِیْ فِیْ اَهْلِ غُنَیْمَةٍ بِشِقٍّ فَجَعَلَنِیْ فِیْ اَهْلِ صَهِیْلٍ وَ اَطِیْطٍ وَ دَائِسٍ وَ مُنَقٍّ ، فَعِنْدَهٗ اَقُوْلُ فَلَا اُقَبَّحُ وَ اَرْقُدُ فَاَتَصَبَّحُ وَاَشْرَبُ فَاَتَقَمَّحُ اُمُّ اَبِیْ زَرْعٍ فَمَا اُمُّ اَبِیْ زَرْعٍ ، عُکُوْمُهَا رَدَاحٌ وَ بَیْتُهَا فَسَاحٌ ، اِبْنُ اَبِیْ زَرْعٍ فَمَا ابْنُ اَبِیْ زَرْعٍ ، مَضْجَعُهٗ کَمَسَلِّ شَطْبَةٍ وَ تُشْبِعُهٗ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ ، بِنْتُ اَبِیْ زَرْعٍ ، فَمَا بِنْتُ اَبِیْ زَرْعٍ ، طَوْعُ اَبِیْهَا وَطَوْعُ اُمِّهَا وَمِلْأُ کِسَائِهَا وَغَیْظُ جَارَتِهَا ، جَارِیَةُ اَبِیْ زَرْعٍ فَمَا جَارِیَةُ اَبِیْ زَرْعٍ لَا تَبُثُّ حَدِیْثَنَا تَبْثِیْثًا وَلَا تُنَقِّثُ مِیْرَتَنَا تَنْقِیْثًا وَلَا تَمْلَأُ بَیْتَنَا تَعْشِیْشًا ، قَالَتْ خَرَجَ اَبُوْ زَرْعٍ وَ الْاَوْطَابُ تُمْخَضُ فَلَقِیَ امْرَاَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا کَالْفَهْدَیْنِ یَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَیْنِ فَطَلَّقَنِیْ فَنَکَحَهَا فَنَکَحْتُ بَعْدَهٗ رَجُلًا سَرِیًّا رَکِبَ شَرِیًّا وَاَخَذَ خَطِّیًّا وَ اَرَاحَ عَلَیَّ نَعَمًا ثَرِیًّا وَ اَعْطَانِیْ مِنْ کُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا وَ قَالَ کُلِیْ اُمَّ زَرْعٍ وَ مِیْرِیْ اَهْلَکِ فَلَوْ جَمَعْتُ کُلَّ شَیْءٍ اَعْطَانِیْهِ مَا بَلَغَ اَصْغَرَ آنِیَةِ اَبِیْ زَرْعٍ ۔ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ کُنْتُ لَکِ کَاَبِیْ زَرْعٍ لِاُمِّ زَرْعٍ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ گیارہ عورتیں اس عہد و پیمان کے ساتھ بیٹھیں کہ وہ اپنے شوہروں کے حالات بغیر کچھ چھپائے بیان کریں گی۔

(۱) چنانچہ پہلی عورت نے کہا کہ میرا شوہر دبلے اونٹ کا گوشت ہے اور وہ بھی دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا، نہ راستہ آسان کہ اس پر چڑھا جاسکے اور نہ گوشت ہی موٹا جسے کھانے کے لئے اختیار کیا جائے۔

(۲) دوسری عورت نے کہا کہ میں تو اپنے شوہر کی حالت ظاہر نہیں کرسکتی مجھے ڈر ہے کہ اگر اس کا ذکر شروع کردوں تو کوئی حصہ نہ چھوڑوں اور اس کے ظاہری اور باطنی سارے عیوب بیان کردوں گی۔

③ تیسری نے کہا میرا خاوند (بے ڈھب) لمبو ہے اگر میں کچھ اسکے بارے میں بولوں تو طلاق دیدی جاؤں اور اگر چپ رہوں تو لٹکی رہوں۔

④ چوتھی عورت بولی کہ میرا خاوند تہامہ کی رات کی طرح معتدل ہے نہ گرم اور نہ ہی ٹھنڈا، نہ کوئی خوف اور نہ اکتاہٹ۔

⑤ پانچویں نے کہا میرا شوہر جب گھر میں داخل ہو تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر نکلے تو شیر ہو جاتا ہے اور گھر کی کسی چیز کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا۔

⑥ چھٹی نے کہا میرا خاوند کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے اور پیتا ہے تو سب صاف کر دیتا ہے اور جب لیٹتا ہے تو ایک طرف کو کپڑے میں لپٹا رہتا ہے اور ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا تاکہ میری حالت جان سکے۔

⑦ ساتویں نے کہا میرا خاوند عاجز ہے (نامرد ہے) یا مکمل طور پر احمق ہے، ہر وہ بیماری جو ہو سکتی ہو وہ اس میں موجود ہے، تمہارا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گذرے۔

⑧ آٹھویں نے کہا: میرا شوہر چھونے میں خرگوش کی طرح نرم اور خوشبو میں زعفران کی طرح ہے۔

⑨ نویں نے کہا: کہ میرا خاوند عالی نسب ہے، بڑا مہمان نواز ہے، دراز قامت ہے، اس کا گھر مجلس سے قریب تر ہے۔

⑩ دسویں عورت نے کہا: میرا شوہر مالک ہے، مالک کے کیا کہنے! ان سب سے بہتر ہے اس کے اونٹ بہت ہیں جو قریب ہی بٹھائے جاتے ہیں، چراگاہ میں کم ہی جاتے ہیں، جب وہ اونٹ ساز کی آواز سنتے ہیں تو انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب ان کے ذبح کا وقت آگیا۔

⑪ گیارہویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند ابوزرع تھا، ابوزرع کی کیا تعریف کروں اس نے تو میرے کان زیورات سے جھکا دیئے اور چربی سے میرے بازو پُر کر دیئے، اس نے مجھے اتنا خوش کر دیا کہ میں خود کو بھی بھلی لگنے لگی، اس نے مجھے

ایسے گھرانے میں پایا جو بمشکل چند بکریوں کے مالک تھے مگر مجھے ایسے گھرانے میں لے آیا جو گھوڑے اونٹ اور کھیتی کے بیل اور کسانوں کے مالک تھے مزید یہ کہ میں کچھ بھی کہتی تو برا نہیں مانا جاتا تھا اور صبح تک سوتی رہتی تھی اور سیر ہو کر کھاتی پیتی تھی۔

اور ابوزرع کی ماں (یعنی میری ساس) ان کے بھی کیا کہنے، ان کے بڑے برتن بھرے رہتے، اور ان کا گھر کشادہ تھا اور ابوزرع کا بیٹا تو اس کا بھی کیا کہنا اس کی پسلی ستی ہوئی ٹہنی کی طرح نازک، بکری کے بچے کا ایک بازو اس کا پیٹ بھر دے (شکم سیر کر دیتا) اسی طرح ابوزرع کی بیٹی کی بھی کیا تعریف کی جائے، باپ کی مطیع اور ماں کی فرماں بردار، بھرے بھرے اس کے کپڑے (بھرے جسم کی مالک) اور اپنی سوکن کی جلن تھی (سوکن اس کی خوبیوں پر جل سکتی تھی) اور ابوزرع کی باندی کا بھی کمال ہی تھا، ہماری باتیں اِدھر کی اُدھر نہیں پھیلاتی، ہمارے کھانے کی چیز بھی بے دریغ خرچ نہیں کرتی تھی، اور ہمارے گھر کو بھی کوڑا کباڑ سے بھرا نہیں رکھتی۔

عورت مزید بیان کرتی ہے کہ ایک دن ابوزرع گھر سے ایسے وقت نکلا جب دودھ کے برتن بلوئے جا رہے تھے تو راستہ میں ایک عورت ملی جس کے دو چیتے جیسے بچے اس عورت کے سینے کے نیچے دو اناروں سے کھیل رہے تھے، پھر ابوزرع نے مجھے طلاق دیدی اور اس عورت سے نکاح کر لیا تو میں نے بھی اس کے بعد ایک ایسے سردار سے نکاح کر لیا جو گھوڑے پر سوار ہوتا اور سپہ گری کرتا تھا اس نے مجھے مالا مال کر دیا اور مجھے ہر جانور میں سے ایک ایک جوڑا عطا کر دیا، اور کہا ام زرع تم خود بھی کھاؤ اور اپنے میکے والوں کو بھی بھیجو چنانچہ اگر میں اس کی دی ہوئی چیزوں کو ایک جگہ جمع کروں تو بھی وہ ابوزرع کی چھوٹی سی عطا کے برابر نہیں پہنچ سکتی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (یہ واقعہ سن کر) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی تمہارے لئے ایسا ہی ہوں، جیسا ابوزرع ام زرع کے لئے

تحقیق لغوی

فتعاھدن : عہد کرلیا، ان عورتوں نے اپنے اوپر لازم کرلیا۔
تعاقدن : سچ بولنے کا عہد و پیمان کرلیا۔

لایکتمن : باب ضرب، کتمان چھپانا، پوشیدہ رکھنا۔

شیئًا : مفعول مطلق کتمان سے من الاشیاء مدحًا او ذمًا یا مفعول بہ

الاولیٰ : لحم جمل : یہ زوجی کی خبر ہے، نہایت بلیغ تشبیہ کہ میرا شوہر اونٹ کے گوشت کی طرح جس کی رغبت نہیں ہوتی اور خاص طور پر جب وہ دبلے اونٹ کا ہو۔

غَثٍّ : یہ صفت ہے جمل کی لاغر ہونا (ضرب و سمع) یا صفت لحم کی، مرفوع۔

وَعْرٍ : صفت جبل کی، سخت، دشوار گذار، جس پر چڑھنا مشکل ہو جمع اوعر، اوعار

لا سھلٍ : مجرور جبل کی صفت مرفوع لا کو لیس کے معنی میں رکھ کر، اور منصوب لا نفی کے تحت، آسان نہیں۔

یرتقی : ارتقاء : اوپر چڑھنا، ترقی کرنا، از باب سمع رقی۔

ینتقی : مجہول انتقاء منتخب کرنا، اختیار کرنا، یعنی ایسا موٹا تازہ بھی نہیں جسے کھانے کے لئے پسند کیا جائے۔

الثانیۃ :۔ لا ابث : بث (ن) پھیلانا، ظاہر کرنا، بعض روایتوں میں لا اثیر ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے۔

لا اذرہ :۔ بفتح الذال والراء لا اترکہ یعنی اس کی حالت بیان کرنے پر آجاؤں تو ڈر ہے کہ میں اس کی حالت بیان ہی کر ڈالوں گی۔

عُجَر و بُجَر : عیب ظاہری و باطنی (بالترتیب) دوسرا مفہوم ہے غم و الم۔ حضرت علیؓ کا قول ہے اشکو عجری وبجری الی ربی یعنی غم و آلام دونوں میں ضمیر راجع ہے زوج کی طرف

الثالثۃ :۔ العَشَنَّقُ : طویل قامت اور قبیح المنظر، بے ڈھب اور بے تکا لمبا، (۲) سیئ الخلق۔

اُطَلَّق : مجھے طلاق دیدی جائے، یعنی اگر اس کی برائی ظاہر کردوں تو وہ طلاق ہی دے ڈالے گا

أُعَلَّقَ : باب تفعیل سے لٹکا دینا، یعنی اگر چپ بھی رہوں تو لٹکی رہوں نہ ذات زوج ہوگی اور نہ غیر ذات زوج

الرَّابعة :۔ تہامۃ ۔ بکسر التاء۔ وہ جگہ جو بلندی کے نیچے واقع ہو، مکہ معظمہ اور اس کے آس پاس کا علاقہ تہامہ کہلاتا ہے کیونکہ یہ دامن کوہ میں واقع ہے، اس علاقہ کی رات بڑی پرسکون ہوتی ہے، راحت کے لحاظ سے یہاں تشبیہ دی گئی ہے

لا حر و لا قر :۔ نہ گرم نہ زیادہ ٹھنڈا، گویا معتدل مزاج کا ہے، مفتوح مانیں تو عبارت ہوگی لا حرَّ فیہ و لا قرَّ ۔ اصل مفہوم ہوگا لا ذو حر و لا ذو قر ۔ تخفیف کے لئے مضاف محذوف کر دیا گیا (جمع الوسائل)

مخافۃ :۔ خوف، یعنی اس میں کوئی شر نہیں جس سے خوف ہو ۔

سَامۃ : ملال اکتاہٹ، یعنی اسکے ساتھ رہنے میں بوریت نہیں ہوتی

الخامسۃ : فَہِد (سمع) چیتا بن جانا، یہ کنایہ ہے تغافل سے، کیونکہ فہد کثرت نوم سے موصوف ہوتا ہے ۔

أَسِد : (سمع) شیر بن جانا، بہادر ہونا یعنی وہ شجاع اور جری ہے، یہاں فہد اور اسد کا مطلب یہ ہے کہ گھریلو معاملات میں وہ نظریں نہیں ڈالتا، مگر جب گھر سے باہر ہو تو چوکنا ہو جاتا ہے۔ گویا گھر میں میری آزادی ہے، جو چاہوں کھاؤں پیوں کوئی باز پرس نہیں ہے ۔

عَہِد :۔ (سمع) نظر رکھنا یعنی عمار آۃ سابقاً مال رکھنے یا خرچ کرنے پر کوئی باز پرس نہیں کرتا ۔

بیک وقت سخاوتِ نفس، جودتِ طبع اور جرأت کی جانب اشارہ ہے ۔

السادسۃ :۔ لَفَّ : (ن) لپیٹنا، سمیٹ دینا، مراد کھانے کو مکمل طور پر چٹ کر جانا ۔

اشتف :۔ دودھ یا پانی جو بھی ہو سب کو ختم کر دینا یعنی یشرب کل ما فی الاناء ۔

التف :۔ کپڑوں میں لپٹ جانا، یا گھر کے ایک گوشہ میں سو رہنا ۔

یولج :۔ ایلاج (افعال) داخل کرنا یعنی اپنا ہاتھ عورت کے بدن کی طرف نہیں بڑھاتا ۔

البثّ :۔ غم، پریشانی۔

السّابعۃ :۔ عَیَایَاء : عیّ سے ماخوذ یعنی تھک جانا، عاجز ہو جانا، ایک قول کے مطابق عنین (نامرد) صحبت سے عاجز، بے کار۔

غیایاء : غیّ سے مشتق، گمراہ، بے عقل، بے وقوف

طباقاء : عاجز، منطبق، احمق، بعض کے نزدیک ثقیل الصدر عند الجماع۔

کل داء :۔ ای فی الناس، داء بمعنی بیماری

لہ داء :۔ خبر لکل داء کی یعنی جو اس کی بیماری ہے وہ بڑی بیماری ہے۔

شَجّكِ :۔ (ن) سر پھوڑ دینا، زخمی کر دینا۔

فلّ :۔ (ضرب) ہڈی توڑنا، یہاں کاف مخاطب ہے لیکن بیان کرنے والی عورت خود مراد ہے یعنی شجنی، خاص ویسے کاف لا کر اپنے شوہر کی عمومی عادت بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔

الثامنۃ : المسّ : چھونا، مضاف الیہ محذوف، اصل عبارت ہو گی مسہ لام مضاف الیہ کے عوض

ارنب :۔ خرگوش یعنی خرگوش کی طرح نرم۔

زَرْنَبٌ : ایک خوشبودار گھاس، بعض کے نزدیک زعفران۔

التاسعۃ : رفیعُ العماد :۔ عالی شان عمارت والا، یہاں مراد عالی حسب ونسب ہے۔

عظیم الرماد :۔ بہت زیادہ راکھ والا، کنایہ ہے سخاوت سے کہ گھر میں چولہا زیادہ جلتا ہے تو راکھ بھی زیادہ ہوتی ہے، مہمان نواز ہے اور سخی ہے۔

طویل النجاد :۔ طویل قامت النجاد، بکسر النون تلوار کا پرتلہ، لمبی تلوار رکھنے والا لازمی طور پر طویل القامت ہو گا۔

النّاد :۔ انجمن، مجلس، دارالمشورہ، مطلب یہ کہ اس کا گھر لوگوں کے دارالمشورہ سے قریب ہے، جو لوگوں کی امداد کرتا ہے اور لوگ اپنی مجلسوں میں اس کی شرکت باعث عزت گردانتے ہیں۔

العاشرۃ :۔ خیر من ذلك : بکسر الکاف تو مخاطب قریب والی عورت ہو گی اور بفتح الکاف

کا مطلب یہ کہ گذشتہ تمام اوصاف سے بہتر ہے۔

مبارك :۔ واحد مبرك اونٹ باندھنے کی جگہ یا مصدر میمی بروك سے اونٹ کا بیٹھنا،

مسارح :۔ واحد مسرح چراگاہ۔

مِزْهر:۔ باجا جو لکڑی سے بجایا جائے، جمع مزاهر۔

هوالك:۔ واحد هالكة ہلاک ہونے والی۔ جسے ذبح کیا جانا ہو۔ یعنی جانوروں کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کی ہلاکت کا وقت قریب آگیا ہے۔

الحادیۃ عشرۃ :۔ اَنَاسَ :۔ اناسۃ باب افعال، لٹکانا، بھاری کر دینا، بوجھ ڈال دینا، ہلا دینا۔

حُلی:۔ بضم الحاء واحد حِلیۃ زیور۔

اُذُنَیَّ :۔ بضم الذال تثنیہ کا صیغہ یاء اضافت کی۔

عَضُدَیَّ :۔ میرے دونوں بازو، یہ بھی تثنیہ نون حذف ہوا اضافت کی وجہ سے مطلب یہ ہے کہ میرے خاوند نے مجھے اتنا کھلایا پلایا کہ میرے جسم میں چربی چڑھ گئی۔ میں فربہ ہو گئی۔

بَجَّحَنی:۔ بالتشدید باب تفعیل سے، خوش کر دینا۔

بَجِحتُ :۔ بکسر الجیم (سمع) اور بفتح الجیم بھی آتا ہے مگر ضعیف ہے، خوش ہونا، یہاں مکمل عبارت اس طرح ہوگی بجحت نفسی راغبۃ الیّ : مجھے خود بھی اچھا لگنے لگا، ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے میرا احترام کیا تو میں نے اس کے لئے بھی احترام کا جذبہ اختیار کیا، گویا اس نے مجھے عزت دی تو میں اس کے لئے قابلِ عزت ہو گئی۔

غُنیمۃ :۔ تصغیر ہے غنم کی، یعنی تھوڑی بکریوں کے مالک تھے معمولی حیثیت کے لوگ تھے۔

بشِقّ :۔ بکسر الشین مشقت کے معنی، یعنی بڑی مشکلوں میں گذارا ہوتا تھا، بفتح الشین ہو تو مطلب ہوگا کہ الگ تھلگ کوہ دامن میں واقع تھے، یہاں بیان حال کے مطابق پہلی صورت اولیٰ ہے (عند المحدثین)

فجعلنی فی اهل :۔ یعنی وہ مجھے ایسے گھر میں لے آیا جو اونٹ اور گھوڑوں کے مالک تھے۔

صَہِیل :۔ گھوڑے کا ہنہنانا } مالدار لوگ مراد ہیں
اطیط :۔ اونٹوں کی آواز }

دائس :۔ اسم فاعل (دس (ن) سے بیل وغیرہ چلا کر دانہ نکالنا اس سے بیل بھی مراد ہو سکتا ہے اور دانہ نکالنے والے آدمی بھی۔

مُنِقّ :۔ صاف کرنے والا، تنقیۃ دانے وغیرہ کو بھوسہ سے الگ کر کے صاف کرنا۔ اور اگر انقاق سے ماخوذ مان لیا جائے تو بکسر النون ہوگا، نقیق کے معنی آتے ہیں مرغیوں کا آواز نکالنا کنایہ ہوگا کھیتی اور اس کی نعمتوں سے۔

فلا اُقبّح :۔ تقبیح باب تفعیل سے برا سمجھنا، برا جاننا یہ تحسین کی ضد ہے، مطلب یہ کہ میں کوئی بھی بات کروں تو اس کی تردید نہیں کی جاتی یا یہ کہ میری بات کو حقیر اور قبیح نہیں سمجھا جاتا مجھے ذلیل نہیں کیا جاتا۔

ارقد : رقود (ن) سونا۔

فاتصبح، صبح کر دیتی ہوں، یعنی صبح تک سوتی رہتی ہوں، مجھے شوہر کی خدمت کے لئے جگایا نہیں جاتا یا یہ کنایہ ہوگا نہایت امن و سکون سے۔

اتقمح :۔ باب تفعّل سے، سیر ہو جاتی ہوں اور چھوڑ دیتی ہوں قمح (ف) سیراب ہو کر پینا
عکوم :۔ بضم العین وفتحہا، واحد عکم بکسر العین، کھانے کا برتن، غلّے کا برتن۔

رداح :۔ بکسر الراء وفتحہ بھاری ہونا اور بڑا ہونا، عکوم مبتدا اور رداح خبر ہے مگر اس میں جمع اور واحد کا فرق ہے، اس لئے مفہوم ہوگا عکومھا کل واحد رداح۔ یا پھر رداح صفت نہیں بلکہ مصدر ہے ذھاب کے وزن پر۔

فساح :۔ فاء پر فتحہ یا ضمہ، وسیع کشادہ۔

مضجعہ :۔ سونے کی جگہ مراد بستر، یا پھر سوتے وقت بدن کا جو حصہ بستر سے لگتا ہو، یعنی پسلی۔

شطبہ :۔ کھجور کی ہری ٹہنی۔ تلوار۔

مسلّ :۔ بفتح المیم والسین، مصدر میمی بمعنی مسلول یا یہ ظرف مکان ہوگا، عبارت یوں ہوگی

مضجعہ کو ضمع سَلّ عنہ الشطبۃ۔ مطلب یہ ہوگا کہ ابو زرع کا بیٹا ایسا ہلکے گوشت کا ہے جو ہری ٹہنی کی طرح ہے یا یہ کہ وہ پسلیوں کے بل لیٹتا ہے، غافل نہیں سوتا چت لیٹ کر، یا پھر مطلب یہ ہوگا کہ اس کے بستر پر شکن نہیں پڑتی وہ بہت مہذب طور پر سوتا ہے۔

تشبعہ:۔ اشباع، باب افعال سے، شکم سیر کردینا، پیٹ بھر دینا شبع پیٹ بھر جانا

الحفرۃ:۔ بفتح الجیم وسکون الفار، بکری کا بچہ، یعنی کم خوراک ہے، اس کا پیٹ بکری کے بچے کے ایک بازو سے بھر جاتا ہے، کم خوراک ہونا عزت ووقار کی علامت ہے۔

طوع:۔ مطیع، فرمانبردار بمعنی طائع یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی ھی طوع

ملی کسائھا:۔ لباس کو بھر دینے والی ہے، یعنی بھرے، جسم کی ہے جو عورتوں میں خوبی سمجھی جاتی ہے۔

غیظ جارتھا:۔ اپنے سوکن کی جلن ہے، جارۃ بمعنی ضرۃ سوتن مطلب یہ کہ اپنے حسن اور خوبیوں کی وجہ سے کسی بھی عورت کے لئے باعث حسد ہے، اور اگر سوکن کے ساتھ ہو تو وہ تو اس سے اس کی صورت وسیرت کی وجہ سے لامحالہ جلتی رہے گی۔

لا تبثا:۔ بث (ن) پھیلانا، عام کرنا ظاہر کرنا۔

لا تنقث:۔ بضم القاف (ن) پھینکنا، ادھر ادھر کرنا ضائع کردیا، یا باب تفعیل سے۔

میرۃ:۔ بکسر المیم کھانا غلہ۔

تغشیشا:۔ غشی سے ماخوذ، کھوٹ ملا دینا، ملاوٹ کردینا، ایک روایت تعشیشا بالعین، گندہ کردینا، مطلب یہ ہوگا کہ وہ تو امانت دار ہے جو باعفت ہونے کا کنایہ ہوسکتا ہے یا یہ کہ وہ گھر کو صاف ستھرا رکھنے والی ہے۔

الاوطاب:۔ واحد وَطبٌ اور وطاب بکسر الواؤ، دودھ کا برتن۔

تمخض:۔ مجہول کا صیغہ، یعنی دودھ کے برتن بلوئے جارہے تھے۔ یہ جملہ حال ہے خروج سے مخض برتن ہلانا تاکہ دودھ سے مکھن نکالا جائے۔

الفھد:۔ چیتا، علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں لکھتے ہیں کہ فھد زیادہ سونے اور اچھلنے کودنے میں مشہور ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ اپنے محسن سے مانوس بھی ہوجاتا ہے

یہاں ان بچوں کو چیتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

خصر:۔ بضم الخاء، کمر، درمیانہ حصہ۔

رمانتین:۔ دو سیب، یا توحقیقۃً انار ہوں گے جن سے بچے کھیل رہے تھے، یا عورت کے دونوں پستان مراد ہیں، قاضی عیاض مؤخر الذکر ہی کو یہاں راجح قرار دیتے ہیں۔

سریا:۔ شریف، سردار، سخی بھی مراد ہو سکتا ہے۔

شریا:۔ تیز رفتار گھوڑا

خطیا بتشدید الطاء ایک نیزہ جو الخط نامی قریہ کی جانب منسوب ہے جو عمان اور بحرین کے ساحل سمندر میں واقع ہے۔

الاراحۃ:۔ شام کے وقت جانوروں کو چراگاہ سے واپس لانا، مراد مالا مال کر دینا۔

نعما:۔ واحد نعومۃ جانور، چوپایہ۔

ثریا:۔ بہت زیادہ، ماخوذ من الثروۃ، مالداری

رائحۃ:۔ باب نصر، شام کے وقت جانوروں کا واپس آنا، مراد مطلق جانور

زوجا:۔ جوڑا، صنف، دو دو عدد

میری، بکسر المیم ماخوذ از میرۃ (ض) غلہ دینا، کوئی بھی چیز دینا۔

اصغر آنیۃ، چھوٹا برتن، قیمت کے لحاظ سے یا کمیت کے اعتبار سے۔

کنت لك:۔ یہاں پر کان زائد ہے، یا دوام اور استمرار بتانے کے لئے۔ جیسے وکان اللہ غفوراً رحیماً۔

تشریح حدیث ام زرع بہت مشہور حدیث ہے، اس کے کئی نام ہیں مگر مشہور اسی نام سے ہے اور چونکہ اس کا قصہ بھی طویل ہے اور ایک الگ حیثیت لئے ہوئے ہے اس لئے امام ترمذی نے گو کہ باب کے تحت ذکر کیا ہے مگر الگ سے حدیث ام زرع کا عنوان بھی دیدیا ہے۔

ام زرع دراصل ایک عورت کی طرف اشارہ ہے جس کا نام عاتکہ بتایا جاتا ہے، اس واقعہ میں اس نے اپنے خاوند کا حال بیان کیا ہے جس کے ضمن میں تمامتر مقصود ام زرع ہیں اسلئے

اسی کی جانب منسوب کرتے ہوئے حدیث کا نام حدیث ام زرع پڑگیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کو روایت کرتی ہیں جس میں گیارہ عورتیں ایک مجلس میں شریک ہوئیں اور انھوں نے اپنے شوہروں کے احوال بیان کئے، بعض نے مذمت کی ہے تو بعض نے اپنے خاوند کی تعریف، علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ یہ سب کی سب یمن کی رہنے والی ہیں، حتمی طور پر ان کے نام معلوم نہ ہو سکے، خطیب بغدادی نے اپنی کتاب المبہمات میں آٹھ عورتوں کے نام بھی گنوائے ہیں، مگر یہ بھی قطعی طور پر درست ہوں یہ ضروری نہیں، اس لئے مصنف نے نام لئے بغیر حدیث روایت کی ہے، نام مقصود بالذات بھی نہیں ہے، البتہ ام زرع کا نام عام کیا جاتا ہے، ابوزرع اور ان کی ماں، بیٹا، بیٹی اور جاریہ کون تھے جن کا تذکرہ اس واقعہ میں ہے یہ معلوم نہیں۔

یہ حدیث اتنی مشہور ہے کہ بعض ائمہ حدیث نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے قاضی عیاض اور امام رافعی نے، اور یہ حدیث صرف امام ترمذی ہی نے روایت نہیں کی ہے بلکہ صحاح کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے۔

حدیث مرفوع یا مرسل ہے؟ اس پر بحث کرتے ہوئے محدثین کہتے ہیں کہ بلاشک یہ مرفوع روایت ہے کیونکہ حدیث کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول موجود ہے۔

کنت لك کابی زرع لام زرع۔

گیارہ عورتوں نے اپنے اپنے خاوند کا جو حال بیان کیا ہے ان میں کچھ تو وہ ہیں جنھوں نے واضح طور پر اپنے خاوند کی مذمت کی ہے اور کچھ نے تعریف، مگر بعض عورتوں کا کلام مدح وذم دونوں پر مشتمل ہو سکتا ہے اس لئے تشریح میں ہر ایک کی الگ الگ وضاحت پیش ہے۔

قالت الاولی:۔

پہلی عورت کہتی ہے کہ میرا خاوند ناکارہ ہے اونٹ کے ایسے گوشت کے مانند جو دشوار گذار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا ہو، یعنی اونٹ کا گوشت تو ویسے بھی مرغوب نہیں ہوتا، پھر اس کا حصول دشوار ہو تو کریلا نیم چڑھا، ایک تو میرا خاوند بیکار ہستی ہے طرہ یہ کہ بدخلق بھی ہے متکبر بھی ہے اس سے کسی بھلائی کی توقع کسی حالت میں ممکن نہیں۔

اس واقعہ میں واضح طور پر مذمت ہے۔

الثانیۃ :-

دوسری عورت اپنے خاوند کے بارے میں کچھ نہ کہتے ہوئے بھی سب کچھ کہہ رہی ہے، کہتی ہے کہ میں اس کے عیوب کہاں تک شمار کراؤں اگر میں بیان کرنے پہ آگئی تو سارا کچا چٹھا بیان کر دونگی اسی خوف سے کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔

یہ بھی اپنے شوہر کی مذمت کر رہی ہے، بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس نے حالات بیان کرنے سے گریز کیا ہے اور مجلس کے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کر رہی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس نے مختصر طور پر اور بنا کچھ کہے یہ جتا دیا کہ میرا شوہر تو عیوب کا مجموعہ ہے، مختصر مگر جامع طور پر اس سے زیادہ مذمت اور کیا ہو سکتی ہے۔

الثالثۃ :-

تیسری عورت بھی اپنے شوہر کی برائی کر رہی ہے کہ وہ ظاہری شکل و صورت میں بھی بے ڈھنگا ہے ہے لمبا ہے، جو خود بے وقوفی کی علامت۔ اس پر مزید یہ کہ ہر وقت مجھے طلاق دینے پر آمادہ اگر میں نے کچھ کہدیا تو لازماً طلاق دیدیگا چنانچہ میں اپنی ضرورت بھی اس سے بیان نہیں کر سکتی، اس خاموشی کا نتیجہ یہ ہے کہ میں لٹکی ہوئی ہوں یعنی شوہر والی بھی ہوں مگر میری ضرورتوں کا اسے خیال نہیں ہے جیسے بلا خاوند کے کوئی عورت ہو مگر چونکہ اس کی منکوحہ ہوں اسلئے کوئی دوسرا خاوند تلاش نہیں کر سکتی ۔۔۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ یہ انداز شکایت نہایت ہی بلیغانہ ہے۔

الرابعۃ :-

یہ چوتھی عورت کہتی ہے کہ میرا شوہر معتدل مزاج ہے، پر سکون ہے اس سے کوئی خوف اور نہ کوئی ملال ہے۔

اس میں شوہر کی خوبی کا تذکرہ ہے مگر مختصر طور پر کہ جس طرح تہامہ کی راتیں، دن کی سخت گرمی کے بعد پر سکون ہو جاتی ہیں، اسی طرح وہ بھی ہے، اس سے کوئی تکلیف نہیں، کوئی ڈر نہیں، اور اسکے ساتھ رہتے ہوئے بوریت کا احساس بھی نہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ شوہر کی طبیعت کی سرد مہری اور قلت مصاحبت مراد لے رہی ہو۔

الخامسۃ :-

پانچویں عورت کہتی ہے کہ میرا شوہر گھر میں چیتا اور باہر شیر کے مانند رہتا ہے۔

اگر اس کو مذمت پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ گھر میں آیا اور چپ چاپ سو گیا جیسے چیتے کو نیند بڑی مرغوب ہے وہ یہ دیکھتا ہی نہیں کہ بیوی کی خیریت معلوم کرے، اس کی ضروریات پوری کرے، اس کے برخلاف جب باہر ہوتا ہے تو شیر کی طرح چوکنا ہو جاتا ہے، ہر طرف کی خبر رکھتا ہے۔

اور اگر اس بیان کو مدح پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ گھریلو معاملات میں قطعی مداخلت نہیں کرتا، کیا ہوا اور کیا کھایا پیا، کس طرح مال خرچ کیا کچھ نہیں پوچھتا، کوئی تحقیق اور بازپرس نہیں، اس کے برعکس جب گھر کے باہر ہو تو ہر جگہ شیر کی مانند رہتا ہے، تمام معاملات پر نظر رکھتا ہے ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتا ہے۔

اس طرح اس کلام میں مدح اور ذم دونوں پہلو مفہوم ہو سکتے ہیں مگر ملا علی قاری کہتے ہیں کہ درحقیقت اس میں تعریف ہی ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ شوہر سخی بھی ہے، اچھی قابلیت کا بھی ہے، توی القلب اور معاملات پر اچھی نظر رکھنے والا ہے، اس کلام کو اگر مذمت پر محمول کیا جائے تو یہ توجیہ بعید ہوگی جب کہ حسن ظن کی بنیاد پر کلام کو محمول کرنا بہتر ہوا کرتا ہے۔

السّادسۃ :-

چھٹی عورت نے شوہر کا جو حال بیان کیا ہے اس میں مدح و ذم دونوں متبادر ہو سکتے ہیں مگر مذمت غالب پہلو ہے، کہتی ہے کہ میرا شوہر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے، پیتا ہے تو صاف کر جاتا ہے اور سونے کے وقت اپنے ہی کپڑوں میں لپٹ جاتا ہے میری جانب ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا کہ میری پریشانی یا ضرورت معلوم کر سکے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ حاصل کلام مذمت ہے کیونکہ قرآن میں آیا ہے "کلوا واشربوا ولا تسرفوا" اس کے برخلاف اس کے خاوند کو کھانے پینے ہی کی رغبت دکھائی دیتی ہے اور اہل و عیال کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اس میں طاعت میں سستی بھی ہے اور جرآت و بہادری کی کمی بھی ہے (جمع الوسائل)

ابن اعرابی کہتے ہیں کہ عورت اپنے شوہر کی مذمت کر رہی ہے بایں طور کہ وہ اپنے بستر پر

ایک کونے میں سو رہتا ہے اور بیوی کے قریب نہیں آتا جس سے اس کی محبت کا اندازہ لگا سکے۔ عورت کے بدن کی سردی گرمی جان سکے، دکھ اور درد معلوم کر سکے، یہی قول قاضی عیاض کا بھی ہے۔

البتہ اگر اس میں مدحت کا پہلو مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ خوب کھاتا پیتا ہے، تندرست ہے، بہادر ہے، عورت کے عیوب نہیں تلاش کرتا، کوتاہیوں کی طرف نظر نہیں کرتا۔

السَّابعۃ :-

ساتویں عورت مکمل طور پر اپنے خاوند کی مذمت کر رہی ہے، کہتی ہے کہ میرا شوہر ناکارہ، عاجز اور احمق ہے، بے عقل بھی ہے اور بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں، ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ نامرد ہی ہے، اس کے علاوہ سارے عیوب جو دنیا میں کسی میں ہوں وہ اس میں سب موجود ہیں اس پر بدخلق بھی اتنا کہ کچھ پتہ نہیں کب سر پھوڑ دے یا مارے پیٹے یا پورا بدن زخمی کر دے۔

الثامنۃ :-

آٹھویں عورت اپنے خاوند کی تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اس کا ظاہر بھی نرم اور باطن بھی، وہ مکمل خوشبو والا ہے۔

یعنی اچھی عادت کا، نرم مزاج کا، اور اپنی خوبیوں میں مشہور، جیسے خوشبو ہر جگہ پھیلے، اسی طرح وہ بھی مشہور ہے۔

التاسعۃ :

اس میں بھی عورت اپنے شوہر کی خوبیاں بیان کر رہی ہے کہ وہ عالی نسب ہے، معزز ہے اور سخی بھی ہے، مہمان نواز ہے اس لئے اس کے گھر مہمانوں کی آمد و رفت کی وجہ سے چولہا زیادہ جلتا ہے اور راکھ بھی زیادہ ہوتی ہے، ساتھ ہی وہ ظاہری حسن کا مالک بھی ہے، دراز قد اور وجیہ ہے اور لوگوں کے غم میں شریک بھی رہتا ہے، اس لئے تو لوگوں کی مجلس اس کے گھر سے قریب ہوتی ہے، وہ خود شریک ہوتا ہے اور لوگوں کو اچھے مشورے بھی دیتا ہے، اور ان کی تواضع بھی کرتا ہے، گویا وہ ذی رائے بھی ہے اور لوگوں سے قریب تر بھی، ان میں مقبول بھی ہے۔

العاشرۃ :-

دسویں عورت کہتی ہے کہ میرا خاوند مالک ہے اس کی کیا تعریف کروں، جتنی خوبیاں اب تک شمار کرائی گئی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں، مزید یہ کہ بیحد سخی بھی ہے، مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ مہمان نواز بھی ہے، اس کے اونٹ وغیرہ بہت ہیں جن کو گھر سے قریب رکھ کر ہی ان کو چارہ مہیا کرتا ہے قریب رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر مہمان آجائے تو فوراً اونٹ ذبح کرکے ان کی تواضع کی جائے، یہی سبب ہے کہ جب مہمان کے آنے پر خوشی کے ساز بجتے ہیں تو اونٹوں کو بھی یقین ہو جاتا ہے کہ مہمان آگئے، اب ان کے ذبح ہونے کا وقت بھی آگیا۔

گویا آدمی تو آدمی جانوروں کو بھی اس کی سخاوت کا علم ہے۔

الحادی عشرۃ :۔

گیارہویں عورت یعنی ام زرع کا بیان حاصل روایت ہے، ام ذرع اپنے خاوند کی خوبیاں تو ذکر کرتی ہی ہیں ان کی والدہ، لڑکے، لڑکی اور باندی تک کی تعریف کر رہی ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ میرے شوہر نے میرے لئے اتنی آسائشیں دی اور اتنی عزت دی کہ میں اسکا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ میں خود ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، اس نے شادی کی، اور اپنے گھر لے آیا جہاں ہر طرح کے جانور رہیں، اونٹ، گھوڑے، بیل اور جائیداد کا مالک ہے۔ جس کے گھر مکمل کاشتکاری بھی ہے، میرے ساتھ شاہانہ برتاؤ، سونے کی پابندی نہ جاگنے کی قید، کھانے پینے میں مکمل آرام۔

اور میری ساس بھی بڑی خوبیوں کی مالک ہیں، ان کا گھر بھی کشادہ اور ان کے سارے برتن بھرے ہوئے یعنی مالدار خاتون ہیں۔

اور ابو زرع کے بیٹے کی کیا خوبی بیان کروں، دبلا پتلا چھریرے بدن کا مالک، غفلت میں نہیں رہتا بلکہ چاک و چوبند، خوراک زیادہ نہیں، تھوڑا گوشت بھی کافی، گویا بہادر ہے اس طرح اس کی بیٹی بھی ہے جو ماں باپ کی نہایت فرمانبردار، ظاہری حسن سے بھی مالامال، بھرا جسم جسے دیکھ کر عورتیں حسد میں مبتلا ہو جائیں، اور ابو زرع کی باندی بھی لاجواب، خدمت سے غرض، ہماری باتیں اِدھر اُدھر نہیں کرتی سامان کی حفاظت بھی کرتی ہے اور گھر کی صفائی بھی۔

کہتی ہے کہ ایک دن صبح سویرے ابو زرع باہر کہیں نکلے تو ایک خوبصورت عورت نظر آئی

جس کے دو بچے خوبصورت سے اس کے بدن سے لپٹے ہوئے مگن تھے، وہ عورت اس درجہ پسند آئی کہ اس سے شادی کرلی اور اس بات کا خیال رکھا کہ مجھے تکلیف نہ ہو، چنانچہ سوکن کے ساتھ رکھنے کے بجائے مجھے آزاد کردیا۔ مجھے طلاق دیدی، تب میں نے دوبارہ ایک بہادر اور مالدار آدمی سے نکاح کرلیا، اور اس نے بھی مجھے عیش وعشرت سے نواز دیا اور مال بھی عطا کئے اور کہدیا کہ خود بھی خوب کھاؤ اور اپنے اعزاء واقرباء کو بھی کھلاؤ۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ دوسرے خاوند نے جتنا کچھ دیا وہ تو ابوزرع کے معمولی عطا اور عنایت کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اخیر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضورؐ کو جب یہ واقعہ سنایا تو انھوں نے فرمایا کہ میں بھی تمھارے لئے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابوزرع ام زرع کے لئے تھا۔

آنحضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ الفت ووفاداری اور نعمت سے مالامال کردینے کے معاملہ میں میرا رویہ اسی طرح ہے جس طرح ابوزرع نے اپنی زوجہ کے ساتھ رکھا تھا، البتہ اس نے طلاق بھی دیدی تھی مگر میں نے تمھیں طلاق بھی نہیں دی، یہی الفاظ بعض روایات سے ثابت ہیں، ورنہ اعتراض ہوسکتا تھا کہ ابوزرع نے تو طلاق دیدی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق نہیں دی، پھر آپ نے کیسے فرمادیا کہ میرا معاملہ اسی طرح کا ہے،

اس کا جواب بعض شراح حدیث یہ بھی دیتے ہیں کہ تشبیہ من کل الوجوہ ضروری نہیں ہوتی ترمذی کے علاوہ صحیحین میں بھی یہ حدیث اسی طرح مذکور ہے، اس لحاظ سے یہ حدیث صرف کنت لک کابی ذرع لام ذرع کی حد تک مرفوع ہے اور باقی قول حضرت عائشہؓ کا ہے مگر صحیحین کے علاوہ نسائی میں بھی یہ حدیث مذکور ہے اور مکمل مرفوع ہے عن عباد بن منصور، اسکے علاوہ یہ بھی مسلّم ہے کہ آنحضورؐ نے پورا واقعہ سنا اس کے بعد اپنی رائے ظاہر فرمائی اس لحاظ سے بھی یہ حدیث مرفوع ہوگئی۔

اس حدیث میں غیبت ہے یا نہیں؟

ایک طرف اس روایت سے بہت سے فوائد کا پتہ چلتا ہے، مثلاً اہل وعیال کے ساتھ

اچھا معاملہ کرنا، رات کو قصہ گوئی، گذرے زمانے کے واقعات کا تذکرہ کرنا، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت بھی معلوم ہوتی ہے۔

اور دوسری طرف بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غیبت بھی کی گئی ہے جس کی حرمت متفق علیہ ہے، مگر جو غیبت حرام ہے وہ حقیقۃً اس واقعہ میں ہے ہی نہیں، کیونکہ کسی کا نام لئے بغیر ہی مذمت کی گئی ہے جس کو سامع متعین بھی نہیں کرسکتا۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس پر غیبت کا اطلاق نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ ذکر المجھول علی طریق الابھام ہے اور اس میں بھی دینی و دنیوی فوائد مرتب ہو رہے ہیں اس بنا پر اس کو غیبت قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔

علماء احناف میں سے صاحب الخلاصہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پورے گاؤں والوں کی غیبت کرے تو وہ غیبت نہیں ہوگی تا آنکہ کسی خاندان یا مخصوص قوم کے لوگوں کا نام لے لیا جائے۔ (جمع الوسائل)

باب صفة نوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کے بیان میں

اس باب کے تحت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتے وقت کے معمولات کا تذکرہ ہو رہا ہے، آپ سوتے وقت کیا پڑھتے تھے، کس طرح اور کس کروٹ سوتے تھے وغیرہ۔ اس باب میں چھ حدیثیں ہیں۔

گذشتہ باب سے مناسبت ظاہر ہے، پہلے باب میں سونے سے قبل قصہ گوئی کی بات ہے پھر سونے کا عمل، اس کے سلسلہ میں آنحضورؐ کا کیا معمول رہا وہ اس باب میں پیش ہے

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ اَنْبَاَنَا اِسْرَائِيْلُ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰی تَحْتَ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَقَالَ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ۔

حضرت براء بن عازب روایت کرتے ہیں کہ جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تو اپنی داہنی ہتھیلی اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے اور یہ دعا پڑھتے: اے خدا مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھ اس دن جب تو اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا (روزِ قیامت)۔

تحقیق مضجع ۔ بفتح المیم والجیم، لیٹنے کی جگہ، بستر، اخذ المضجع کا مطلب سونا، یہاں مطلب ہوگا اذا اراد النوم فی مضجعہ۔

کف: ہتھیلی انگلیوں سمیت، اس کو کف اس لئے کہتے ہیں کہ بدن سے تکلیف کو روکتا ہے۔

قِنی: وقایۃ (ض)، بچانا، محفوظ رکھنا۔

تبعث: اٹھانا، زندہ کرنا یوم البعث قیامت کو کہتے ہیں۔

تشریح اس حدیث سے دو باتیں اخذ ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں کروٹ سویا کرتے تھے، اور دوسری یہ کہ سونے سے قبل دعا بھی فرمایا کرتے تھے۔

دائیں کروٹ لیٹنے میں اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ سونے کی حالت میں بھی تیمن اختیار کرنا مستحب ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب آدمی دائیں پہلو پر سوتا ہے تو چوکنا رہتا ہے غفلت کی نیند طاری نہیں ہوتی کیونکہ دل کا مقام بائیں طرف ہے اور وہ ایسی حالت میں لٹکا رہتا ہے، قلب کو مکمل آرام ملنے میں ہی زیادہ غفلت طاری ہوسکتی ہے جو بائیں کروٹ لیٹنے سے ہوتی ہے۔

مگر دل کا جاگتے رہنا اس پر غفلت طاری نہ ہونا یہ عام افراد کے لئے ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب تو ہر حالت میں جاگتا رہتا تھا خواہ وہ کسی کروٹ آرام فرما رہے ہوں دائیں یا بائیں یہ طریقہ استراحت دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر خیر میں تیامن پسند فرماتے تھے، اس کے علاوہ یہ امت کے لئے تعلیم تھی کہ امت کے ہر فرد کو یہ روش اپنانی چاہئے۔

دوسری بات یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عذاب سے حفاظت کی دعا فرماتے تھے، جب کہ آپ کے گناہ (اگر ہوں) ماتقدم وما تاخر معاف ہیں، تو یہ بھی تعلیم امت کیلئے ہے اور پھر خوف خدا کا مزید اظہار بھی ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اَنْبَاَنَا اِسْرَائِيْلُ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مِثْلَهٗ وَقَالَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔

عبداللہ بن مسعود کی روایت بھی ماسبق کی طرح ہے، البتہ اس میں دعا کے ایک لفظ میں

فرق ہے یوم تجمع عبادك، اس کا مفہوم بھی پہلے ہی کا سا ہے۔

(۳) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم باسمك اموت واحيٰ۔ اے اللہ تیرے نام پر ہی مرتا (سوتا) ہوں اور تیرے نام سے ہی جیوں گا (بیدار ہوں گا) اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے، خدا کی ہی تعریف ہے جس نے گویا مرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی جانب لوٹنا ہے۔

تحقیق اویٰ: (ض) ٹھکانا بنانا، داخل ہونا، یہاں مراد ہے جب سونے کا ارادہ فرماتے۔
اموت واحیٰ: یہاں موت سے مراد نیند اور زندگی سے مراد بیداری ہے

النشور:۔ تفرق فی امور المعاد والمعاش۔ نشر کے معنی حیات بعد الموت بھی ہے، الیہ النشور کا مطلب وہی مرجع و ماویٰ ہے یا یہ کہ دوبارہ زندگی ملے گی تو وہیں جانا ہے۔

تشریح اس حدیث میں بھی سونے سے قبل آپؐ کی ایک دعا مذکور ہے، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ آدمی کو سونے سے قبل بیداری کا بھی خیال رکھنا چاہئے اور یہ کہ قیامت بھی یاد رہنی چاہئے اور سوتے وقت بھی رجوع الی اللہ ہو تا کہ خاتمہ الامر پر ذکر اللہ لبوں پر رہے۔

(۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ اُرَاهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ فَنَفَثَ فِيْهِمَا وَقَرَاَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَأُ بِهِمَا رَأْسَهٗ وَوَجْهَهٗ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَصْنَعُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سونے کا ارادہ فرماتے تو دونوں ہتھیلیوں کو اٹھا کر کے ان پر دم فرماتے اور ان پر "قل ھو اللہ احد" قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس" پڑھتے پھر دونوں ہتھیلیوں کو حتی الامکان پورے بدن پر پھیر لیا کرتے تھے، پہلے تو دونوں ہتھیلیاں اپنے سر چہرے اور بدن کے سامنے کے حصہ پر پھیرتے تھے اور ایسا تین مرتبہ کرتے تھے۔

تحقیق نفث :۔ پھونک مارنا، دم کرنا، منھ سے آہستہ سے ہوا نکالنا اس طرح کہ تھوک نہ نکلے۔

مااستطاع :۔ حتی الامکان، یعنی بدن کے جن حصوں پر ہتھیلی پھیری جا سکتی ہو۔

مااقبل :۔ جو سامنے کا حصہ ہوتا ہے۔

تشریح اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے قرآن کی بعض سورتیں بھی پڑھا کرتے تھے، مختلف روایتوں سے دعاؤں وسورتوں کا پڑھنا ثابت ہے، اس حدیث میں مزید یہ ہے کہ آپ تین بار پڑھتے اور ہتھیلیوں پر دم کر کے بدن کے پورے حصے پر پھیر لیتے تھے۔

اس روایت میں آیا ہے نفث وقرأ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پھونک مارتے تھے پھر قرآن کی سورتیں پڑھتے، حالانکہ پڑھنے کے بعد دم کرنا ثابت ہے، تو اس کا جواب محدثین یہ دیتے ہیں کہ یا تو راوی نے بیان کرنے میں ترتیب بدل دی اصل میں ہے قرأ و نفث یا یہ کہ یہاں حرف واو ہے جو مطلق جمع کے لئے آتا ہے، ترتیب بتانا مقصود نہیں بلکہ پڑھنا اور دم کرنا دونوں چیزیں واضح کرنی ہے، گو آپ پہلے آیتیں پڑھتے پھر دم کرتے، ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نفث کا مطلب ہے اراد النفث یعنی دم کرنے کا ارادہ فرماتے تو یہ تینوں سورتیں پڑھ لیتے پھر پھونک مارتے۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَكَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاَتَاهُ بِلَالٌ فَاٰذَنَهُ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ وَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. وَفِى الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوئے تو ہلکا سا خراٹا لینے لگے اور آپ کی عادت تھی کہ جب نیند میں ہوتے تو منھ سے ہلکی آواز نکلا کرتی تھی، پھر حضرت بلال آئے اور نماز کی تیاری کی اطلاع دی، چنانچہ آپ اٹھ کھڑے ہوئے، نماز پڑھی اور وضو نہیں کی۔

تحقیق و تشریح نفخ کے معنی آتے ہیں منھ سے ہلکی ہلکی آواز نکالنا، اس کو متعارف خراٹے سے تعبیر کرنا درست نہیں ہوگا، خراٹے کے لئے لفظ آتا ہے غطیط اور یہ معیوب ہوتا ہے۔

جب آپ سوتے تو منھ سے ہلکی آواز نکلتی جو معیوب نہیں ہے، پر آپ خراٹے نہیں لیتے تھے ایک دفعہ آپ سوتے تو حسب معمول سونے کی علامت کے طور پر منھ سے ہلکی ہلکی آواز نکل رہی تھی حضرت بلال نے آکر بیدار کیا تو آپ نے بلا وضو کئے نماز پڑھائی، اسلئے کہ نوم نبی کے لئے ناقض وضو نہیں ہو سکتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کی آنکھیں تو سوتی تھیں مگر دل جاگتا رہتا تھا، دل کی بیداری حدث کو روکتی ہے، اس لئے آپ کو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس حدیث میں ایک واقعہ بھی ہے جو آگے کسی باب میں آئیگا

(۶) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا. فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِىَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِىَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے کا

ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے شکم سیر کیا اور سیراب کیا اور ہماری کفایت فرمائی اور ٹھکانہ دیا بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا نہ کفایت کرنے والا اور نہ پناہ دینے والا ہے۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کھانے کے بعد بھی فرمائی ہے اور سونے سے قبل بھی، خدا کی نعمتوں کا تذکرہ ہے کہ اس نے کھلایا، پلایا، ہمارے معاملات پورے کئے اور سونے کے لئے ایک ٹھکانہ بھی عطا کیا۔ ان پر خدا کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے، ورنہ تو بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے کام پورے نہیں ہو پاتے، ٹھکانہ اور بستر میسر نہیں، ان کا کوئی حامی ہے نہ مددگار۔

ایک طرح سے آپ نے یہ ترغیب بھی دی کہ ہر حال میں خدا کا شکر بجالانا ضروری ہے ورنہ اگر بعض ضروریات کی عدم تکمیل پر نظر پڑے تو دوسرے مزید ضرورت مندوں کو بھی دیکھنا چاہیے جن کی بہت سی اہم ضرورتیں بھی پوری نہیں ہو پاتیں۔ گویا اپنے سے کمتر کی حالت پر نظر رکھنے کی آپؐ نے تاکید بھی خوبصورت انداز میں فرمائی، تاکہ اپنی بہتر حالت پر خدا کا شکر ضرور ادا کیا جائے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لئن شکرتم لازیدنکم۔ تم شکر کروگے تو میں مزید انعام و احسان عطا کروں گا۔

(۷) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُرَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ ۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخر شب سفر میں کہیں قیام فرماتے تو دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے اور جب صبح سے کچھ پہلے پڑاؤ ڈالتے تو اپنا داہنا بازو کھڑا کرتے اور ہتھیلی پر سر کو رکھ لیتے تھے۔

تحقیق عرّس :- تعریس، سفر کے وقت مسافر کا رات کو کہیں پڑاؤ ڈالنا، آرام کے ارادہ سے تھوڑی دیر کو وقفہ کرنا۔

اضطجع :- لیٹنا، آرام کرنا، سونا۔

نصب :- (ض)، کھڑا کرنا، جمانا۔

تشریح اس حدیث میں سفر کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات استراحت کا ذکر ہے، جب رات کے حصہ میں کہیں رک کر آرام کا ارادہ فرماتے تھے تو چونکہ تھوڑا وقت ہوتا اس لئے لیٹ جاتے تھے یا سوجاتے تھے، پر معمول وہی رہتا کہ دائیں کروٹ لیٹتے تھے۔ البتہ جب وقت مختصر ہوتا اور صبح ہونے والی ہوتی تو سونے کا وقت نہیں ہوتا اس لئے صرف آرام کرتے اور اس کی صورت یہ ہوتی کہ ہاتھ پر ٹیک لگا کر استراحت فرمالیا کرتے، تاکہ نیند نہ آجائے اور اس سے نماز کا وقت نکل جائے، صرف کہنی پر سر رکھ کر تھوڑا سا آرام فرمالیتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی عبادۃ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم

نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی عبادت کا ذکر

عبادت کے لغوی معنی اطاعت کے ہیں اور اصل مفہوم ہے امتثال لامر۔ ایک معنی ہے نہایت درجہ خضوع، اس لئے شریعت میں ہر اس عمل پر اطلاق ہوتا ہے جو حد درجہ خضوع کی علامت ہے جیسے نماز، روزہ، تلاوت، جہاد وغیرہ۔

یہاں عبادۃ النبی سے مراد ہے الزیادۃ علی الواجبات یعنی عبادات نافلہ، یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت وسکون عبادت ہے مگر یہاں مصنف نے خصائل نبی کے تحت چند عبادات کا تذکرہ کیا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے اور شریعت نازل ہونے کے بعد عبادت کا مفہوم تو واضح ہو جاتا ہے مگر کیا آپؐ نے نبوت سے قبل بھی عبادت فرمائی اور عبادت کی تو کس طرح اور کس شریعت کی روشنی میں، اس سلسلہ میں ائمہ سلف میں اختلاف پایا جاتا ہے

امام مالک رحمہ اللہ خاموشی اختیار فرماتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک آپؐ نے نبوت سے قبل کسی شریعت کی تقلید اور پابندی سے عبادت نہیں فرمائی ہے ورنہ روایتوں میں تذکرہ ضرور آتا، اور جو خود دنیا کا مقتدیٰ اور پیشوا ہے وہ مقتدی اور پیروکار کس طرح ہو سکتا ہے۔

بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ آپؐ خاص شریعت کے مطابق عبادت فرماتے تھے وہ شریعت کس نبی کی تھی؟ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰ علیہم السّلام میں سے کس کی۔

امام بلقینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ احادیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی کیفیت مذکور نہیں جس سے پتہ چلتا کہ آپ، قبلِ نبوت کس طرح عبادت فرماتے تھے اور کس شریعت کے پابند تھے۔

راقم السطور کی حقیر سمجھ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم توحید پر عمل کرتے ہوئے ذکر و فکر کے علاوہ ان تمام عادات و خصائل سے متصف تھے جو اس زمانہ میں کسی بھی شریعت میں کمال اور کسی بھی معاشرہ میں بہتر سمجھے جاتے تھے، یہ بات بہرحال مسلّم ہے کہ گذشتہ شریعتوں میں فضائل اور محاسن کی بہت سی باتیں قدرِ مشترک کے طور پر رہی ہیں جیسے اچھی عادت، اخلاق و شرافت سچائی، امانت داری، ہمدردی، غم گساری، غریبوں کی مدد، مظلوم کی حمایت، صبر و شکر، بردباری، اور خالق دو جہاں پر یقین، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ چیزیں نبوت سے قبل بھی تھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان اخلاق و محاسن پر قائم رہنا بھی تعبّد کا عنوان ہو سکتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

اس باب کے تحت ۲۴ حدیثیں مذکور ہیں جن میں عادات فاضلہ اور عبادات نافلہ کا بیان ہے

(۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَبِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ اَتَتَكَلَّفُ هٰذَا وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اتنے کھڑے رہتے کہ ان کے قدمین متورم ہو جاتے، تو آپؐ سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا آپ از خود اتنی مشقت برداشت فرماتے ہیں جب کہ آپؐ کے خطایا تو اوّل و آخر اللہ نے بخش دیئے ہیں، آنحضورؐ نے جواب دیا کہ کیا میں خدا کا شکرگذار بندہ بھی نہ بنوں۔

تحقیق
قام: کھڑا ہونا، یہاں مراد ہے لمبی لمبی نمازیں پڑھنا ما زال قائماً فی الصلوٰۃ۔
انتفخت:۔ سوج گئی تھیں، متورم ہوگئی تھیں۔
تتکلف:۔ آپ خود اپنے اوپر لازم کئے ہوئے ہیں خود ہی اس قدر مشقت برداشت کر رہے ہیں۔
شکوراً:۔ شاکراً بصیغۃ المبالغۃ۔ زیادہ شکر گذار۔

تشریح
یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرائض کی ادائیگی میں تخفیف فرماتے تھے تاکہ دوسروں پر دشوار نہ ہو مگر نوافل نمازیں دیر تک کھڑے رہتے، اور اتنی دیر تک ادا فرماتے تھے کہ آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا، بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے خطایا تو خدا کی جانب سے معاف ہیں یعنی آپ سے کسی ایسی غلطی کا صدور نہیں ہوسکتا جسے گناہ کہا جاسکے پھر بھی آپ تکلیف برداشت کرتے ہیں، تو آپؐ نے جواب دیا کہ میری یہ عبادت خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے، جب خدا کی اتنی نعمتیں ہیں تو کیا اس کا شکر ادا نہ کروں؟

یہاں من ذنبک سے بالاتفاق وہ اعمال و افعال مراد ہیں جو آپؐ کے شایان شان نہ ہو، گناہ اور ذنب حقیقی مفہوم میں بالکل مراد نہیں ہے کیونکہ انبیاء معصوم عن الخطا ہوتے ہیں اس کے باوجود کسی معاملہ میں اجتہادی خطا یا لغزش یا سہو کا احتمال ہوسکتا تھا، اس کے لئے بھی خدا نے مغفرت فرمادی ہے، اس کے باوجود عبادات نافلہ کا التزام دراصل "انہ کان عبداً شکوراً" کا مصداق ہے اور امت کو ترغیب ہے عبادات کی ادائیگی کے لئے۔

(۲) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَتّٰى تَرِمَا قَدَمَاهُ قَالَ فَقِيْلَ لَهٗ تَفْعَلُ هٰذَا وَقَدْ جَاءَكَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ غَفَرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

حضرت ابوہریرہؓ (سابق روایت کے مفہوم پر) روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اور طویل نماز پڑھا کرتے تھے کہ ان کے پاؤں سوج جاتے۔

(۳) حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى بْنُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنِيْ عَمِّيْ يَحْيَى بْنُ عِيسَى الرَّمْلِيُّ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ يُصَلِّيْ حَتّٰى تَنْتَفِخَ قَدَمَاهُ فَيُقَالُ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَفْعَلُ هٰذَا وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

حضرت ابوہریرہ رض کی یہ روایت بھی اسی مفہوم کو ادا کر رہی ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ كَانَ يَنَامُ اَوَّلَ اللَّيْلِ ثُمَّ يَقُوْمُ فَاِذَا كَانَ مِنَ السَّحَرِ اَوْتَرَ ثُمَّ اَتٰى فِرَاشَهٗ فَاِذَا كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اَلَمَّ بِاَهْلِهٖ فَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ وَثَبَ فَاِنْ كَانَ جُنُبًا اَفَاضَ عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ وَاِلَّا تَوَضَّاَ وَخَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ۔

اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا، رات کے ابتدائی پہر سو جاتے پھر اٹھتے تو جب صبح کا وقت قریب ہوتا تو وتر ادا فرماتے، اس کے بعد بستر پر تشریف لاتے، اگر آپ کو مباشرت کی ضرورت ہوتی تو زوجہ کے پاس تشریف لیجاتے پھر جب اذان سنتے تو اٹھ کھڑے ہوتے اگر غسل کی حاجت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو کر کے نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

تحقیق

اَوْتَرَ:۔ وتر کی نماز پڑھتے۔

حاجۃ:۔ ضرورت، رغبت، یہاں مراد مباشرت ہے۔

اَلَمَّ: قریب ہوتے۔ (افعال)

وَثَبَ: وثوب (ض) کودنا، فوراً کھڑا ہو جانا، قبیلہ حمیر کی زبان میں ترجمہ بیٹھنا۔

افاض علیہ الماء :- پانی بہاتے، یعنی غسل کرتے، فاض (ض)، بہنا۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پہلے حصہ میں عشاء کے وقت فرض نماز سے فراغت کے بعد آرام فرماتے، پھر رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے اس کے بعد وتر، اور ابھی چونکہ رات کا آخر وقت ہوتا اس لئے مزید آرام فرمالیتے، ایسے میں اگر صحبت کی رغبت ہوتی تو اہل کے پاس تشریف لے جاتے، صحبت سے فراغت کے بعد آرام فرماتے، مگر اذان فجر سنتے ہی فوراً کھڑے ہوجاتے، اگر جنبی ہوتے یعنی غسل کی حاجت ہوتی تو غسل فرما کر نماز کے لئے نکلتے ورنہ وضو کرنے کے بعد نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

گویا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا، نماز وتہجد سے فراغت کے بعد جماع فرماتے جب شب کا آخری حصہ ہوتا تھا، جو وقت طبی لحاظ سے جماع کے لئے بہتر خیال کیا جاتا ہے،

(۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ وَهِيَ خَالَتُهُ قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ فَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِيمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ إِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ إِلٰى جَنْبِهِ فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَأْسِي ثُمَّ أَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنٰى فَفَتَلَهَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، قَالَ مَعْنٌ سِتَّ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ ثُمَّ جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہی سویا اور وہ ابن عباس کی خالہ ہوتی ہیں، چنانچہ میں تکیہ کی چوڑائی والے حصہ پر سر رکھ کر سویا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی لمبائی والے حصہ پر سوتے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، یہاں تک کہ جب رات آدھی ہوئی یا اس سے کچھ پہلے تو آپ جاگ گئے اور اپنے چہرے سے نیند کے آثار مٹانے لگے، پھر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں، اسکے بعد کھڑے ہوئے اور ایک لٹکے ہوئے مٹکے کی طرف بڑھے، اس کے پانی سے وضو فرمایا اور اچھی طرح وضو کیا پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے پہلو میں جا کھڑا ہوا (بائیں جانب) تو آپؐ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے داہنے کان کو پکڑ لیا اور اسے تھوڑا مروڑا، پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد دو رکعت پھر دو رکعت پھر دو رکعت اور اخیر میں پھر دو رکعت، (راوی) کہتے ہیں کہ چھ بار دو دو رکعتیں پڑھیں، پھر وتر پڑھ لیا اس کے بعد لیٹ گئے، اور جب مؤذن آپ کو نماز کی اطلاع دینے آیا تو پہلے دو مختصر رکعتیں پڑھیں اور مسجد گئے وہاں فجر کی نماز پڑھی۔

تحقیق

بَاتَ (ض)، بیتوتۃ، رات گذارنا۔

وھی خالتہ، حضرت میمونہ ابن عباسؓ کی خالہ تھیں، آنحضورؐ کے عقد میں ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد آئی ہیں، ان کی بہن ام الفضل حضرت عباس کی زوجہ تھیں۔

عرض الوسادۃ، تکیہ کی چوڑائی والا حصہ، وسادۃ کے معنی تکیہ کے ہیں، قاضی عیاض نے اس سے بستر مراد لیا ہے، دونوں مفہوم مراد لئے جا سکتے ہیں، اگر بستر مراد ہو تو مفہوم ہوگا کہ ابن عباس آپؐ کے پیروں کے پاس لیٹ گئے، اور تکیہ مراد ہو تو گویا ابن عباس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے سوئے مگر پیروں کا رخ دوسری جانب تھا۔

یمسح النوم، نیند صاف کرنا، یعنی نیند کے جو آثار چہرے پر تھے اسے ختم کیا۔

شن، مشکیزہ، مٹکا، مٹی کا گھڑا۔

فَفَتَلَهَا :۔ رگڑا، مروڑا، کان اینٹھنا تنبیہ کے لئے تھا، سنت طریقہ یہ ہے کہ جب دو آدمی ہوں تو مقتدی کے امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے اور یہاں وہ بائیں جانب کھڑے ہو گئے تھے، اس لئے تنبیہ کی تاکہ ہمیشہ یاد رہے، اور آپ نے پھر دائیں جانب کھڑا کر دیا تھا۔

تشریح حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ کے بچپن کا واقعہ ہے، وہ اپنی خالہ کے یہاں رات کو ٹھہر گئے اور آنحضورؐ کے بستر پر ہی لیٹ گئے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح اہل کے ساتھ ذی رحم محرم کا ٹھہرنا جائز ہے، اسی طرح شوہر کا اپنے گھر میں بیوی سے الگ بستر پر سونا بھی درست ہے مگر بہتر طریقہ ایک بستر پر سونا ہی ہے الا یہ کہ خود دونوں الگ سونا بہتر سمجھیں۔

اس رات کو کافی حصہ گذرنے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے اٹھے تو ابن عباس کی آنکھ بھی کھل گئی انھوں نے بھی وضو کی اور آنحضورؐ کے بائیں کھڑے ہو گئے، آپؐ نے ان کا کان پکڑا اور سنت کے مطابق دائیں جانب کھڑا کر دیا، آپؐ نے بارہ رکعتیں پڑھیں دو دو کر کے پھر وتر ادا کرنے کے بعد لیٹ گئے، جب فجر کا وقت ہوا اور حضرت بلال رضؓ اطلاع دینے آئے تو آپؐ نے دو سنتیں گھر ہی میں ادا کیں اس کے بعد مسجد تشریف لے گئے۔

اس روایت میں تہجد کی نماز بارہ رکعتیں بتائی گئی اسکے علاوہ وتر، بعض روایتوں میں تہجد اور وتر شامل کر کے ۱۳ رکعتوں کا ذکر ہے، بعض میں فجر کی سنتوں کے ساتھ ۱۳ مذکور ہے اس لئے تہجد کی رکعات کی تحدید نہیں کی جا سکتی، البتہ وتر میں اختلاف ہے آیا ایک رکعت ہے یا تین رکعات ہیں، احناف تین رکعتیں مانتے ہیں اور دیگر ائمہ صرف ایک رکعت۔

(٦) حَدَّثَنَا اَبُوْكُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تیرہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔

(۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ مَنَعَهُ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ اَوْ غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز (تہجد کی) نہ پڑھ پاتے نیند کی وجہ سے یا آنکھیں بوجھل ہونے کی وجہ سے تو صبح کے وقت بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھے بغیر آرام فرماتے، پھر رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھی اور وتر ادا کرنے کے بعد دوبارہ سو گئے، گو تہجد فرض نہیں مگر آپ نے اس کی ادائیگی کا معمول رکھا، البتہ جب کبھی نیند کا غلبہ ہوتا یا نیند کے آثار ہوتے، تھکن اور سستی کی صورت میں تو عشاء کے ساتھ وتر پڑھ لیا کرتے اور رات کو تہجد نہ پڑھتے، البتہ صبح کو طلوع شمس کے بعد اس کی قضا فرما لیتے، یہی اس روایت کا حاصل ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نفل کی قضا بھی جائز ہے بلکہ مستحب ہے، تاکہ نفس کو اس کے چھوڑنے کی عادت نہ پڑ جائے۔

(۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ يَعْنِي ابْنَ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحْ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو نماز کے لئے اٹھے تو پہلے مختصر طور پر دو رکعتیں پڑھ لے۔

تشریح: رات کو جب آدمی سو کر اٹھتا ہے تو اس وقت مکمل نشاط نہیں ہوتا اسلئے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تہجد کی نماز پڑھنی ہو تو پہلے دو رکعتیں ہلکی ہلکی پڑھ لی جائیں تاکہ چستی آجائے اور مکمل طور پر تیار ہو کر باقی نماز پوری ہو سکے۔ اس میں واضح اشارہ ہے کہ ابتداء میں طبیعت پر گرانی مسلط کرنے کی بجائے حصول نشاط تک آسانی اختیار کی جائے۔ کوئی بھی کام شروع کیا جائے تھوڑا تھوڑا ہو تاکہ عادت بن جائے اور طبیعت پر گرانی نہ ہو اس طرح اس کی تکمیل بخیر و خوبی ہو سکتی ہے یہ امت کے لئے تعلیم ہے۔

(۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ لَأَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهُ أَوْ فُسْطَاطَهُ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ أَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔

زید بن خالد الجہنی کی روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے سوچا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز غور سے دیکھوں گا چنانچہ آپ کی دہلیز یا خیمہ پر ٹیک لگا کر سو گیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو رکعت مختصر نماز پڑھی پھر دو طویل، طویل، طویل رکعتیں پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں اور پڑھیں جو اس سے پہلے والی سے مختصر ہی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں اور یہ اس سے قبل والی رکعتوں سے مختصر تھیں اس کے بعد وتر کی نماز پڑھی۔ اس طرح یہ تیرہ رکعتیں ہو گئیں۔

تحقیق

توسدت: جعلتُ وِسادةً، ٹیک لگا لیا۔

عتبة: دروازہ کے چوکھٹ، دہلیز، دا اگر حضر میں تھے تو چوکھٹ پر بار آمدہ

(یا ٹیک لگا لیا)

فسطاطہ :۔ خیمہ، برآمدہ (سفر میں تھے تو خیمہ کے باہری حصہ پر ٹیک لگالیا)
اَرمُقن :۔ بضم المیم وتشدید النون، کسی چیز کو غور سے دیکھنا، گھورنا۔

تشریح حضرت زید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز یعنی تہجد کو دیکھنا چاہتے تھے اس لئے قریب ہی سو گئے تاکہ جب آپ نماز کے لئے اٹھیں اور باہر نکلیں تو آنکھ کھل جائے اور تعداد رکعت بھی معلوم کرلیں اور انداز ادائیگی بھی، اسی لئے روایت بیان کرتے ہوئے تعداد بھی بتارہے ہیں، اور یہ بھی کہ کون سی رکعتیں طویل تھیں اور کون سی مختصر، پہلے ۲ رکعت ہلکی، پھر طویل ترین (اسی کو تین بار طویل کہہ کر ذکر کیا ہے) پھر دو، اس کے بعد آخر میں دو مختصر رکعتیں، ان سب سے فراغت کے بعد وتر، اور کہتے ہیں کہ تیرہ رکعتیں کل ہوتیں،
تہجد کی کل کتنی رکعات ہوتیں، اور وتر کی ایک یا تین، یہ طویل بحث ہے جسکو آگے تفصیل سے بیان کیا جائے گا

، اس حدیث میں راوی نے گھر یا خیمہ کے دروازہ پر ٹیک لگا کر سونے کا تذکرہ کیا ہے لیکن محدثین کی رائے میں یہ واقعہ سفر کا ہے جب آپ خیمے میں مقیم ہیں اور آپ کے ساتھ ازواج مطہرات میں سے کوئی نہیں ہے، ایسے ہی وقت کسی صحابی کے لئے بہتر موقع ہو سکتا تھا کہ آپ کی قیام گاہ کے سامنے پڑے رہیں اور آپ کے حرکات وسکنات کا بغور جائزہ بھی لیں، ورنہ یہ ممکن نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف رکھتے ہوں اور اہل کے ساتھ ہوں ایسے میں کوئی چوکھٹ پر ٹیک لگا کر سو جائے اور آپ کی نماز کا حال معلوم کرنا چاہے

(۱۰) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَيْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّیْ اَرْبَعًا لَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّیْ ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ عَيْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِیْ۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کتنی رکعت ہوا کرتی تھی، تو حضرت عائشہ رض نے جواب دیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں یا اس کے علاوہ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے، جن میں سے چار رکعتیں اپنے حسن اور طوالت میں ایسی ہوتیں کہ ان کے بارے میں کیا پوچھنا، پھر تین رکعت پڑھا کرتے تھے، حضرت عائشہ رض نے آنحضور ص سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ وتر کی نماز پڑھنے سے قبل ہی سوجایا کرتے ہیں تو آپ نے جواب دیا عائشہ! میری دونوں آنکھیں تو سوتی ہیں مگر میرا دل جاگتا رہتا ہے (اس لئے سونے سے قبل پڑھنے یا بعد میں پڑھنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا)

تشریح صحابہ کو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ عام دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معمول تھا رات کے تہجد کا وہ یقیناً رمضان میں بڑھ جاتا ہوگا، اگر عام مہینوں میں دس یا بارہ رکعتیں پڑھتے ہوں گے تو رمضان میں عبادت میں اضافہ کا معمول ہوگا، اسی تصور سے ابو سلمہ نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا تھا، پر ام المؤمنین نے جواب دیا کہ صرف گیارہ رکعتیں وتر سمیت پڑھا کرتے تھے رمضان یا غیر رمضان کی کوئی تخصیص نہیں، البتہ ان میں چار رکعتوں کی کیفیت اور کمیت دوسری رکعتوں سے جدا ہوا کرتی تھی۔

حضرت عائشہ رض نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ عشاء کے بعد سو جاتے ہیں اور وتر تہجد کے ساتھ پڑھتے ہیں تو ایسا کیوں؟ سونے سے قبل ہی کیوں ادا نہیں کرلیتے، اس پر آپ نے جواب دیا کہ میں سوتا ہی کب ہوں، بظاہر میری آنکھیں سوتی نظر آتی ہیں مگر دل تو مستقل جاگتا ہی رہتا ہے، یہی انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت رہی ہے کہ ان کے قلوب ہمیشہ جاگتے رہتے ہیں۔

اس سے قبل کی روایت میں تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے اور موجودہ روایت میں گیارہ، اس طرح بعض روایتوں میں پندرہ اور بعض میں سترہ کا ذکر بھی ملتا ہے

(۱۱) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ابْنِ

شِہَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَاِذَا فَرَغَ مِنْهَا اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ۔

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ حَدَّثَنَا مَعْنٌ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ نَحْوَهُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ نَحْوَهُ ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، ان میں سے ایک وتر کی ہوتی اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو دائیں کروٹ لیٹ جایا کرتے تھے ۔

(۱۲) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ ۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنِ الْاَعْمَشِ نَحْوَهُ ۔

حضرت عائشہ ہی کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (۹) رکعت نماز پڑھا کرتے تھے ۔

(۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيْ حَمْزَةَ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ عَبْسٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ اللّٰہُ اَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ قَالَ ثُمَّ قَرَاَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِنْ

قِيَامِهِ وَكَانَ يَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوعِهِ وَكَانَ يَقُولُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُودُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ وَكَانَ يَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ مَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنَ السُّجُودِ وَكَانَ يَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِي رَبِّ اغْفِرْ لِي حَتَّى قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوِ الْأَنْعَامَ شُعْبَةُ الَّذِي شَكَّ فِي الْمَائِدَةِ وَالْأَنْعَامِ

قَالَ أَبُو عِيسَى أَبُو حَمْزَةَ اسْمُهُ طَلْحَةُ بْنُ زَيْدٍ وَأَبُو حَمْزَةَ الضُّبَعِيُّ اسْمُهُ نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی نماز پڑھی، چنانچہ جب آنحضور نے نماز شروع کی تو اللہ اکبر ذوالملکوت والجبروت والکبریاء والعظمۃ کہا پھر سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی اور رکوع کیا تو ان کا یہ رکوع بھی قیام کے برابر ہی تھا جس میں آپ سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے پھر رکوع سے سر اٹھایا تو یہ قیام بھی رکوع کے برابر ہی تھا جس میں آپ لربی الحمد کا ورد فرماتے رہے، پھر سجدہ کیا جو قیام ہی کی طرح طویل تھا اس میں تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے رہے پھر سجدے سے سر اٹھایا تو دونوں سجدوں کے درمیان بھی سجدہ ہی کی طرح وقت طویل تھا جس میں آپ رب اغفرلی رب اغفرلی پڑھتے رہے، اسی طرح آپ نے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ، آل عمران، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام پڑھی، (گویا چار رکعتوں میں چار سورتیں تلاوت فرمائیں) راوی حضرت شعبہ کو شک ہے کہ سورۂ مائدہ تھا یا سورۂ انعام)۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس روایت میں جو ابو حمزہ ہیں ان کا نام طلحہ بن بن زید ہے، البتہ ابو حمزۃ الضبعی کا نام نصر بن عمران ہے۔

تحقیق :- فلما دخل فی الصلوٰۃ : یعنی اذا اراد الدخول، جب نماز کا ارادہ فرمایا

یاجب نماز شروع کی۔

ذوالملکوت: مالک الملک، ملکوت، مبالغہ کا صیغہ ہے ملک کے معنی میں جیسے رحموت البتہ جہاں ذوالملک والملکوت ایک ساتھ آیا ہے وہاں ظاہری و باطنی بادشاہت مراد ہوگی۔

الجبروت: الجبر والقھر غلبہ والا، ہر طرح سے غالب۔

الکبریاء: جو ہر عیب و نقص سے بالاتر ہو۔ کمالِ ذات مراد ہے۔

العظمۃ: بڑائی اور عظمت، کمال صفات سے عبارت ہے۔

نحوامن قیامہ: یعنی قیام کے برابر وقت کے لحاظ سے، یا یہ کہ جس طرح قیام طویل تھا اسی طرح رکوع اپنے حساب سے طویل تھا، دونوں مفہوم مراد لئے جاسکتے ہیں۔

تشریح روایت میں یہ ذکر آیا ہے کہ آپؐ نے سورۂ بقرہ، آل عمران، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام چار سورتیں پڑھیں، یہ معلوم نہیں کہ آیا وہ ایک ہی رکعت میں پڑھیں یا چار رکعتوں میں، لیکن ظاہر حدیث اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ چاروں سورتیں الگ الگ رکعت میں پڑھی گئی ہیں، اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے جس میں واضح طور پر موجود ہے کہ چار رکعت نماز ادا فرمائی ہے اور ان میں یہ چاروں سورتیں (علیحدہ علیحدہ) پڑھیں۔

البتہ نسائی اور مسلم کی روایتوں میں یہ آیا ہے کہ ایک رکعت میں تین یا چار سورتیں پڑھیں تو ہوسکتا ہے وہ کوئی اور واقعہ ہو، اسکے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل تر نماز پڑھنے کے مختلف واقعے مروی ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں ہوسکتا، اور ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس اختلاف اور اضطراب کی وجہ سے امام بخاری نے صحیح میں کوئی روایت ذکر نہیں کی ہے۔

(۱۴) حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ نَافِعٍ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ مُسْلِمٍ الْعَبْدِیِّ عَنْ اَبِی الْمُتَوَکِّلِ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِآیَۃٍ مِنَ الْقُرْآنِ لَیْلَۃً۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں صرف

ایک آیت ہی پڑھتے

واقعہ تہجد ہی کا ہے اور اس حدیث کو نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ذرؓ سے روایت کیا ہے، اس میں وضاحت ہے کہ آپؐ صرف ایک آیت ہی دہراتے رہے، وہ آیت قرآنی یہ ہے:
ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك انت العزیز الحکیم۔

(۱۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتّٰى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سُوْءٍ قِيْلَ لَهُ وَمَا هَمَمْتَ بِهِ قَالَ هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَدَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ نَحْوَهُ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آنحضورؐ مستقل کھڑے ہی رہے یہاں تک کہ میں نے ایک ناگوار ارادہ بھی کرلیا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیا ارادہ کرلیا تھا تو کہا کہ میں نے سوچا میں بیٹھ جاؤں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا ہی چھوڑ دوں

تحقیق

هَمَمْتُ :- هَمَّ (ن) ارادہ کرنا، متعدی بالباء

امر سوءٍ : برا کام، ترکیب اضافی، موصوف صفت، وامرٍ سوءٍ بھی ہوسکتا ہے، دونوں صورتوں میں مفہوم ہوگا قصدت امرا سیئا۔

اَقعُدَ وادَعَ :- میں بیٹھ جاؤں اور آنحضورؐ کو چھوڑ دوں۔

تشریح

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات نافلہ میں طویل ترقیام کی مختلف روایتیں ہیں، یہاں ابن مسعود خود بیان کرتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ نماز کیلئے کھڑا ہوگیا مگر قیام اتنا طویل ہوگیا کہ میں گھبرا گیا اور نفس میں یہ وسوسہ آیا کہ میں نماز چھوڑ کر الگ ہوجاؤں اور آنحضورؐ کو تنہا چھوڑ دوں۔

ابن مسعودؓ کا لفظ ہے اقعد وادع اس کا دو مطلب ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ میں بیٹھ کر پڑھنے لگوں اور آنحضورؐ کھڑے ہو کر پڑھتے رہیں۔
دوسرا مطلب یہ کہ میں نماز چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤں اور آپ کو تنہا نماز پڑھتا چھوڑ دوں یہاں حدیث کے جو الفاظ ہیں کہ قصدت امرًا سیئًا، ایک غلط کام کا ارادہ کرلیا، اس سے اس دوسرے مفہوم کی تقویت ہوتی ہے، اسی لئے ملا علی قاری کہتے ہیں کہ دوسرا مفہوم ہی مراد ہے یعنی حضرت ابن مسعود نے نماز ختم کرلینے کا ارادہ کیا اور اسی کو امر قبیح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے

(۱۶) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي النَّضْرِ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ قَدْرُ مَا يَكُوْنُ ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ فَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (زمانہ ضعف میں) نماز بیٹھ کر ادا فرماتے تھے تو جب قرأت کرتے تو بیٹھے رہتے البتہ جب قرأت میں سے ۳۰ یا چالیس آیت کے بقدر باقی رہ جاتا تو کھڑے ہو کر تلاوت پوری کرتے پھر رکوع اور سجدہ کرتے اور اسی طرح دوسری رکعت میں بھی فرماتے۔

تشریح یہ نفل نماز کا تذکرہ ہے اور عمومًا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نوافل بھی کھڑے ہو کر ہی پڑھا کرتے مگر جب ضعف لاحق رہا تو آپؐ نے مذکورہ صورت کے مطابق نماز پڑھی ہے، یہی قول جمہور علماء وائمہ کا ہے کہ نوافل بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر یا کچھ کھڑے اور کچھ بیٹھ کر پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ ضروری نہیں کہ کھڑے ہو کر شروع کر دیا تو بیٹھ کر پوری نہیں کی جا سکتی۔

(۱۷) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهِ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا فَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ جَالِسٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ جَالِسٌ۔

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نوافل کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ کبھی ایک رات طویل نماز کھڑے ہو کر پڑھتے اور کسی رات لمبی نماز بیٹھ کر ادا فرماتے، تو جب وہ کھڑے ہو کر تلاوت فرماتے تو رکوع اور سجدہ بھی کھڑے ہو کر ہی مکمل کرتے اور جب بیٹھ کر شروع کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی بیٹھ کر ہی مکمل کرتے۔

تحقیق

لیلا: یہ ترکیب میں یصلی کا مفعول فیہ ہے

طویلا: یہ لیلاً کی صفت نہیں ہے بلکہ مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے عبارت یوں ہوگی۔ کان یصلی فی لیل صلاۃ طویلۃ

وھو قائم: درانحالیکہ وہ کھڑے ہوتے۔ اس کا مفہوم یہ ہے والحال انہ یصلی قائما یہ مطلب نہیں کہ کھڑے کھڑے سجدہ کیا کرتے، ظاہر ہے اس کا کوئی تصور ہی نہیں۔

تشریح

اس حدیث میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کی نماز فرض نہیں تھی ورنہ اختیاری طور پر کھڑے یا بیٹھ کر فرض نماز ادا کرنے کا مطلب ہی نہیں جب تک کھڑے ہو کر ادا کرنے کی استطاعت ہے بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہو سکتا۔

(۱۸) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِيْ وَدَاعَةَ السَّهْمِيِّ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهِ قَاعِدًا وَيَقْرَأُ بِالسُّوْرَةِ وَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے، اور کوئی سورت پڑھتے تو اس قدر ترتیل کے ساتھ کہ وہ سورت اپنے سے طویل سورت سے بھی لمبی معلوم ہوتی۔

تحقیق سبحۃ:۔ نفل نماز، یہ نماز چونکہ تسبیح پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے اس کو سبحۃ سے تعبیر کیا گیا۔

یُرتلھا:۔ ترتیل کا مطلب ہے حروف، حرکات وسکنات کو واضح کرنا اور مخارج کی ادائیگی کے ساتھ تلاوت کرنا۔

اطول منھا:۔ ضمیر کا مرجع یا تو سورہ مقرو ہ ہے یا پھر عبارت کی تقدیر یوں ہوگی حتی تکون السورۃ التی یرتلھا اطول من سورۃ ھی اطول من السورۃ المرتلۃ: یعنی وہ چھوٹی سورت ہوتی مگر اس قدر ترتیل کے ساتھ کہ اس پڑھی ہوئی سورت سے بھی لمبی سورت سے جو غیر مرتل پڑھی جائے یہ پڑھی ہوئی سورت طویل ہوجاتی اپنی آہستہ تلاوت کی وجہ سے۔

تشریح یہ حدیث امام مسلم نے بھی روایت کی ہے، حضرت حفصہ کی اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضور نفل نماز بیٹھ کر ہی ادا فرماتے بلکہ کبھی آپ نے بیٹھ کر بھی پڑھی ہے۔ اور سفر میں تو خاص طور پر آنحضور ؐ کا سواری پر بیٹھنا اور نفل پڑھنا ثابت ہے، اور عام حالات میں کھڑے ہو کر پڑھنے کا معمول رہا ہے۔

(۱۹) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى كَانَ أَكْثَرُ صَلَاتِهِ وَهُوَ جَالِسٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات قریب ہوا تو بیشتر نوافل آپ نے بیٹھ کر ہی ادا فرمائی ہیں۔

⁂

(۲۰) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد اور دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد ان کے گھر میں پڑھی ہے۔

تشریح اس روایت سے معلوم ہوا کہ سنت اور نوافل مسجد یا گھر جہاں مناسب ہو پڑھی جاسکتی ہے، بلکہ روایت میں آیا ہے کہ آدمی کے لئے فرض کے علاوہ نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہوتا ہے،

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بھی گھر میں پڑھ لیتے اور میں بھی ان کی طرح ان کے گھر میں ہی پڑھ لیتا، جماعت کے ساتھ نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ، سنتوں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا روایت سے ثابت نہیں ہے،

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبل الظہر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، اور احناف کے نزدیک قبل ظہر جو سنت مؤکدہ ہے وہ چار رکعتیں ہیں جیسا کہ متعدد صحیح روایات سے ثابت ہیں، یہاں پر ممکن ہے کہ تحیۃ المسجد کی نماز ہو، ایسے احوط چار رکعتیں ہیں۔

(۲۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَيُنَادِي الْمُنَادِي قَالَ اَيُّوبُ اُرَاهُ قَالَ خَفِيفَتَيْنِ ۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھتے جب صبح ہوتی، اور مؤذن اذان دیتا۔ راوی حضرت ایوب کہتے ہیں

کہ میں سمجھتا ہوں وہ دو سنتیں مختصر ہوا کریں۔

تشریح امام بخاری و مسلم کے طریق سے یہ ثابت ہے کہ فجر کی دو سنتیں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مختصر پڑھا کرتے تھے، اس لئے مختصر پڑھنا ہی مسنون ہوگا۔

ابن عبدالبر مالکی نے امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ ان دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا ہی اولیٰ ہے، جب کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملائی جائے مگر ہو بہت چھوٹی سورتیں۔

(۲۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ بِرَكْعَتَيِ الْغَدَاةِ وَلَمْ أَكُنْ أَرَاهُمَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۸ رکعات (سنت مؤکدہ) یاد کی ہیں، دو ظہر سے پہلے دو اس کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد، ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے دو رکعت فجر کے بھی بتائے تھے مگر میں نے ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھا نہیں ہے

تشریح حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میری بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے دو رکعت سنت مؤکدہ فجر کی بھی بتائی تھی مگر میں نے اسے دیکھا نہیں، جب کہ روایات سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ فجر کی سنت کا تمام سنتوں سے زیادہ اہتمام فرماتے اور پابندی سے ادا کرتے، ابن عمرؓ کا نہ دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ فجر کی یہ دو رکعتیں آنحضورؐ گھر پر ہی پڑھا کرتے تھے۔

(۲۳) حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ يَحْيَى بْنِ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ وَقَبْلَ الْفَجْرِ رَكْعَتَيْنِ ۔

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (سنت مؤکدہ) کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ ظہر سے پہلے دو رکعت اور اس کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو اور فجر سے پہلے دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(۲۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ ضَمْرَةَ يَقُوْلُ سَاَلْنَا عَلِيًّا عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّهَارِ فَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ قُلْنَا مَنْ اَطَاقَ ذٰلِكَ مِنَّا صَلّٰى فَقَالَ كَانَ اِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هٰهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَاِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هٰهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَيُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَقَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ ۔

عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دن کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا تم لوگ اس کو ادا نہیں کر پاؤگے تو ہم نے کہا کہ جس کے بس میں ہوگا وہ تو پڑھ ہی لے گا اس پر انھوں نے کہا جب سورج آسمان پر اتنا اوپر ہوتا جتنا عصر کے وقت ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم دو رکعت پڑھتے اور جب سورج ظہر کے وقت میں جتنا ہوتا ہے اتنا اور ہوتا تو چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور ظہر سے پہلے چار رکعتیں، اسکے بعد دو رکعتیں، عصر سے پہلے چار رکعات اور ہر دو رکعت کے درمیان ملائکہ، انبیاء اور ان کے متبعین مومنین پر سلام بھیجتے تھے۔

تحقیق انکم لا تطیقون ذلك:۔ تم لوگ نہیں کر سکو گے، یعنی نفس نماز پڑھنا مراد نہیں ہے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے تھے وہ اہتمام تم لوگ نہیں کر سکتے۔

من ھھنا عند العصر:۔ حضرت علی فجر کے بعد سورج آسمان پر بلند ہونے کی کیفیت بیان کر رہے ہیں کہ غروب کے وقت جتنا درجہ آسمان پر سورج ہوتا، اسی درجے پر طلوع کے وقت جب پہونچتا تو دو رکعت پڑھتے (اشراق کا وقت)

من ھھنا عند الظھر:۔ یعنی ظہر کے وقت جانب مغرب جس اونچائی پر سورج ہوتا ہے اس اونچائی پر مشرق کی جانب جب سورج ہوتا تو چار رکعت ادا کرتے، یہ وقت چاشت کا ہوتا جسے الضحیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تشریح حضرت علی رضؓ نے دن کے وقت کی سنت و نوافل کا ذکر کیا ہے، کہ پہلے دو رکعت اشراق کی پھر چار رکعت چاشت کی، باقی ظہر سے قبل چار، بعد میں دو، اور عصر سے قبل چار رکعتیں۔

عصر سے پہلے کی نماز کے بارے میں کہا یفصل بین کل رکعتین الخ اس کا ایک واضح مطلب یہ ہے کہ دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے، اس میں ذکر و سلام ہوتا پھر دو رکعت پوری کرتے، اور ایک مطلب یہ کہ چار رکعتیں پوری ہوتیں مگر درمیان میں قعدہ بھی ہوتا جس میں السلام علیك ایھا النبی الخ ہے۔

ان چار رکعتوں کے بارے میں حضرت علی ہی سے دو طرح کی روایتیں منقول ہیں، ایک سلام سے چار رکعتیں، اور صرف دو رکعتیں بھی۔

باب
صلوٰۃ الضحیٰ
چاشت کی نماز کا بیان

صلوٰۃ الضحیٰ یعنی صلوٰۃ وقت الضحیٰ، ضحیٰ ضحوۃ سے مشتق ہے اور ضحوۃ النہار، طلوع شمس کے بعد کا وقت کہلاتا ہے اور اس کے بعد قبل الزوال تک کا وقت ضحیٰ کہلاتا ہے کما ذکرہ صاحب النہایہ۔

صاحب القاموس کہتے ہیں الضحیۃ جیسے عشیّۃ ارتفاع النہار کے مفہوم میں ہے، اسی طرح ضحیٰ سے مراد وقت الضحیٰ یعنی دن کا ابتدائی حصہ ہے۔

میرک کہتے ہیں کہ یہ ضحوۃ کی جمع ہے۔

بہرصورت وقت ضحیٰ کا اطلاق سورج کے طلوع ہونے کے بعد سے زوال تک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

عام طور پر طلوع شمس کے بعد سے دو طرح کی نمازوں کا ذکر پایا جاتا ہے ایک اشراق اور دوسری چاشت، لیکن محدثین کے یہاں یہ ایک ہی نماز ہے فیما بین طلوع الشمس الیٰ قبیل الزوال۔

اس باب کے تحت ۸ رحدیثیں مذکور ہیں، ابتدائی احادیث میں صلوٰۃ الضحیٰ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کا پتہ چلتا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو ادا فرمایا ہے مگر مواظبت نہیں فرمائی ہے، احناف کے نزدیک یہ نماز مستحب ہے، ملا علی قاری نے جمہور علماء کا یہی مسلک قرار دیا ہے۔

اس باب کے تحت دو مباحث ہیں ایک تو یہ کہ صلاۃ الضحیٰ کی مشروعیت ہے یا نہیں دوسرے یہ کہ اگر ثابت ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتیں پڑھا کرتے تھے:

دراصل عبداللہ ابن عمر کی ایک روایت ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ بدعت ہے مگر نعمت البدعت

ہے مسلم شریف کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نماز نہیں ہوتی تھی ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کا رواج ہوا۔

اس کے برعکس یہاں شمائل ترمذی میں اور دیگر کتب حدیث میں مختلف روایتیں صحیح ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھی ہے لاعلیٰ سبیل المواظبت، اسی وجہ سے جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے کوئی نیا امر نہیں ہے البتہ جن صحابہ سے یہ مروی ہے کہ ہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے نہیں دیکھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے اسے پڑھا ہی نہیں، یہ نماز عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ادا فرماتے تھے اس لئے سبھوں کی نظر میں آنا ضروری نہیں تھا، ہاں جنھوں نے گھر میں پڑھتے دیکھا انھوں نے اس کی روایت کردی ہے اور حضرت ابن عمر کا جو قول ہے بدعۃ ونعمت البدعۃ تو وہ دراصل عہد عثمانی میں اس نماز کی ادائیگی کے بارے میں کہہ رہے ہیں جب لوگ نہایت اہتمام اور ترغیب سے صلوۃ الضحیٰ پڑھتے تھے، یقیناً اتنا اہتمام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا۔

دوسری بحث نماز کی رکعتوں کے بارے میں ہے تو بیشتر احادیث سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول چار رکعت ادا کرنے کا معلوم ہوتا ہے البتہ کبھی چھ اور کبھی آٹھ رکعتیں پڑھنے کا ذکر بھی ملتا ہے اور کم سے کم دو رکعتیں، اسلئے چار رکعتوں کو افضل قرار دیا جاتا ہے۔

(۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى قَالَتْ نَعَمْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَا شَاءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ.

حضرت معاذہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے تو انھوں نے فرمایا ہاں چار رکعتیں البتہ کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھ لیتے۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنِيْ حَكِيْمُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الزِّيَادِيُّ

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الرَّبِيْعِ الزِّيَادِيُّ عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الضُّحٰى سِتَّ رَكَعَاتٍ

انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ الضحیٰ چھ رکعات پڑھا کرتے تھے

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ اَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي لَيْلٰى قَالَ مَا اَخْبَرَنِي اَحَدٌ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى اِلَّا اُمُّ هَانِئٍ فَاِنَّهَا حَدَّثَتْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ فَسَبَّحَ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مَا رَاَيْتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلَاةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهُ كَانَ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ .

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ مجھے سوائے ام ہانی کے کسی نے نہیں بتایا کہ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صلاۃ الضحیٰ پڑھتے دیکھا ہے، البتہ ام ہانی نے بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں فتح مکہ کے روز داخل ہوئے تو غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز نفل ادا کی، میں نے ان آٹھ رکعتوں کے علاوہ کوئی نماز اتنی مختصر پڑھتے نہیں دیکھی، مگر یہ کہ مختصر ہونے کے باوجود آپ رکوع اور سجدہ مکمل ادا کر رہے تھے۔

تشریح راوی کا کہنا یہ ہے کہ مجھے صرف ام ہانی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوۃ ضحیٰ کے بارے میں بتایا، مگر یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ لوگوں نے نہ دیکھا ہو، فتح مکہ کے علاوہ آپ سے چاشت کی نماز ادا کرنے کی روایتیں متعدد طرق سے مروی ہیں۔

اس روایت میں ام ہانی کہتی ہیں کہ میرے گھر آئے اور غسل کیا پھر نماز پڑھی، یہ شیخین کی روایت اس سے کچھ جدا ہے، اس میں یہ ہے کہ ام ہانی حضرت فاطمہؓ کے گھر گئیں وہاں انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پردہ تان رکھا تھا اور آپ غسل فرما رہے تھے، وہیں آپ نے آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ واقعہ میں تعارض ہے۔

اس کا جواب محدثین یہ دیتے ہیں کہ ممکن ہے دو مرتبہ واقعہ پیش آیا ہو، یا ممکن ہے کہ

ام ہانی ہی کا گھر ہو جہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک کونے میں پردہ کئے ہوئے ہوں اور آپ غسل فرما رہے ہوں، حضرت ام ہانی چل کر ان کے پاس آئی ہوں گی۔

فتح مکہ کے روز آپ نے جو آٹھ رکعتیں ادا کی ہیں اس کے لئے صرف لفظ سبحہ آیا ہے جو صلاۃ ضحیٰ پر بھی مشتمل ہو سکتا ہے اور مطلق نفل نماز (شکرانہ) پر بھی، ممکن ہے کہ ان میں سے چار رکعتیں چاشت کی ہوں اور بقیہ چار شکرانہ کی۔

حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ آپ نے یہ نماز بہت مختصر ادا کی، کم سے کم میرے علم میں اتنی مختصر نمازیں آپ نے نہیں پڑھیں، اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ رکوع اور سجدہ بھی بہت مختصر رہا ہو تو اس شبہ کو زائل کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام نمازوں کے مقابلہ میں یہ نماز ہلکی تھی مگر رکوع اور سجدہ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ رکوع وسجود مکمل اطمینان سے ہی ادا فرمایا ہے، گویا قرأت طویل نہیں تھی، قیام مختصر تھا، رکوع اور سجدے پورے سکون و اطمینان سے ہی ادا فرماتے رہے۔

(۴) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا وَكِیْعٌ حَدَّثَنَا كَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی قَالَتْ لَا اِلَّا اَنْ یَجِیْءَ مِنْ مَغِیْبِهٖ۔

عبداللہ بن شقیق کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ ضحیٰ پڑھا کرتے تھے تو انھوں نے جواب دیا نہیں البتہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو پڑھتے تھے۔

تشریح اس باب کی سب سے پہلی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ ضحیٰ پڑھا کرتے تھے، اور اس روایت میں آیا کہ صرف سفر سے واپسی پر ہی پڑھا کرتے۔

علماء نے اس کی مختلف توجیہ کی ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں حضرت عائشہ رضہ جو انکار فرما رہی ہیں وہ مستقل طور پر پڑھنے کی نفی میں ہے، یعنی آپ مواظبت سے ادا نہیں کرتے

ہاں جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد ہی میں رک کر پڑھ لیا کرتے تھے، عام طور واپسی صبح کو ہوتی اس لئے اس وقت صلوٰۃ ضحیٰ اور صلاۃ شکر ملا کر آٹھ رکعت پڑھ لیا کرتے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مسجد میں صلوٰۃ ضحیٰ نہیں پڑھتے تھے بلکہ گھر ہی میں پڑھ لیا کرتے تھے، البتہ جب سفر سے واپسی ہوتی تو مسجد میں ادا فرما لیتے، پہلی روایت میں گھر میں پڑھنے کی تصدیق فرما رہی ہیں۔

(۵) حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوقٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا ۔

ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کبھی اس درجہ اہتمام سے پڑھتے تھے کہ ہم سمجھتے کہ آپ اسے کبھی ترک نہیں فرمائیں گے اور جب پڑھنا چھوڑتے تو معلوم ہوتا کہ اب کبھی نہیں پڑھیں گے۔

تشریح چونکہ یہ نفل نماز تھی اس لئے آپ پڑھ تو لیا کرتے تھے مگر اس خدشہ سے کہ آپ کا مواظبت کرنا فرض یا وجوب یا سنت کا درجہ نہ قرار پا جائے آپ چھوڑ بھی دیتے اور ایک دو دفعہ چھوڑ دینے میں بھی سنت مؤکدہ کا گمان ہو سکتا تھا اس لئے مستقل طور پر بھی زیادہ دنوں کے لئے ترک فرما دیتے۔

(۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ عَنْ هُشَيْمٍ اَخْبَرَنَا عُبَيْدَةُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ عَنْ قَرْثَعٍ الضَّبِّيِّ اَوْ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ قَرْثَعٍ عَنْ اَبِيْ اَيُّوبَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْمِنُ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُدْمِنُ هٰذِهِ الْاَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقَالَ اِنَّ اَبْوَابَ السَّمَاءِ تُفْتَحُ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَلَا تُرْتَجُ حَتّٰى يُصَلَّى الظُّهْرُ فَاُحِبُّ اَنْ يَصْعَدَ لِيْ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ خَيْرٌ قُلْتُ

اَفِیْ کُلِّهِنَّ قِرَاءَةٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ هَلْ فِیْهِنَّ تَسْلِیْمٌ فَاصِلٌ قَالَ لَا ۔
حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعٰوِیَةَ حَدَّثَنَا عُبَیْدَةُ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ عَنْ قَزَعَةَ عَنِ الْقَرْثَعِ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ ۔

حضرت ابوایوب انصاری کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ زوال کے وقت چار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ پابندی سے یہ چار رکعتیں زوال کے وقت پڑھا کرتے ہیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ آسمان کے دروازے زوال کے وقت کھول دیے جاتے ہیں اور بند نہیں کئے جاتے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھ لی جائے اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس موقع پر میرا کوئی خیر کام آسمان تک پہونچ جائے، تو میں نے پوچھا کہ ہر رکعت میں (سورۂ فاتحہ کے علاوہ) قرآت بھی ہونی چاہیے، جواب دیا کہ ہاں تو میں نے دریافت کیا کہ ان چار رکعتوں کے درمیان فصل کے لئے کوئی سلام بھی ہے، فرمایا نہیں۔

تحقیق

یُدْمِنُ : الادمان پابندی سے کرنا، برابر کرتے رہنا۔
فلا ترتج :- بند نہیں کی جاتی۔
یصعد : صعود (ن) اوپر اٹھنا، چڑھنا۔
تسلیم فاصل : سلام جو نماز ختم کرنے کی علامت ہے، فاصل کی قید اس لئے لگائی کہ سلام تو تشہد میں بھی ہوتا ہے، اور یہاں مراد ہے خروج عن الصلوٰۃ۔

تشریح

عند زوال الشمس کا مطلب ہے زوال کے فوراً بعد، یہ مطلب نہیں کہ عند استواء الشمس، کیونکہ اس وقت تو کوئی بھی نماز درست نہیں ہے۔

اس نماز کو بعض حضرات صلوۃ زوال سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو مستحب کا درجہ دیتے ہیں، مگر محدثین کے یہاں یہ ظہر کی سنتیں ہیں، اس لئے کہ ظہر کے فرض سے قبل اور زوال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اور نماز ان چار رکعتوں کے علاوہ مروی نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ چار سنتیں ایک ہی سلام سے ہیں، البتہ اگر یہ چار رکعت دو دو کرکے درمیان میں سلام پھیر کر ادا کی جائے تو جمہور کے نزدیک جائز ہے، سنت طریقہ ایک سلام سے چاروں رکعتوں کی ادائیگی کا ہے۔

یہ حدیث اور اسکے بعد کی ۲ر حدیثیں جن میں چار رکعت بعد زوال شمس پڑھنے کا ذکر ہے محدثین کے نزدیک یہ ظہر کی سنتیں ہیں مگر امام ترمذی نے باب صلوۃ الضحیٰ کے ضمن میں روایت پیش کی ہے بظاہر اس باب کے تحت اس کا ذکر باب سے مناسبت کے خلاف ہے مگر علماء نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ یہاں صلاۃ الضحیٰ کا تذکرہ ضرور ہے مگر یہ قبل الظہر تک کے وقت پر مشتمل ہے اس لئے الگ سے باب قائم کرنے کی بجائے یہ حدیثیں یہیں لے آئے اس توجیہ میں جو تکلف ہے وہ ظاہر ہے۔

(۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوٗدَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ اَبِی الْوَضَّاحِ عَنْ عَبْدِ الْکَرِیْمِ الْجَزَرِیِّ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِیْهَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَاُحِبُّ اَنْ یَّصْعَدَ لِیْ فِیْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ۔

حضرت عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زوال سورج کے بعد ظہر کی نماز سے کچھ قبل چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (یہ نماز ظہر سے قبل کی سنت تھی جو سنت مؤکدہ ہے اور جس پر آنحضور ؐ نے مواظبت بھی فرمائی ہے) اور فرماتے تھے کہ یہ ایسا وقت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی نیک عمل آسمان میں پہونچ جائے

تشریح گویا یہ وقت خاص طور پر قبولیت دعا کے لئے مناسب ہے اور دعا کے لئے نماز سے بہتر اور کون سی عبادت ہو سکتی ہے، اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پابندی فرماتے تھے۔

(۸) حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيِّ الْمُقَدَّمِيُّ عَنْ مِسْعَرِ بْنِ كِدَامٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا وَذَكَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْهَا عِنْدَ الزَّوَالِ وَيَمُدُّ فِيْهَا .

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور بتایا کہ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس نماز کو زوال کے بعد پڑھا کرتے تھے اور اس کو طویل کیا کرتے تھے ۔

یعنی جس طرح فجر کی دو رکعت کو مختصر پڑھتے، ظہر میں اسی قدر طوالت ختیار فرماتے اور لمبی سورت پڑھتے یا ترتیل کے ساتھ پڑھتے جس سے نماز لمبی ہو جاتی ۔

باب
صلاة التطوع فی البیت
گھر میں نفل نماز پڑھنے کا بیان

تطوع کا مطلب ہے فرض کے علاوہ خواہ اس میں سنت مؤکدہ ہو یا نوافل یا صلاۃ الضحیٰ وغیرہ، اس باب کے تحت ایک حدیث ذکر کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل اور سنن مسجد کی بہ نسبت گھر ہی میں ادا کرنا اولیٰ ہے۔

(۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ حَرَامِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِيْ بَيْتِيْ وَالصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ قَدْ تَرٰى مَا أَقْرَبَ بَيْتِيْ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَأَنْ أُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِيْ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ صَلَاةً مَكْتُوْبَةً۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے، تو آنحضور نے جواب دیا تمھیں معلوم ہے میرا گھر مسجد سے کس قدر قریب ہے اس کے باوجود گھر میں نماز پڑھ لینا مجھے زیادہ پسند ہے مسجد کے مقابلہ میں اِلّا یہ کہ وہ نماز فرض ہو۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں فرمایا کہ میرا گھر اور مسجد متصل ہیں اس سے زیادہ قرب اور کیا ہو سکتا ہے، ایسے میں فرائض کے علاوہ نمازیں گھر میں ادا کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے جملہ عبادات کو مثلاً زکوٰۃ، صدقات اور روزہ وغیرہ

دراصل مقصود یہ ہے کہ جو عبادات نافلہ ہیں اور جن میں اخفاء بہتر ہوتا ہے، ان کو لوگوں سے پوشیدہ رکھ کر ادا کرنا زیادہ بہتر ہے، اسی طرح کی حدیث بخاری اور مسلم میں بھی ہے، آنحضورؐ نے فرمایا کہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کا گھر ہی میں پڑھ لینا زیادہ افضل ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرائض کے علاوہ جو نمازیں ہیں خواہ وہ وتر ہو یا سنت مؤکدہ ہو ان کو بھی گھر میں ہی پڑھنا بہتر ہے، اس کی دو مصلحتیں بیان کی جاتی ہیں، ایک تو یہ کہ گھر میں نماز پڑھنے میں برکت بھی ہے اور رحمت بھی شامل ہوتی ہے، اور دوسری یہ کہ اس میں ریاکاری کا شبہ بھی نہیں ہوتا۔

البتہ موجودہ زمانے میں جب لوگ نماز سے بے رغبتی برتتے ہیں یا سنت مؤکدہ کا اہتمام نہیں کرتے بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنن مؤکدہ بھی مسجد ہی میں پڑھنی چاہیئے تاکہ لوگوں میں رغبت پیدا ہو۔

اور جن نمازوں میں (فرائض کے علاوہ) اظہار ہی مقصود ہو ان کو مسجد میں ادا کرنا افضل ہے جیسے تحیۃ المسجد، جو مسجد ہی کی تکریم میں ادا کی جاتی ہے، یا صلاۃ طواف یا تراویح ان کے بارے میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ ان کو مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کا ذکر

اس باب کے تحت مصنف علیہ الرحمہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کا ذکر کر رہے ہیں، ان میں فرض روزہ ماہ رمضان کا بھی ہے اور اس کے علاوہ نوافل روزوں کا ذکر بھی ہے بلکہ بیشتر احادیث میں تذکرہ نفل روزوں کا ہے، رمضان کے روزے تو ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے، اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کن مہینوں میں اور کن دنوں میں نفل روزے کا اہتمام فرمایا ہے اس کا تفصیلی ذکر ہے جن میں خاص طور پر ماہ شعبان کے بارے میں ہے کہ آپؐ نے اس میں زیادہ اہتمام فرمایا ہے، یہ امت کے لئے ترغیب بھی ہے کہ غیر رمضان میں بھی روزے رکھنے چاہئیں مگر جیسا کہ بعض احادیث میں ذکر آئیگا، یہ بھی ارشاد ہے کہ مومن حتی المقدور ہی اہتمام کرے اپنے اوپر زیادہ بار ڈالنا مناسب نہیں، اور مداومت بھی کرے تو ممکنہ حد تک، بلکہ بہتر یہ ہے کہ روزے انھیں ایام کے رکھے جن پر پابندی ہو سکتی ہو۔

روزہ ارکان اسلام میں سے تیسرا رکن ہے، توحید وصلاۃ کے بعد صیام ہی ہے جو ماہ رمضان میں ادا کیا جاتا ہے، اس کے فضائل پر صحیح احادیث کا ذخیرہ موجود ہے مگر یہاں ذکر زیادہ نفل روزوں کا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض مہینوں یا ایام میں روزے رکھا کرتے تھے مگر مستقلاً نہیں بلکہ چھوڑ بھی دیا کرتے تھے، یوں تو مسلسل روزے رکھنے کی روایتیں بھی ہیں مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت ومواظبت ان کی شان نبوت کے شایان ہے، روحانی قوت کی وجہ سے وہ ہمیشہ روزے کی حالت میں رہنے کی صلاحیت رکھتے تھے مگر ترک بھی فرمایا تا کہ امت اتباعِ سنت میں پریشانی سے دوچار نہ ہو۔

روزے کے طبی فوائد کے علاوہ بے شمار مصلحتیں ہیں جن میں سے بعض ظاہر اور بدیہی بھی ہیں، اس باب کے تحت ۱۶ حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صِيَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ صَامَ وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَفْطَرَ قَالَتْ وَمَا صَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ إِلَّا رَمَضَانَ.

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے تو ہم سمجھتے تھے کہ اب مسلسل روزہ ہی رکھیں گے اور جب افطار فرماتے تھے (روزہ نہیں رکھتے تھے) تو خیال ہوتا کہ اب افطار ہی کی حالت میں رہیں گے، مزید فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ تشریف لائے تھے کبھی مکمل ایک مہینے کا روزہ نہیں رکھا سوائے ماہ رمضان کے۔

تحقیق الصَّوم: بالفتح والصیام بالکسر ایک ہی معنی میں، لغوی معنی رکنا (مطلقاً) اور اصطلاح شرع میں کھانے پینے اور جماع سے رکنا، فجر سے لیکر غروب آفتاب تک۔

یُفطر: اِفطار، کھانا، پینا، افطار کرنا، روزہ نہ رکھنا۔

تشریح رمضان میں جو روزہ امت محمدیہ پر فرض ہوا وہ ہجرت کے دوسرے سال تھا، البتہ روزہ رکھنے کا دستور عربوں میں موجود تھا، خاص طور پر عاشورہ کا روزہ، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے قبل روزہ رکھا کرتے تھے مگر کسی مہینے کی قید نہیں تھی اور نہ ہی مکمل کوئی مہینہ روزہ رکھا، اور جب روزہ فرض ہوا تو رمضان کا مکمل مہینہ

روزے کی حالت میں گذرتا، اس کے علاوہ مہینوں میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا مگر کسی مہینے میں مکمل نہیں. اس مفہوم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت واضح کر رہی ہے۔

البتہ بعض روایتوں سے متبادر ہوتا ہے کہ آپؐ نے شعبان کا پورا مہینہ روزہ رکھا ہے جو موجودہ روایت کے خلاف ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَرٰى أَنْ لَا يُرِيْدَ أَنْ يُفْطِرَ مِنْهُ وَيُفْطِرُ مِنْهُ حَتّٰى نَرٰى أَنْ لَا يُرِيْدَ أَنَّهُ يَصُوْمُ مِنْهُ شَيْئًا وَكُنْتَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا أَنْ رَأَيْتَهُ مُصَلِّيًا وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ نَائِمًا۔

خادم نبی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ آنحضور کسی مہینے میں روزہ رکھتے تو ہم سمجھنے لگتے کہ وہ اس مہینہ میں افطار ہی نہیں فرمائیں گے اور کسی مہینے اس طرح افطار فرماتے رہتے کہ ہم خیال کرتے کہ آپ اس مہینے میں ایک دن بھی روزہ نہیں رکھیں گے (اور یہی حال نوافل کی ادائیگی کا بھی ہوتا) اگر تم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے ہی ملتے اور اگر ان کو سوتے ہوئے دیکھنا چاہتے سوتے ہوئے ہی ملتے۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے میں روزہ کا اہتمام فرماتے تو مسلسل رکھتے جس سے ہمیں گمان ہوتا کہ یہ پورا مہینہ روزے کی حالت میں گذر جائے گا مگر ایسا نہیں ہوتا، آپ اس مہینے میں کسی دن روزہ ترک بھی فرما دیتے۔ اسی طرح بعض مہینوں میں آپ روزہ نہ رکھتے تو ہم خیال کرتے کہ اس ماہ آپ افطار ہی کی حالت میں رہیں گے، پھر اخیر میں کسی دن آپ روزہ بھی رکھ لیتے۔

روزوں کے بعد حضرت انسؓ رات کی نماز کے بارے میں بھی بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ

نہ مکمل رات بھر نفلوں میں ہی جاگ کر گذارتے اور نہ مکمل رات سوتے ہوئے گذارتے، کچھ حصہ آرام کا ہوتا اور کچھ حصہ نماز کے لئے اس لئے کوئی چاہتا کہ رات کو آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں تو ظاہر ہے آپ تہجد پڑھتے ہی تھے تو یہ موقع نصیب ہو جاتا اور کوئی چاہتا کہ آپ کو آرام کرتا ہوا دیکھوں تو یہ بھی صحیح ملتا کیونکہ تہجد سے پہلے اور بعد میں بھی آپ آرام فرماتے تھے۔

بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بھی لکھا ہے کہ آپ کی عادت شریفہ رات کی نماز میں مختلف تھی کبھی اول شب میں پڑھتے کبھی درمیان میں اور کبھی اخیر میں اسلئے اگر کوئی رات کے کسی حصہ میں آپ کو سوتے ہوئے دیکھنا چاہے یا نماز پڑھتے ہوئے تو دیکھ سکتا ہے۔

(۳) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ مَا يُرِيْدُ اَنْ يُّفْطِرَ مِنْهُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ مَا يُرِيْدُ اَنْ يَّصُوْمَ وَمَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ اِلَّا رَمَضَانَ ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تو ہم سمجھتے کہ آپ کا ارادہ اب افطار کا نہیں ہے اور اگر افطار فرماتے تو اس تسلسل سے کہ ہم کہتے اب روزہ نہیں رکھیں گے، اور آپ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد سوائے رمضان کے کسی مہینہ کا مکمل روزہ نہیں رکھا۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيٰنَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ ۔

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ وَهٰكَذَا قَالَ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ، وَرَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ

عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ جَمِيعًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل دو ماہ تک روزہ رکھتے ہوئے سوائے شعبان اور رمضان کے کبھی نہیں دیکھا۔

تشریح گزشتہ روایتوں سے معلوم ہوا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ماہ (سوائے رمضان) مکمل روزہ نہیں رکھا مگر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے شعبان کا پورا مہینہ روزہ رکھا اور چونکہ اس کے بعد رمضان شروع ہوگیا اس طرح دو مہینے متواتر روزے رکھے۔

اس طرح روایتوں میں تعارض محسوس ہوتا ہے، علماء نے تطبیق کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کثرت کو زیادہ کرکے مکمل کے درجہ میں قرار دے رہی ہیں، یعنی ماہ شعبان کا زیادہ حصہ روزے کی حالت میں گذرتا، اس کو انھیں مکمل مہینہ قرار دیدیا اور فرمایا کہ ماہ شعبان اور رمضان، شہرین متتابعین۔

۲۔ ممکن ہے کہ کسی سال آپ نے شعبان کا پورا مہینہ ہی روزہ رکھا ہو جس کی اطلاع حضرت ام سلمہ کو تو تھی اور دوسروں کو نہیں، اس لئے ام سلمہ رضی اللہ عنہا تو روایت کررہی ہیں مگر اور روایت میں نہیں ملتا۔

۳۔ بقیہ روایتوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ کا ذکر ہے، اس کے برخلاف آپ نے کبھی پورا مہینہ ہی روزہ رکھ لیا۔ اسی کو ام سلمہ نے روایت کیا۔

۴۔ ابتدا میں آنحضور مکمل ماہ شعبان روزہ رکھتے ہوں گے، اخیر میں یہ معمول نہیں رہا تو ام سلمہ رض ابتدا کی بات نقل فرمارہی ہیں اور دوسری حدیثوں میں اخیر عمر کا تذکرہ ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ أَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ فِي شَهْرٍ

اَکْثَرَ مِنْ صِیَامِهٖ فِیْ شَعْبَانَ کَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِیْلًا ، بَلْ کَانَ یَصُوْمُ کُلَّهٗ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا، آپ بیشتر مہینہ روزہ رکھتے بلکہ تقریباً پورا مہینہ ہی روزہ رکھتے تھے۔

تشریح اس حدیث سے مکمل طور پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں عام طور پر روزے کی حالت میں ہوتے، ایک دو روز اگر روزہ نہ رکھا ہو تو بات دوسری ہے مگر ایسا لگتا گویا پورا مہینہ ہی روزہ رکھا ہو، یہ بل کان یصوم کلہ، مبالغہ کو واضح کر رہا ہے، اسی بنیاد پر حضرت ام سلمہؓ نے بھی فرمایا تھا کہ آپ دو مہینے (شعبان و رمضان) مسلسل روزے رکھتے تھے۔

ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان میں روزے رکھنا زیادہ محبوب تھا، اس کے بعد ہی رمضان شروع ہو جاتا تھا، اسی طرح دیگر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان میں روزے رکھنا افضل ہے، البتہ مسلم کی ایک روایت ہے کہ رمضان کے بعد سب سے افضل محرم کے مہینہ کا روزہ ہے تو اس کا مطلب محدثین یہ بتاتے ہیں کہ محرم کے مہینے کے روزہ کو افضل قرار دینا آخر حیات میں تھا

ایک حدیث میں وارد ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رجب تو اللہ کا مہینہ ہے، شعبان میرا اور رمضان میری امت کا۔ اس طرح ماہ رجب میں بھی روزے کی افضلیت معلوم ہوتی ہے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول زیادہ اہتمام کرنے کا شعبان کے روزوں ہی کا تھا۔

(۶) حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِیْنَارٍ الْکُوْفِیُّ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰی وَطَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ عَنْ شَیْبَانَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَیْشٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ کُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَقَلَّ مَا کَانَ یُفْطِرُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ .

عبداللہ ابن مسعود روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے کی ابتدا میں تین دن روزہ رکھتے تھے اور ایسا کم ہی ہوا ہے کہ آپ نے جمعہ کے دن روزہ نہ رکھا ہو۔

تحقیق و تشریح

غرۃ: بضم الغین وتشدید الراء، اول حصہ، ابتدائی حصہ، مہینے کے پہلے دن کو بھی غرۃ کہتے ہیں مہینے کے ابتدائی تین دنوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ رکھنا روایت سے ثابت ہو رہا ہے، مگر جمعہ کے دن جو روزہ رکھنے کی تخصیص معلوم ہوتی ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف جمعہ کا روزہ بہتر ہوتا ہے اور حدیث مذکور ان کا مستدل ہے، شوافع صرف جمعہ کے روزے کو مکروہ مانتے ہیں، ان کی دلیل ہے آنحضورؐ کا قول لا یصوم احدکم یوم الجمعۃ الا ان یصوم قبلہ او بعدہ (بخاری و مسلم) یہی قول احناف کی ایک جماعت کا بھی ہے۔

(۷) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ مِنْ اَيِّهٖ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ كَانَ لَا يُبَالِيْ مِنْ اَيِّهٖ صَامَ۔

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَيَزِيْدُ الرِّشْكُ هُوَ يَزِيْدُ الضُّبَعِيُّ الْبَصْرِيُّ وَهُوَ ثِقَةٌ وَ رَوٰى عَنْهُ شُعْبَةُ وَعَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيْدٍ وَحَمَّادُ بْنُ يَزِيْدَ وَاِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْاَئِمَّةِ وَهُوَ يَزِيْدُ الْقَاسِمُ وَيُقَالُ الْقَسَّامُ وَالرِّشْكُ بِلُغَةِ اَهْلِ الْبَصْرَةِ هُوَ الْقَسَّامُ۔

حضرت معاذہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھتے تھے، جواب دیا ہاں تو میں نے پوچھا کن دنوں میں روزہ رکھتے تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آنحضورؐ

اس بات کا اہتمام نہیں فرماتے کہ کن دنوں میں روزے رکھیں۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مہینے تین دن روزہ رکھا ہے کہیں تو ابتدائی تین دنوں میں اور کبھی اس کا اہتمام نہیں فرمایا کہ مخصوص دنوں میں روزے رکھیں، کبھی ایسا ہوا کہ ہفتہ اتوار اور پیر کو روزہ رکھا تو اگلے ہفتے منگل بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھ لیا۔

قال ابو عیسیٰ :۔ امام ترمذی ایک راوی یزید الرشک کا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، ان سے روایت کرنے والے متعدد ائمہ اور ثقہ محدثین ہیں، ان کا نام یزید القاسم یا یزید القسام ہے۔

(۸) حَدَّثَنَا اَبُوْحَفْصٍ عَمْرُو بْنِ عَلِیٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنَ دَاوٗدَ عَنْ ثَوْرِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ رَبِیْعَۃَ الْجُرَشِیِّ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَحَرّٰی صَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے روزے کا اہتمام فرماتے تھے۔

(۹) حَدَّثَنَا اَبُوْمُصْعَبِ الْمَدِیْنِیُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَبِی النَّضْرِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ فِیْ شَہْرٍ اَکْثَرَ مِنْ صِیَامِہٖ فِیْ شَعْبَانَ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے نہیں رکھتے تھے۔

(۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیٰی حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رِفَاعَۃَ عَنْ سُہَیْلِ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ فَاُحِبُّ

اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِیْ وَاَنَا صَائِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پیر اور جمعہ کے روز اعمال پیش کئے جاتے ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل پیش کیا جائے تو میں روزہ کی حالت میں ہوں۔

تحقیق تُعْرَضُ: پیش کئے جاتے ہیں، عرض (ن)، پیش کرنا، سامنے لانا، یعنی عند اللہ
وانا صائم: جملہ حال واقع ہے فاحب کے فاعل سے (ملا علی قاری)

تشریح روایت میں آتا ہے کہ بندے کے اعمال روزانہ پیش کئے جاتے ہیں، اور یہاں روایت میں ہے کہ ہفتہ میں دو دن پیش کئے جاتے ہیں، بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

محدثین اور علماء اس کی تشریح کرتے ہیں کہ دراصل روزانہ کے اعمال اجمالی طور پر تو دونوں وقت خدا کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں مگر ہفتہ بھر کے تفصیلی اعمال پیر اور جمعرات کو، اور مزید تفصیل یا اجمال کے ساتھ شب برات میں اور شب قدر میں پیش ہوتے ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۱۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثُّلَاثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مہینے میں ہفتہ، اتوار اور پیر کو روزے رکھتے تو دوسرے مہینے میں منگل بدھ اور جمعرات کو۔

تحقیق السبت:۔ ہفتہ کا دن، اسکے اصل معنی ہیں ختم کرنا، دراصل خدا نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا، جو اتوار سے شروع ہو کر جمعہ تک تھا اور ہفتہ کا دن انقطاع کا تھا

الاحد : اتوار، اس دن تخلیق عالم کی ابتدا ہوئی، پہلا دن۔

الاثنین: پیر، بکسر النون، اثنین تثنیہ نہیں بلکہ علم کے درجہ میں ہے۔

الثُلاثاء: منگل، بضم الثاء الاولیٰ، اور کبھی الف حذف کرکے العلماء کے وزن پر۔

الاَربعاء: بدھ۔

الخَمِیس جمعرات، بفتح الخاء۔

تشریح آپ نے ہر مہینے پابندی سے تین روزے رکھے مگر مسلسل مخصوص دن نہیں ایک مہینے میں تین دن تو دوسرے مہینے میں اخیر کے تین دن، اور جمعہ کے متعلق حدیث گذر چکی ہے، یہ صورت اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائی تاکہ امت اتباع سنت میں کسی تنگی میں مبتلا نہ ہو۔

(۱۲) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَاشُورَاءُ يَوْمًا تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا افْتُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ هُوَ الْفَرِيضَةَ وَتُرِكَ عَاشُورَاءُ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کے لوگ عاشوراء کے دن روزہ رکھا کرتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دن روزہ رکھتے، پھر جب آپ مدینہ ہجرت کرکے تشریف لائے تو خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا، لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو وہ فرض رہا اور عاشوراء کا روزہ چھوڑ دیا گیا، اب جو چاہے روزہ رکھے اور جو نہ چاہے اس دن روزہ چھوڑ دے۔

تشریح عاشوراء محرم کے دسویں دن کو کہا جاتا ہے، اس دن روزہ رکھنے کے فضائل میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ احناف کہتے ہیں کہ یہ روزہ رمضان کے

روزوں کی فرضیت سے قبل فرض تھا۔

اسلام میں فرض عبادات رفتہ رفتہ وارد ہوتے رہے، بیک وقت تمام فرائض نہیں تھے مگر جو عادتیں اور عبادتیں اسلام سے قبل عربوں میں رائج تھیں اور خاص طور پر جو اہل کتاب اپنائے ہوئے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار فرمایا ہے۔ پھر جب جب شریعت نازل ہوتی رہی پرانے طرز چھوڑ دیئے گئے، پہلے پہل مشرکین کے اتباع سے گریز کرتے ہوئے اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے طریقے اپنائے جاتے تھے مگر جب اسلامی احکام نازل ہونے لگے تو ان اہل کتاب کی اقتدار بھی ختم کردی گئی، اور ہر وہ شعار جو مشرکین یا یہود کے ہوتے اس کے برخلاف عمل ہونے لگا تاکہ ان لوگوں سے کوئی مشابہت نہ رہ جائے۔

پہلے عاشورار کا روزہ فرض تھا جو یہود کا طریقہ تھا اور قریش بھی اس پر عمل پیرا تھے مگر ہجرت کے بعد جب مسلمانوں پر رمضان کے مہینے کا روزہ فرض ہوا تو عاشورار کا روزہ ترک ہوگیا، فرض نہیں رہا، کوئی چاہتا تو رکھ لیتا نہ چاہے تو کوئی مضائقہ نہیں، اس دن کا روزہ رکھنا اسکے اپنے فضائل کی وجہ سے مستحب رہا اسکے فضائل اپنی جگہ برقرار ہیں۔

(۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخُصُّ مِنَ الْاَيَّامِ شَيْئًا قَالَتْ كَانَ عَمَلُهُ دِيْمَةً وَاَيُّكُمْ يُطِيْقُ مَا كَانَ يُطِيْقُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت علقمہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دن عبادت کے لئے مخصوص فرماتے تھے، تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کا عمل تو دائمی ہوا کرتا تھا اور تم میں سے کون ایسا ہے جو کسی عمل کی طاقت رکھتا ہو، جس طرح آنحضورؐ طاقت رکھتے تھے (اور اس پر مواظبت فرماتے تھے)

تحقیق :۔ دِيْمَة، مصدر بمعنی دوام، اصل میں تھا دومۃ یعنی دائمۃ واؤ کو یار سے

بدل دیا گیا۔

یطیق :- اطاقۃ، طاقت رکھنا، استطاعت رکھنا۔

تشریح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ کیا کچھ مخصوص دن عبادات کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رکھے تھے، اس پر انھوں نے جواب دیا کہ دنوں کی تخصیص کوئی نہیں تھی، البتہ جو کام شروع فرماتے اس پر قائم ودائم رہتے، یہ ان کی اپنی خصوصیت ہے ورنہ امت میں سے کون ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دوام اور استقامت کی طاقت رکھتا ہو، عمل کے لئے کوئی دن مخصوص نہیں تھا مگر معمولات کا اہتمام بہت تھا، مہینے میں تین دن روزے رکھنے ہوں تو وہ آپ نے رکھے خواہ وہ ابتدائی ہفتہ میں یا انتہائی دنوں میں، اسی طرح تہجد کا مسئلہ تھا کہ آپ پابندی فرماتے تھے خواہ وہ اوّل لیل میں ہو یا درمیان رات میں یا رات کے آخری حصے میں، گویا دن کی اہمیت نہیں تھی پابندی کا اہتمام تھا۔

(۱۴) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ اِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي امْرَاَةٌ فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ قُلْتُ فُلَانَةُ لَاتَنَامُ اللَّيْلَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ فَوَاللّٰهِ لَايَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوا وَكَانَ اَحَبُّ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس گھر میں تشریف لائے تو اس وقت میرے ساتھ ایک عورت بھی تھی آپ نے پوچھا یہ کون ہے میں نے کہا یہ فلاں عورت ہے جو راتوں کو سوتی نہیں (عبادت میں گذارتی ہے)، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اوپر اتنا ہی لازم کیا کرو جس کی استطاعت رکھو، یاد رکھو خدا اجر دینے سے نہیں گھبراتا

یہاں تک کہ تم خود عمل کرتے کرتے اکتا جاؤ۔

فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی عمل پسند تھا جس پر آدمی قائم رہ سکے۔

تشریح اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عبادت اچھی چیز ہے، خدا کو محبوب ہے مگر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق ہی اپنے اوپر عائد کرے، خدا تو اجر دیگا مگر آدمی ایک دن گھبرا کر چھوڑ دیگا اس لئے عمل وہی اپناؤ جسے برقرار رکھ سکو، عبادت وہ کرو جو ہمیشہ کر سکو، عبادت کے نام پر غیر فرائض کو اپنے اوپر لازم کر لینا تو خوبی نہیں اس پر مداومت کرنا اہم ہے جو انسان کو اپنی استطاعت کے مطابق اختیار کرنا چاہئے۔

یہاں گویا اس عورت کو تنبیہ ہے کہ وہ رات بھر جاگ کر عبادت کرتی ہے مگر تابکے؟ انسانی قوت اخیر وقت ساتھ نہیں دیتی اس وقت چھوڑنا پڑے گا اس لئے تھوڑا وقت عبادت کیلئے مخصوص کر لو اور اس پر ہمیشہ عمل کرو، یہ امت کے ساتھ آنحضور کے کمال رحم وشفقت کا اظہار رہی ہے۔

(۱۵) حَدَّثَنَا اَبُوْهِشَامٍ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيْدَ الرِّفَاعِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ وَاُمَّ سَلَمَةَ اَيُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتَا مَادِيْمَ عَلَيْهِ وَاِنْ قَلَّ۔

ابو صالح سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا عمل زیادہ محبوب تھا تو دونوں نے جواب دیا وہ عمل جو پابندی سے کیا جائے خواہ وہ کتنا ہی کم ہو۔

تشریح ماقبل کی حدیث کا بھی یہی مفہوم تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک افضل العبادات وہ نوافل عمل ہیں جو پابندی سے ادا کئے جائیں مقدار کم ہو یا کیفیت

کے لحاظ سے قلیل ہو۔

زیادہ عبادت جب پابندی سے نہ ہو سکے تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ پابندی سے کوئی عمل کیا جائے، ان دونوں حدیثوں کو صوم کے تحت روایت کر رہے ہیں مگر یہاں مطلق عمل یا عبادت کا ذکر ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ نوافل میں سے روزے کا رکھنا لوگوں کے لئے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس لئے تنبیہ کی گئی کہ روزہ یا دوسرا عمل اس حد تک نہ اپنایا جائے کہ آئندہ چل کر اس پر عمل کرنے میں گھبراہٹ یا اکتاہٹ شامل ہو جائے۔

(۱۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَاصِمَ بْنَ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ مَعَهُ فَبَدَأَ فَاسْتَفْتَحَ الْبَقَرَةَ فَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ وَسَأَلَ وَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِيَامِهِ وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ رُكُوعِهِ وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ قَرَأَ آلَ عِمْرَانَ ثُمَّ سُورَةً سُورَةً يَفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكَ ۔

حضرت عوف بن مالک کہتے ہیں کہ ایک رات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو میں بھی ان کے ساتھ نماز کے لئے کھڑا ہو گیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی اور سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ پڑھی، تو آنحضورؐ جب کسی رحمت کی آیت پر گذرتے تو خدا سے رحم طلب کرتے اور جب کسی عذاب کی آیت پر گذرتے تو توقف فرماتے اور عذاب سے پناہ مانگتے، پھر آپ نے رکوع کیا تو رکوع میں قیام کے بقدر ٹھہرے اور رکوع میں کہتے سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ پھر رکوع کے بقدر سجدہ کیا اور سجدہ میں یہی تسبیح پڑھی، اگلی رکعت میں سورۂ آل عمران پڑھی

اسی طرح اگلی رکعتوں میں ایک ایک سورہ پڑھتے رہے اور پہلی رکعت کی طرح ہی رکوع، سجدہ اور تسبیح پڑھتے رہے۔

تشریح اس حدیث سے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طویل قیام وطویل رکوع وسجدہ کرنا معلوم ہوتا ہے، البتہ مؤخر الذکر تین حدیثیں صرف روزے سے متعلق نہیں ہیں، اور تذکرہ باب ما جاء فی الصیام کے ضمن میں ہے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ کتاب کے لکھنے والوں کا سہو ہے جو اس باب کے ضمن میں ان احادیث کو نقل کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اصل نسخہ جو امام ترمذی کو سنایا گیا ہے اس میں باب صلوٰۃ الضحیٰ التطوع اور باب الصوم نہیں تھا بلکہ یہ سب حدیثیں باب العبادات کے ذیل میں تھیں، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

باب ماجاء فی قراءة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے بیان میں

اس باب کے تحت ۸ حدیثیں مذکور ہیں جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن کا ذکر ہے، یعنی آنحضورؐ کس حد تک آواز سے اور آہستہ پڑھتے تھے یا ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھتے، تلاوت میں آیتوں پر وقف فرماتے یا نہیں، مد کو کس طرح ادا فرماتے وغیرہ۔

(١) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔

یعلی بن مملک نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو وہ قرآت کو واضح اور حرف حرف کے بیان کرنے لگیں۔

تحقیق

مُمْلَكٌ: بضم المیم الاولیٰ وسکون الثانیۃ وفتح اللام۔

تنعت: نعت (فتح)، بیان کرنا، بتانا، وضاحت کرنا۔

مفسرۃ: بتشدید السین المفتوح، واضح حروف، الگ الگ، بیان کردہ

حرفاً حرفاً: یعنی لفظ لفظ کرکے، یہ قراءۃ مفسرہ کا بیان ہے یا حال ہے یعنی اس حال میں کہ لفظ لفظ جدا ہوتا، یہ مفسرۃ کا بدل بھی ہوسکتا ہے یعنی قرارت کو واضح کرکے بتایا اور یہ وضاحت حرفاً حرفاً تھی۔

تشریح حضرت ام سلمہؓ کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لفظاً

کو واضح ادا کر کے تلاوت فرمایا کرتے تھے، حضرت ام سلمہؓ کے بیان کی دو صورت ہے ایک تو یہ کہ انھوں نے کہا آپ اس طرح پڑھتے تھے کہ الفاظ واضح ہوں، دوسرا مطلب یہ کہ حضرت ام سلمہؓ پڑھ کر بتا رہی ہیں کہ دیکھو آنحضورؐ اس طرح صاف پڑھتے جس طرح میں ادا کر کے بتا رہی ہوں دوسرا احتمال ہی قرین قیاس لگتا ہے یعنی وہ نقل کر کے بتا رہی ہوں۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنَا اَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ قِرَاءَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَدًّا ۔

قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآت کس طرح ہوا کرتی تھی تو انھوں نے کہا مد کے ساتھ۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے بارے میں جتنی روایتیں ہیں ان میں ایک بات ظاہر ہے کہ آپ اطمینان کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے، جلدی سے نہیں تمام اصول وقواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے، چنانچہ مد والے حروف کو اسی طرح کھینچ کر پڑھتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ زیادہ طویل کرتے بلکہ قاعدہ کے تحت مد کو کھینچ کر۔

حضرت انس رضؓ کے بیان کا مطلب غالباً یہی ہے کہ آپؐ مد کو مد ہی کی طرح پڑھتے تھے البتہ بعض مشائخ کہتے ہیں کہ **مد** سے مراد مد الزمان ہے یعنی آپ تجوید و ترتیل کے ساتھ اس طرح پڑھتے کہ تمام اعراب بھی ظاہر ہو اس طرح وقت زیادہ صرف ہوتا۔

(۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْاُمَوِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ يَقُولُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُولُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ يَقِفُ وَكَانَ يَقْرَأُ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کے وقت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قرآت میں وقف فرمایا کرتے تھے جیسے آپ الحمد للہ رب العالمین کہتے تو ٹھہر جاتے پھر الرحمن الرحیم کہتے تو ٹھہر جاتے پھر مالک یوم الدین پڑھتے۔

تحقیق **یُقَطِّع**:- تقطیع سے، کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا، یہاں مراد وقف کرنا، رکنا ہے۔ **ثم یقف**:- ٹھہر جاتے، یہ تقطیع کی تشریح ہے، مطلب یہ کہ آیت ختم ہونے پر رک جاتے اور وقف کے بعد ہی دوسری آیت شروع فرماتے۔

مالك:- الف کے ساتھ اور بغیر الف کے ملك بھی ہے، جیسا کہ شمائل کے بعض نسخوں میں بھی ہے۔

تشریح گویا امت کے لئے تعلیم ہوئی کہ ہر آیت پر وقف کرنا چاہئے، یہی قول بیہقی وغیرہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ افضل آیتوں کے درمیان وقف ہی ہے خواہ معنوی لحاظ سے جملہ مکمل نہ بھی ہو۔

اور امام جزری اور دیگر محققین یہی کہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ آنحضور ہر آیت پر وقف فرماتے تھے، بعض علماء کہتے ہیں کہ وصل افضل ہے یعنی جہاں تک سانس برقرار رہے پڑھ لینا چاہئے۔

(۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ قَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ، رُبَّمَا أَسَرَّ وَرُبَّمَا جَهَرَ قُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً.

عبداللہ بن ابی قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآت کے بارے میں دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ سے تلاوت فرماتے یا بلند آواز سے؟ انھوں نے جواب دیا کہ دونوں کرتے تھے، کبھی اخفاء فرماتے اور کبھی جہر کرتے تو میں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس

معاملہ میں وسعت عطا فرمائی۔

تشریح یہی روایت امام ترمذیؒ نے جامع الترمذی میں بیان کی ہے مگر باب فی القرآۃ باللیل کے ضمن میں، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو سوال کیا گیا وہ رات کی نماز (تہجد) کے بارے میں تھا، آیا اس میں اخفاء تھا یا جہر تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا دونوں طرح کا معمول تھا، اس میں کوئی قید نہیں تھی کبھی آہستہ قرأت کرتے اور کبھی بلند آواز سے۔

اسی کو راوی کہتے ہیں کہ خدا نے گنجائش دی تھی جس طرح چاہے آدمی پڑھ لے، ترغیب مقصود ہو تو جہر کرے ورنہ اخفاء۔

(۵) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ الْعَبْدِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ جَعْدَةَ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ كُنْتُ أَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ وَأَنَا عَلَى عَرِيشِي ۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کے وقت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سن لیا کرتی تھی درانحالیکہ میں اپنی چھت پر ہوتی۔

تحقیق عریشی:۔ چھت، دوسرا مطلب سریری یعنی بستر جس پر آدمی سوتا ہے، یہاں دونوں معنی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ میں اپنی چھت پر سے سن لیا کرتی تھی، یا یہ کہ میں اپنے سونے کے بستر پر آپ کی قرأت کی آواز سن لیا کرتی تھی۔

(۶) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مُغَفَّلٍ يَقُولُ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَاقَتِهِ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَقْرَأُ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ فَقَرَأَ وَرَجَّعَ قَالَ وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ لَوْلَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيَّ لَأَخَذْتُ لَكُمْ فِي ذٰلِكَ الصَّوْتِ أَوْ قَالَ اللَّحْنِ ۔

حضرت عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے روز دیکھا کہ اپنی اونٹنی پر سوار ہیں اور پڑھ رہے ہیں انا فتحنالك فتحًا مبينًا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے آیت پڑھی اور بہت بہترین انداز میں، راوی معاویہ بن قرۃ کہتے ہیں اگر لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اسی آواز یا لحن میں پڑھ کر بتاتا۔

تحقیق | انا فتحنالك: یہ آیت گو کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی مگر اس صلح ہی کو فتح مکہ کا عنوان قرار دیا گیا تھا، آنحضورؐ اسی آیت کو فتح مکہ کے روز ترتیل کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

ورجع :- ترجیع معنی تحسین، عمدہ طریقے پر پڑھنا، اچھی آواز سے پڑھنا (۲) کلمۂ اذان کو دو مرتبہ ادا کرنا، دہرانا۔

تشریح | آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن قرآن کی فتح والی آیت حسن صوت کے ساتھ تلاوت فرما رہے ہیں، جو اس روایت کے مطابق بھی ہے زینوا القرآن باصواتکم قرآن کو ترتیل اور تجوید کے ساتھ ساتھ اچھی آواز اور اچھے لہجہ میں پڑھنے کی تاکید آئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز بے انتہا خوش تھے، اس موقع پر آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر ہی یہ آیت اسی لہجہ میں بہترین آواز کے ساتھ پڑھی ہے، مگر آپؐ چونکہ اونٹنی پر سوار تھے اس لئے آواز میں ترجیع کی صورت پیدا ہو گئی تھی جس میں ایک لفظ مکرر بھی نکلتا ہوا محسوس ہوتا ہے، عام حالات میں اس طرح پڑھنے میں نغمگی آجاتی اور گانے کا انداز آجاتا اسی لئے راوی کہتے ہیں کہ میں اس کو نقل نہیں کر سکتا ورنہ لوگ میری مخالفت شروع کر دینگے جب کہ قرآن کی تلاوت اچھی آواز اور لحن کے ساتھ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس میں گانے کا انداز نہ آجاتے، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جس عمدگی سے تلاوت فرما رہے تھے اس میں حرکت (سواری کی) آجانے سے آواز ترجیعی ہو گیا تھا، اس لئے اس کو نقل کرنا سوء ادب شمار کیا اور راوی نے کہا میں نقل نہیں کروں گا۔

(۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ الْحُدَّانِيُّ عَنْ

حُسَامِ بْنِ مِصَكٍّ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ وَكَانَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ وَكَانَ لَا يُرَجِّعُ .

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ خدا نے تمام انبیاء کو حسین صورت اور بہترین آواز کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی حسین صورت اور جمیل الصوت تھے وہ آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے۔

تشریح تمام انبیاء کو خدا نے جمال رخ اور حسن آواز سے مشرف فرمایا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بدرجۂ اتم مزین تھے، ایک روایت میں ہے کہ کان نبیکم احسنھم وجھا واحسنھم صوتا۔ یعنی رسول اکرم ان انبیاء سے زیادہ ملاحت و فصاحت و شیریں آواز کے مالک تھے۔

آپ قرآن پڑھتے تو سماں پیدا ہو جاتا، خوش الحانی غایت درجہ کی ہوتی مگر آپ گانے کے انداز میں آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے، یہی مفہوم ہے لا یرجع کا۔

(۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِي عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّمَا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ .

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت قرآن ایسی ہوتی کہ بسا اوقات اپنے کمرے میں رہنے والا بھی سن لیتا جبکہ آنحضور اپنے حجرے میں پڑھ رہے ہوتے۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ مبارک میں تلاوت فرما رہے ہوتے تو قریب کے حجرہ میں رہنے والا شخص اسکو سن لیتا تھا یعنی کسی قدر بلند آواز ہوتی، دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آواز زیادہ اونچی نہیں ہوتی مگر اس درجہ بلند ضرور ہوتی کہ آنحضورؐ کے حجرے میں رہنے والا شخص اسکو سن سکتا تھا خواہ باہر والا سن سکے یا نہ سن سکے، حاصل یہ کہ آپ کی آواز نہ زیادہ بلند ہوتی اور نہ بالکل آہستہ حسب موقع آپ بلند آواز سے تلاوت فرماتے یا ہلکی آواز سے۔

باب ماجاء فی بکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کا بیان

گریہ وزاری کی مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں۔

۱ : رحمت ومہربانی کی وجہ سے۔

۲ : خوف وخشیت کی وجہ سے۔

۳ : اشتیاق ومحبت کی وجہ سے۔

۴ : خوشی ومسرت کی وجہ سے۔

۵ : تکلیف اور پریشانی کی وجہ سے۔

۶ : رنج والم کی وجہ سے۔

۷ : ظلم وتعدی کی وجہ سے۔

۸ : توبہ کے لئے۔

۹ : نفاق کا رونا، جو صرف دکھانے کے لئے ہوتا ہے۔

اور گریہ وزاری کی علامت آنسو ہے یا آنسو کے ساتھ آواز بلند ہونا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا کبھی رحمت کے لئے تھا تو کبھی امت پر شفقت کے لئے، اور کبھی خدا کے خوف سے تو کبھی قرآن سننے کے وقت بھی، جو ظاہر ہے اشتیاق ومحبت اور اخلاص واحترام کے لئے ہوتا۔

اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کا ذکر ہے، اس میں چھ حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ مُطَرِّفٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي وَلِجَوْفِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ ۔

حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینے سے ہانڈی کے جوش کی طرح آواز نکل رہی تھی

تحقیق

جوف : درمیان کا حصہ۔

أَزِیز : فعیل کے وزن پر، جوش، ابال، مراد رونے کی آواز۔

المِرجل :- بکسر المیم، مٹی، لوہے یا تانبے کی ہانڈی (برتن) مطلق ہانڈی، قِدرٌ

البکاء :- بضم الباء رونا (ض)، آنسو نکلنا، من البکاء کے معنیٰ من اجل البکاء یعنی رونے کی وجہ سے۔

تشریح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اور کمال خشوع وخضوع میں گریہ بھی ہو رہا تھا ایسے ہی جیسے جب ہانڈی میں جوش آتا ہے اور "شوں شوں" کی آواز پیدا ہوتی ہے، اس طرح سے آواز نکل رہی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی جانب سے مغفرت کی یقین دہانی تھی اسکے باوجود آپ خوف وخشیت سے روتے تھے، تو یہ کمال عبودیت کی علامت تھی اور یہ ایک وجدانی کیفیت تھی، چنانچہ مسلم شریف کی ایک روایت ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم لوگ وہ دیکھ لو جو میں نے دیکھا ہے تو تم ہنسنا کم کردوگے اور رونا زیادہ کردوگے، دریافت کیا گیا کہ آپؐ نے کیا مشاہدہ فرمایا تو جواب دیا میں نے جنت اور دوزخ دیکھی ہے۔

گویا جسے علم ویقین زیادہ ہوگا اسے ہی خوف بھی ہوگا اور خشیت طاری ہوگی، ارشاد باری تعالیٰ ہے انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء۔ چنانچہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف وخشیت کا غلبہ بھی اسی وجہ سے تھا۔

(۲) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَأْ عَلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى بَلَغْتُ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا قَالَ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْ رَسُولِ اللّٰهِ تَهْمِلَانِ ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے قرآن شریف پڑھ کر سناؤ تو میں نے کہا یا رسول اللہ میں آپ کو سناؤں جب کہ قرآن آپ ہی پر نازل کیا گیا ہے آنحضور نے فرمایا میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں تو میں نے سورۂ نساء تلاوت کی یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہونچا وجئنابك علی هٰؤلاء شهیدا تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

تحقیق

قرأ علی: کسی کے سامنے پڑھنا، کسی کو پڑھ کر سنانا۔

تهملان: دونوں آنکھیں (آنسو) بہا رہی ہیں۔ تسیلان الدموع، الهمل آنسو بہنا، بارش ہونا۔

وجئنا الخ اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر کریں گے۔

تشریح

قرآن شریف کی تلاوت آدمی خود کرے اس کی جو کیفیت ہے دوسرے سے سننے میں الگ انداز ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں مفہوم پر زیادہ غور کرنے کا موقع ملتا ہے اور محویت کی کیفیت ہو جاتی ہے اسی بناء پر آنحضور نے ابن مسعودؓ سے کہا مجھے پڑھ کر سناؤ چنانچہ جب انھوں نے سورۂ نساء پڑھی اور جئنابك والی آیت پر پہونچے تو آپ نے فرمایا بس کرو، ابن مسعود نے جو دیکھا تو آنحضور کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

ابن بطال کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت پر روئے ہیں تو اسلئے

کہ ان کی نظر کے سامنے قیامت کا منظر آگیا جب سخت پریشانی میں لوگ ہوں گے اور آپ کو امت کی گواہی کو کہا جائے گا اور امت کی سفارش کا مسئلہ در پیش ہوگا۔

یہ دراصل امت کے لیے رونا ہے جب ان کے اعمال پر ان کو عذاب کا سامنا ہوگا یہ جاننے کی وجہ سے کمال شفقت میں آپ رو پڑے ہیں

(۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ حَتّٰى لَمْ يَكَدْ يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ فَلَمْ يَكَدْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهُ فَجَعَلَ يَنْفُخُ وَيَبْكِيْ وَيَقُوْلُ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَاَنَا فِيْهِمْ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُكَ، فَلَمَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَحَمِدَ اللهَ تَعَالٰى وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا انْكَسَفَا فَافْزَعُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللهِ تَعَالٰى۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گہن ہوا تو آنحضور نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے، اور اس قدر قیام طویل ہوا کہ نہیں لگتا تھا آپ رکوع بھی کریں گے، پھر جب رکوع میں گئے تو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ آپ رکوع سے سر اٹھائیں گے مگر جب سر اٹھایا تو پھر لگنے لگا کہ آپ سجدہ نہیں کریں گے اور سجدہ میں گئے تو نہیں لگ رہا تھا کہ آپ سجدے سے سر اٹھائیں گے اور سجدہ سے اٹھے تو لگتا تھا کہ دوسرا سجدہ نہیں کریں گے پھر دوسری بار سجدے میں گئے تو نہیں لگتا تھا کہ سر اٹھائیں گے، اس دوران

آپ آہیں بھرنے لگے اور رونے لگے اس میں یہ کہتے رہے کہ اے خدا کیا آپ نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب تک میں ان میں موجود ہوں آپ انھیں عذاب نہیں دیں گے اور اے خدا کیا آپ نے یہ وعدہ بھی نہیں کیا تھا کہ اگر یہ استغفار کرینگے تو آپ انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کریں گے اور حال یہ ہے کہ ہم آپ سے مغفرت طلب کر رہے ہیں اس طرح جب آپ نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو سورج ظاہر ہو گیا (گہن ختم ہو گیا) آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ سورج اور چاند خدا کی نشانیاں ہیں، یہ کسی کے مرنے یا جینے پر گہن نہیں ہوتے لہذا جب یہ گہن ہوں تو خدا کی طرف رجوع کر کے گڑگڑایا کرو۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گہن ہوا تو آپ صلوٰۃ الکسوف کے لئے تیار ہوئے اور قرآت، رکوع وسجدہ میں اس قدر تاخیر فرمانے لگے کہ لگتا تھا کہ آپ جس حالت میں ہیں اسی میں رہیں گے، ایک رکن نماز سے دوسرے کی جانب بڑھیں گے نہیں مگر بالآخر آپ نے نماز پوری فرمائی اور اس دوران دعائیں فرماتے رہے، تضرع بھی جاری رہا یہاں تک کہ رونے لگے اور فرمایا کہ خدایا ہم لوگ آپ سے مغفرت طلب کرتے آئے ہیں اور تو نے وعدہ کیا ہے کہ جب مومن استغفار کریگا تو میں اسے عذاب میں مبتلا نہیں کروں گا، اب تو ہماری دعا سن لے، چنانچہ نماز پوری ہوئی اور سورج گہن ختم ہوا۔

پھر آپ نے لوگوں کو خطاب فرمایا اور جاہلیت کے ایک عقیدے کی تردید فرمائی، عرب یہ سمجھتے تھے کہ سورج یا چاند گہن کسی بڑے آدمی کی پیدائش یا موت پر ہوتا ہے، آپ نے کہا یہ سب کچھ نہیں، یہ خدا کی نشانیاں ہیں، گہن ہو تو خدا کی جانب رجوع کرو، توبہ استغفار کرو، روؤ اور گڑگڑاؤ، یہ حکم استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں۔

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے کس درجہ شفقت رہی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسوف میں نماز ہے تقریر نہیں، آپ کا خطاب فرمانا دراصل لوگوں کو کسوف کی حقیقت بتانا ہے اور انھیں خدا کی جانب بوقت

مصیبت وآفت ناگہانی رجوع کرنے کی ترغیب دینا ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَةً لَهٗ تَقْضِيْ فَاحْتَضَنَهَا فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَاتَتْ وَهِيَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَصَاحَتْ اُمُّ اَيْمَنَ فَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَبْكِيْنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَتْ اَلَسْتُ اَرَاكَ تَبْكِيْ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ اَبْكِيْ اِنَّمَا هِيَ رَحْمَةٌ اِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اِنَّ نَفْسَهٗ تُنْزَعُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ وَهُوَ يَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی کو جو قریب المرگ تھیں اپنی گود میں اٹھایا اور تھوڑی دیر کے بعد ان کو اپنے سامنے رکھ دیا، اسی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت، ام ایمن چیخ پڑیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے سامنے رو رہی ہو تو انھوں نے کہا کیا میں نے آپ کو روتے نہیں دیکھا ہے؟ (یعنی آپ بھی تو رو رہے ہیں) آنحضورؐ نے فرمایا کہ میں تمھاری طرح رو نہیں رہا ہوں، یہ رونا تو رحمت کا اثر ہے، مومن تو ہمیشہ خیر ہی میں رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح بھی اسکے پہلو سے نکالی جاتی ہے تو وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔

تحقیق

تقضي: تريد ان تموت من القضاء قریب المرگ تھی

فاحتضنها: احتضان گود میں لینا، اس سے حضانۃ ہے پرورش کرنا

صاحت: صیحۃ (ض) چیخنا، زور سے آواز نکالنا۔

ام ایمن: یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ہیں جو اپنے والد سے ورثہ میں آپؐ نے پائی تھی، انھوں نے آنحضورؐ کی پرورش بھی کی ہے آنحضورؐ نے حضرت خدیجہؓ سے عقد کے بعد ان کو آزاد کردیا اور حضرت زید سے ان کا نکاح کرادیا، ان کا لڑکا اسامہؓ ہے۔

نفسہ: اس کی روح

تُنزع، نزع (ف)، قبض کرنا، اٹھانا۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صاحبزادی تھیں جن کی موت کا تذکرہ ہے، اصحاب سیر و تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اس کے بعد ان کا انتقال ہوا ہے، تو کیا یہ آنحضورؐ کی نواسی ہے؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہی ممکن ہے جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ امامہ بنت زینب کا واقعہ ہے مگر اہل علم کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں کیونکہ حضرت امامہ (آنحضورؐ کی نواسی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہی ہیں۔

ممکن ہے یہ ابنۃ نہ ہو بلکہ ابن کا لفظ ہو اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں میں سے کسی کا تذکرہ ہو۔

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح صیاحت کے ساتھ رونے کو منع فرمایا ہے البتہ رنج والم قدرتی امر ہیں اس لئے بکاء بمعنی آنسو بہنا جائز ہے اور یہ خدا کی رحمت کا اثر کہا جاسکتا ہے جو دل پر طاری ہوا اور آنسو نکل آئے۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِيْ اَوْ قَالَ وَعَيْنَاهُ تُهْرَقَانِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کو ان کے انتقال کے بعد بوسہ دیا درانحالیکہ وہ رو رہے تھے (راوی کہتے ہیں) یا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

تشریح حضرت عثمان بن مظعون آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے اور ہجرت کے بعد سب سے پہلے مہاجر تھے جن کا انتقال ہوا تھا، ۲ھ میں وفات پائی

اور بقیع میں دفن ہوئے۔

ان کے انتقال کے بعد آپ پر رقت طاری ہوئی تھی اور آپؐ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

(۶) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ وَهُوَ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ شَهِدْنَا ابْنَةً لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ أَفِيكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ أَنَا قَالَ انْزِلْ فَنَزَلَ فِي قَبْرِهَا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاجزادی کی میت پر حاضر ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے گذشتہ رات میں مجامعت نہ کی ہو تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں میں ہوں آپؐ نے فرمایا کہ پھر نیچے اترو تو وہ صاجزادی کی قبر میں اترے

تحقیق

شھدنا:۔ یعنی حضرنا ہم حاضر ہوئے، شھود (س) حاضر ہونا

ابنۃ:۔ حضرت عثمان کی زوجہ اور آنحضورؐ کی صاجزادی حضرت ام کلثومؓ ہیں

تدمعان:۔ آنسو بہا رہی ہیں۔

لم یقارف:۔ جامع الاصول میں ہے بمعنی لم یذنب ذنبا، دوسرا مفہوم ہے لم یجامع، یہاں یہی معنی مراد ہے مقارفۃ کے معنی قریب ہونا لم یقارف زوجتہ۔

تشریح

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ جو شخص رات کو عورت سے صحبت نہ کئے ہوتے ہو وہ قبر میں میت کو اتارے، اس میں دراصل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تعریض تھی اور ناراضگی کا تھوڑا اظہار بھی، اور وہ غالباً

اس لئے کہ جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا رات کو بیمار تھیں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سے غفلت برت گئے، اور رات کو ایک باندی کے ساتھ مشغول رہے اور اسکے علاوہ بھی کوئی حکمت ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابو طلحہ کا نام زید بن الانصاری ہے مگر کنیت سے مشہور ہیں، بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے فضائل میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں، وہ قبر میں اترے اور ان کے ساتھ حضرت علی، فضل اور اسامہ رضی اللہ عنہم بھی تھے جیسا کہ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرمائی ہے ناراض نہیں رہے، اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے سو بیٹیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے مرجاتیں تو میں سب کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کرتا۔

باب ماجاء فی فراشِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کے بیان میں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آرام اور سونے کے لئے کس قسم کا بستر استعمال فرمایا ہے وہ اس باب کے تحت دو حدیثوں کے ذریعہ مصنف بتارہے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر چٹائی یا چمڑے کے بستر استعمال کئے ہیں، کبھی فراش میں اہتمام نہیں فرمایا بلکہ جب صحابہ نے آنحضورؐ سے درخواست کی کہ وہ نرم بستر بنوالیں تو اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے دنیاوی راحت و آرام نہیں چاہئے، ایک مسافر کی طرح ہوں جو آرام کرنے کے لئے درخت کے سایے میں بیٹھ جاتا ہے، ورنہ اگر میں چاہوں تو خداوند قدوس میرے لئے ہر آرام و آسائش بہم پہنچادے

بخاری کی روایت ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ایک دفعہ میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ اپنے کمرے میں آرام فرمارہے ہیں صرف ایک چٹائی پر، اور تکیہ لگا رکھا ہے مگر وہ پتوں سے بھرا ہوا چمڑے کا تکیہ ہے، تو میں رو پڑا اور عرض کیا یا رسول اللہ دنیا کے حکمراں قیصر و کسریٰ تو عالیشان بستروں پر آرام کریں اور آپؐ خدا کے رسول ہیں اور اتنی تکلیف میں، تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کیلئے تو دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت۔

اسکے علاوہ بے شمار روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یہ سادگی اختیار فرمائی ہے، اور چٹائی پر یا چمڑے کے بچھونے پر سونا پسند فرمایا ہے۔

(۱) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّمَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ یَنَامُ عَلَیْهِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهٗ لِیْفٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر سوتے تھے وہ چمڑے کا ہوتا جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

تحقیق فِرَاش: بکسر الفاء بروزن لباس بمعنی مفعول، جو بچھایا جائے بستر جمع فُرُش۔

اَدَم: یہ ادیم کی جمع ہے، دباغت دیا ہوا چمڑا۔

حَشْوُهٗ: بمعنی محشوہ بھرا ہوا، گدا۔

لیف: کھجور کے درخت کے پتے اور چھال حشوہ من لیف جملہ حالیہ ہے۔

تشریح حاصل یہ کہ بستر موٹا اور کھردرا ہوا کرتا تھا، نرم و نازک نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم موٹے بستر پر جو چمڑے کا بنا ہوا تھا سویا کرتے تھے یہ امت کے لئے تعلیم ہے، اس کی اقتدا کرنی چاہئے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گدے پر سونا خواہ وہ گدا پتوں کا ہو یا کسی روئی وغیرہ کا اس پر سونا زہد و قناعت کے منافی نہیں ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا اَبُو الْخَطَّابِ زِیَادُ بْنُ یَحْیَی الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَیْمُوْنٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَةُ مَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِكِ قَالَتْ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهٗ لِیْفٌ، وَسُئِلَتْ حَفْصَةُ مَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِكِ قَالَتْ مِسْحًا نَثْنِیْهِ ثِنْیَتَیْنِ فَیَنَامُ عَلَیْهِ فَلَمَّا کَانَ ذَاتَ لَیْلَةٍ قُلْتُ لَوْ ثَنَیْتُهٗ اَرْبَعَ ثِنْیَاتٍ کَانَ اَوْطَأَ لَهٗ فَثَنَیْنَاهُ بِاَرْبَعِ ثِنْیَاتٍ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مَا فَرَشْتُمُوْا لِیْ

اَللَّيْلَةَ قَالَتْ قُلْنَا هُوَ فِرَاشُكَ إِلَّا أَنَا ثَنَيْنَاهُ بِأَرْبَعِ ثِنْيَاتٍ قُلْنَا هُوَ أَوْطَأُ لَكَ قَالَ رُدُّوهُ لِحَالَتِهِ الْأُولَى فَإِنَّهُ مَنَعَتْنِي وَطَاءَتُهُ صَلَاتِي اللَّيْلَةَ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے حجرے میں کس قسم کے بستر پر آرام کیا کرتے تھے تو انھوں نے جواب دیا چمڑے کا بستر تھا جو پتوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا، اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ آپ کے حجرے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کس طرح کا ہوا کرتا تھا تو انھوں نے جواب دیا ٹاٹ ہوا کرتا تھا جس کو ہم دوہرا کرکے بچھا دیتے آپؐ اسی پر سو جایا کرتے تھے، جب ایک رات ہوئی تو میں نے سوچا اگر اس کو چار دفعہ موڑ کر بچھا دوں تو یہ آپکے لئے نرم ہو جائیگا چنانچہ اسکو چار دفعہ موڑ کر بچھا دیا جب صبح ہوئی تو آنحضورؐ نے دریافت کیا کہ تم نے میرے لئے رات کیا بچھا دیا تھا میں نے عرض کیا یہ تو وہی بستر تھا مگر ہم نے اسکو چوہرا کر دیا تھا سوچا آپ کیلئے وہ کسی حد تک نرم اور مناسب ہو جائیگا تو آنحضورؐ نے مجھے کہا کہ اسکو اسکے پہلے ہی کے انداز میں کر دو کیونکہ اسکی نرمی نے تو مجھے رات کی نماز سے بھی غافل کر دیا

تحقیق مِسْحًا: بکسر المیم ٹاٹ، موٹا سا بستر، کان محذوف کی خبر ہے اسلئے منصوب ہے
نثنیه:۔ ہم اسکو موڑ دیتے۔ ثنی (ض)، موڑنا، پھیر دینا۔
ثنتین: دہرا کرکے، بیچ میں سے موڑ کر دہرا کر دینا، ڈبل کر دینا
اربع ثنیات: چوہرا، چار بل دینا، ثنیۃ موڑ
اوطأ: نرم، موافق، وطئ، رگڑ دینا، اس طرح کہ نرم ہو جائے

تشریح حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ بستر کیا تھا ایک ٹاٹ تھا یا کمبل کی طرح کا تھا اس کو آپؐ کے لئے ہم دوہرا کر دیتے، آپ اسی پر آرام فرما لیا کرتے، ایک دفعہ ہم نے اس کو مزید دوہرا دیا یعنی چار پرت بن گئے آپ اسی پر سو گئے مگر صبح اٹھتے ہی فرمایا کہ اس میں نیند زیادہ آ گئی اور غفلت ہو گئی اسلئے رات وقت پر تہجد پڑھنے نہ اٹھ سکا، ایسے بستر کا کیا کام جو غفلت طاری کر دے یا نیند زیادہ لائے اس کو پہلی والی حالت پر لے آؤ، صرف دوہرا دو، یہی بہت ہے۔

باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع کا ذکر

تواضع کا اصل مفہوم ہے انکساری اور خشوع، اور اپنے آپ کو اپنی حیثیت سے کم ظاہر کرنا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز میں تواضع اختیار فرمایا ہے اس کی ایک مثال یہی ہے کہ خدا نے آپؐ کو اختیار دیا تھا کہ آپ نبیا ملکا رہنا چاہیں یا عبدا نبیًا، اس پر آپؐ نے عبدا نبیًا ہی رہنا پسند فرمایا، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک حیات رہے ہمیشہ تواضع برتا ہے، کبھی اپنی شان اور عالی منزلت کا اظہار عملاً سے نہیں فرمایا، ایک عام بندے کی طرح زندگی گذاری ہے، صحابہ کے درمیان ان ہی کے ایک فرد کے انداز میں سارے کام خود بھی کئے ہیں اور فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ جماعت میں ممتاز رہوں اور خداوند تعالیٰ بھی اس کو پسند نہیں کرتے۔

آپؐ کے تواضع کے مختلف طریقے ہیں، موقع و محل کی مناسبت سے انکساری کی جو صورتیں ہوتی ہیں انھیں میں سے چند کا ذکر اس باب میں ہے، اس میں تیرہ حدیثیں ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُونِي كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میری تعریف حد سے زیادہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی مبالغہ کے ساتھ تعریف کی، میں تو صرف ایک بندہ ہوں اسلئے خدا کا بندہ اور اسکا رسول کہا کرو۔

تحقیق و تشریح اطراء: کے معنی حد سے تجاوز کرنا، مبالغہ آمیز مدح وستائش کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع کا ایک انداز ہے جو مخلوق کے درجہ میں غایت کمال ہے، اور یہ باری تعالیٰ کے قول انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیَّ. کے ضمن میں آتا ہے، اور فرمایا کہ خدا کا بندہ اور رسول کہو، اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح عیسائیوں نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے مدح میں کیا، انھوں نے اس درجہ حد سے تجاوز کیا کہ خدا کا بیٹا کہدیا اور رفتہ رفتہ خدا کا درجہ دیدیا۔

(۲) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنِ حُجْرٍ حَدَّثَنَا سُوَیْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ لِیْ اِلَیْكَ حَاجَةً فَقَالَ اِجْلِسِیْ فِیْ اَیِّ طَرِیْقِ الْمَدِیْنَةِ شِئْتِ اَجْلِسْ اِلَیْكِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک عورت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ مجھے آپ سے (تنہائی میں) کچھ عرض کرنا ہے، آپ نے فرمایا، شہر کے کسی راستے پر بھی تم بیٹھ جاؤ میں وہیں تمھاری بات سننے کو بیٹھ جاؤں گا۔

تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی بات سنتے اور ان کی ضرورتیں بھی پوری کیا کرتے تھے اور اس میں مرد وزن کی تخصیص نہیں تھی، نہ یہ کہ انھیں اپنے پاس بلا کر ہی ان کی ضرورت پوری کریں بلکہ جہاں کہیں بھی موقع ہوا سن لیا اور ضرورت پوری فرمادی یہ آپ کی غایت درجہ انکساری، نرمی اور تواضع کی علامت ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک عورت آئی اور الگ سے کچھ عرض کرنا چاہا، تو آپؐ نے فرمایا تم کسی رہ گذر پر ہی بیٹھ کر اپنا مدعا بیان کر دو میں سن لونگا اور تمہاری ضرورت پوری کر دوں گا، اور جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک راستہ پر آپ ساتھ ہوئے اور ضرورت کی تکمیل فرمادی، اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ رہ گذر پر بیٹھنا کسی ضرورت کے تحت جائز ہے البتہ کسی کو تکلیف پہونچانے یا گذرنے والوں کے لئے پریشانی کھڑی کرنے کی ممانعت آئی ہے

(۳) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْاَعْوَرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَكَانَ يَوْمَ بَنِیْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حِمَارٍ مَخْطُوْمٍ بِحَبْلٍ مِنْ لِيْفٍ عَلَيْهِ اِكَافٌ مِنْ لِيْفٍ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کی عیادت فرماتے، جنازے میں شریک ہوتے، گدھے پر سوار ہو جاتے، اور غلام کی دعوت قبول فرمالیتے (یا ضرورت پوری کرتے) اور بنو قریظہ کی لڑائی والے دن ایک گدھے پر سوار تھے جس کی لگام پتوں کی تھی اور جس پر زین بھی پتوں کی تھی۔

تحقیق

یعود: عیادۃ (ن) بیمار کی مزاج پرسی کرنا، عیادت کرنا۔

یجیب: اجابۃ قبول کرنا۔

مخطوم: لگام لگا ہوا، خطام بمعنی لگام۔

حبل: رسّی

اکاف: بکسر الہمزۃ، گھوڑے کی زین، یا اسی کے لحاظ سے دوسرے جانوروں کی کاٹھی گدھے میں زین نہیں ہوتی مگر اس پر جو گھوڑے کی زین کی طرح باندھا گیا وہ اکاف ہے۔

تشریح: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تواضع یہ بھی تھا کہ رسول خدا تھے اور سب

کے پیشوا اس کے باوجود بیماروں کی مزاج پرسی کے لیئے ان کے گھر تشریف لے جاتے، اسیطرح جنازوں میں بھی شرکت فرماتے، یا اگر غلام دعوت کرے تو اس میں بھی کوئی پس وپیش نہیں کرتے، غلام وہ جو ماذون ہو یعنی مالک کی طرف سے اختیارات کا مالک ہو۔

اسی طرح گدھے کی سواری جو کمتر درجے کی ہوتی تھی آپؐ اس میں بھی سوار ہوئے، اور عربوں میں جو گدھے ہوتے تھے وہ ہمارے یہاں کے گدھوں سے بڑے ہوتے، ان پر باسانی سواری کی جاتی تھی مگر بہر حال وہ کمتر سواری تھی، آپؐ نے اس میں بھی عیب محسوس نہیں فرمایا اور گدھے پر سوار ہوئے ہیں جیسا کہ بنو قریظہ کی لڑائی والے دن، اور باضابطہ اس کا لگام نہیں تھا بلکہ کھجور کے پتوں کا تھا اور اس پر زین کی جگہ بنائی کاٹھی بھی پتوں ہی کی تھی

(۴) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى الْكُوْفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعٰى اِلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ وَالْاِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيْبُ وَلَقَدْ كَانَتْ لَهٗ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتّٰى مَاتَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جَو کی روٹی اور پرانی باسی چکنائی کی دعوت دی جاتی تو آپ قبول فرمالیتے اور آپؐ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ اسے چھڑاتے، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

تحقیق

خبز الشعیر:۔ جو کی روٹی

الاھالۃ، چکنائی والی کوئی چیز، پگھلائی ہوئی چربی یا ایسی ہی کوئی چیز۔

السنخۃ:۔ باسی، پرانی جس کی صورت اور مزہ بگڑ چکا ہو۔

فما وجد:۔ ای لم یجد شیئاً یعطیہ

یفکھا:۔ فک (ن) چھڑانا، الگ کرنا، آزاد کرانا۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع کی ایک اور مثال ہے کہ جو کی روٹی کی دعوت ہوتی تو قبول فرما لیتے یا کوئی چکنائی والی چیز کی دعوت کرتا خواہ وہ باسی ہو قبول فرما لیتے، کسی میں تکلف نہیں فرماتے تھے۔ اور خود اپنے پاس بھی کبھی آسائش کی چیز نہیں رکھی، حتی کہ آپ کی زرہ جو ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی اخیر عمر تک اس کو چھڑانے کے قابل نہ ہو سکے، ضرورت سے زائد کوئی چیز بچی ہی نہیں جس کے بدلے زرہ لے آتے، بلکہ ضرورت کے بقدر بھی سامان اخیر عمر تک بہم نہ پہونچ سکا۔

(۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ صَبِيْحٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبَانَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَعَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ لَاتُسَاوِيْ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَارِيَاءَ فِيْهِ وَلَاسُمْعَةَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کے ایسے پرانے پالان پر حج فرمایا جس پر کپڑا پڑا ہوا تھا جو چار درہم کے برابر بھی نہیں تھا اور فرمایا کہ اے اللہ اس کو ایسا حج بنا دے جس میں ریاء ہو نہ شہرت۔

تحقیق رَحْل: سواری، اونٹ کا پالان۔
رَثٍّ: بفتح الراء تشدید المثلثۃ، پھٹا پرانا، پراگندہ
قطیفۃ:۔ کپڑا جس کے دونوں طرف دھاگے کھلے ہوئے ہوں پھندنے کی طرح۔
سُمْعَۃ:۔ شہرت، ایسا کام جس کو لوگ سن لیں اور جس کا کرنے والا مشہور ہو جائے
رِیَاء: ریاکاری، دکھاوا، غلط مقصد سے کیا گیا لوگوں کو دکھانے والا کام

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے پالان پر سفر جس پر پرانا کپڑا پڑا ہوا تھا تواضع کی ہی علامت ہے اس پر یہ دعا بھی کہ خدا اس کو ریا و شہرت سے پاک حج قرار دیدے، مزید تواضع ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ریاء و شہرت

کا کیا دخل! یہ امت کے لئے تعلیم بھی ہے۔

(٦) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب صحابہ کرام کے نزدیک کوئی نہیں تھا اسکے باوجود جب وہ آپ کو آتے ہوئے دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں۔

تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہاں کے سردار تھے اور لوگوں پر صرف رعب ہی نہیں تھا بلکہ سب ہی آنحضور کو ہر ایک سے زیادہ چاہتے تھے، اس کے باوجود آپ نے تواضع کی وجہ سے لوگوں سے کہدیا تھا کہ میرے آنے پر تم لوگ اپنی جگہ سے کھڑے مت ہونا، کوئی کھڑا ہو جاتا تو آپ اس کو ناپسند فرماتے تھے، اسی وجہ سے صحابہ جو آپ کی عادتوں سے واقف تھے آپ کے آنے پر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی رفعت شان اور ہادی کون ومکان کی حیثیت کے باوجود لوگ تعظیماً کھڑے نہیں ہوتے تھے، یہ آپؐ ہی کی ہدایت پر تھا، ورنہ ان باتوں کا تقاضہ یہی ہے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو سب اپنی جگہ پر کھڑے ہوجائیں جو ظاہری طور پر تعظیم وتکریم کا تقاضہ بھی ہے مگر آنحضورؐ نے امت پر شفقت کرتے ہوئے فرمادیا تھا کہ کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔

موجودہ زمانے میں بعض طبقوں کا جلسے جلوس میں اخیر میں کھڑے ہوجانا اور کہنا کہ یہ آنحضورؐ کی تعظیم کے لئے ہے اس حدیث سے اس کی مکمل تردید ہوجاتی ہے، اور مروجہ قیام یوں بھی بہت سے غلط عقیدوں پر مبنی ہے اسلئے وہ ناجائز ہوگا۔

یہ امت کے لئے ایک تنبیہ بھی ہے کہ کسی بڑے شخص کو یہ وطیرہ نہ بنا لینا چاہئے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوا کریں۔

البتہ نفس قیام میں کوئی مضائقہ نہیں جب اہل علم و فضل یا اہل شرف و کمال کوئی آئے تو اس کے لئے اس کی عزت افزائی میں کھڑا ہونا مستحب ہے، کما یقولہ القاضی عیاض، عادت بنا لینا یا ایسا قیام جس سے آنے والا فتنہ میں پڑے یا نفاق کے لئے کھڑا ہوا جائے تو یہ ناجائز ہے۔

(۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَمِيمٍ مِنْ وَلَدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ يُكْنَى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ اَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَاَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ اَبِيْ هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَشْتَهِيْ اَنْ يَّصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ الْحَسَنُ فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ قَدْ سَبَقَنِيْ اِلَيْهِ فَسَاَلَهٗ عَمَّا سَاَلْتُهٗ عَنْهُ وَوَجَدْتُهٗ قَدْ سَاَلَ اَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهٖ وَعَنْ مَخْرَجِهٖ وَشَكْلِهٖ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَاَلْتُ اَبِيْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى مَنْزِلِهٖ جَزَّاَ دُخُوْلَهٗ ثَلَاثَةَ اَجْزَاءٍ: جُزْءًا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَجُزْءًا لِاَهْلِهٖ وَجُزْءًا لِنَفْسِهٖ ثُمَّ جَزَّاَ جُزْئَهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ ، فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا ، وَكَانَ مِنْ سِيْرَتِهٖ فِيْ جُزْءِ الْاُمَّةِ اِيْثَارُ اَهْلِ الْفَضْلِ بِاِذْنِهٖ وَقَسْمُهٗ عَلٰى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّيْنِ ، فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيَشْغَلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْاُمَّةَ مِنْ مَسْئَلَتِهِمْ عَنْهُ وَاِخْبَارِهِمْ بِالَّذِيْ

يَنْبَغِي لَهُمْ وَيَقُولُ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ وَأَبْلِغُونِي حَاجَةَ
مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا، فَإِنَّهُ مَنْ أَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ
إِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُذْكَرُ عِنْدَهُ إِلَّا ذٰلِكَ
وَلَا يَقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ غَيْرَهُ يَدْخُلُونَ رُوَّادًا وَلَا يَفْتَرِقُونَ إِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ
وَيَخْرُجُونَ أَدِلَّةً عَلَى الْخَيْرِ، قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهِ كَيْفَ
كَانَ يَصْنَعُ فِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزُنُ
لِسَانَهُ إِلَّا فِيمَا يَعْنِيهِ وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ وَيُكْرِمُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ
وَيُوَلِّيهِ عَلَيْهِمْ وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِيَ عَلَى
أَحَدٍ مِنْهُ بِشْرَهُ وَلَا خُلُقَهُ، وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا
فِي النَّاسِ وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّيهِ
مُعْتَدِلَ الْأَمْرِ غَيْرَ مُخْتَلِفٍ وَلَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوا أَوْ يَمِيلُوا
لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عَتَادٌ، لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ الَّذِينَ
يَلُونَهُ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ أَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ أَعَمُّهُمْ نَصِيحَةً وَأَعْظَمُهُمْ
عِنْدَهُ مَنْزِلَةً أَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَمُوَازَرَةً، قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَجْلِسِهِ
فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُومُ وَلَا يَجْلِسُ إِلَّا عَلَى
ذِكْرٍ وَإِذَا انْتَهَى إِلَى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَأْمُرُ بِذٰلِكَ
يُعْطِي كُلَّ جُلَسَائِهِ بِنَصِيبِهِ لَا يَحْسَبُ جَلِيسُهُ أَنَّ أَحَدًا أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ
مَنْ جَالَسَهُ أَوْ فَاوَضَهُ فِي حَاجَةٍ صَابَرَهُ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ وَمَنْ
سَأَلَهُ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهُ إِلَّا بِهَا أَوْ بِمَيْسُورٍ مِنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ
بَسْطُهُ وَخُلُقُهُ فَصَارَ لَهُمْ أَبًا وَصَارُوا عِنْدَهُ فِي الْحَقِّ سَوَاءً، مَجْلِسُهُ
مَجْلِسُ عِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَصَبْرٍ وَأَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيهِ الْأَصْوَاتُ وَلَا تُؤْبَنُ فِيهِ
الْحُرَمُ وَلَا تُنْثَى فَلَتَاتُهُ مُتَعَادِلِينَ يَتَفَاضَلُونَ فِيهِ بِالتَّقْوَى مُتَوَاضِعِينَ
يُوَقِّرُونَ فِيهِ الْكَبِيرَ وَيَرْحَمُونَ فِيهِ الصَّغِيرَ وَيُؤْثِرُونَ ذَا الْحَاجَةِ
وَيَحْفَظُونَ الْغَرِيبَ.

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے دریافت کیا درانحالیکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے اور میں چاہتا تھا کہ وہ میرے لئے بھی آنحضور کے کچھ اوصاف بیان کریں تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں بلند تر اور صفات میں بلند پایہ تھے، ان کا چہرۂ انور ایسے چمکتا تھا جیسے چودہویں کا چاند (راوی نے حدیث مکمل ذکر کی) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وصف حسین رضؓ سے بہت دنوں تک چھپائے رکھا پھر جب میں نے ان سے بیان کیا تو معلوم ہوا کہ ان کو تو حضورؐ کا یہ حلیہ مجھ سے پہلے ہی سے معلوم ہے، انھوں نے ماموں جان سے پہلے ہی دریافت کر رکھا ہے اور معلوم ہوا کہ انھوں نے والد صاحب (حضرت علی) سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے، باہر نکلنے اور ان کے طور وطریق بھی معلوم کر لیا ہے اور کوئی چیز نہیں چھوڑی (سب معلوم کر چکے ہیں) چنانچہ حسین نے بتایا کہ میں نے والدِ محترم سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ آپ نے گھر کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے اور ایک حصہ اہل وعیال کیلئے اور ایک حصہ اپنے لئے، پھر جو اپنا حصہ ہے اس کو بھی اپنے آرام اور لوگوں کے درمیان گذارنے میں بانٹ رکھا ہے۔

وہ اس طرح کہ آپؐ خواص صحابہ کے ذریعہ عوام تک ہدایات پہونچا دیتے اور ان سے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے، امت کے اس حصے میں آپؐ کی عادت تھی اہل کمال کو ترجیح دینے کی کہ ان کو اجازت دیا کرتے تھے اور ان پر ان کے دین میں کمال وفضل کے حساب سے تقسیم فرماتے، چنانچہ ان میں کوئی ایک ضرورت والا ہوتا تو کوئی دو ضرورتوں والا اور کوئی زیادہ ضرورتوں والا تو آپؐ ان کی ضرورتیں پوری فرماتے اور ان کو ایسے کاموں میں لگا دیتے جن میں ان کا مفاد اور امت کا فائدہ ہوتا یعنی وہ ان معاملات کے بارے میں

سوالات کرتے تو ان کو وہ باتیں بتادی جاتیں جو ان کے لئے مناسب ہوتیں، پھر یہ فرمادیتے کہ جو حاضر ہیں وہ دوسرے لوگوں تک یہ باتیں پہونچادیں، اور مجھے ان لوگوں کی ضرورتیں بھی بتادیا کرو جو اپنی بات نہیں پہونچا سکتے، اس لئے کہ جس کسی نے بادشاہ تک کسی ایسے آدمی کی بات پہونچادی جو خود نہیں بتا سکتا تو خدا اس پہونچانے والے کو قیامت کے دن ثابت قدم رکھے گا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کے علاوہ کوئی بات ذکر نہ کی جاتی اور صحابہ سے ان ضروری باتوں کے علاوہ کچھ سننا قبول نہیں فرماتے۔ وہاں لوگ ضرورتمند اور طالب بن کر آتے اور وہاں سے بلا کچھ چکھے (حاصل کئے) نہیں جاتے تھے، اور صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے خیر کیلئے رہنما بن کر نکلتے تھے۔

حضرت حسین نے کہا پھر میں نے والد سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باہر کی مصروفیات کے بارے میں پوچھا کہ آپ گھر سے باہر کیا کرتے تھے تو حضرت علی نے جواب دیا کہ ضروری باتوں کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان محفوظ رکھتے تھے، لوگوں کی دل جوئی فرماتے، ان کو متوحش نہیں کرتے تھے ہر قوم کے معزز فرد کی عزت فرماتے اور ان کو قوم کا سردار بنادیتے، لوگوں کو تنبیہ فرماتے اور خود ان کو نقصان پہونچانے سے احتراز فرماتے مگر ایسا نہیں کہ ان کے ساتھ خندہ پیشانی اور حسن سلوک سے کتراتے ہوں، اپنے اصحاب (غیر موجودین) کے بارے میں تفتیش فرماتے، اور لوگوں سے ان کے حالات و خبریں معلوم کرتے، اچھی بات کی تحسین فرماتے اور اس کو تقویت دیتے، بری بات کی برائی کرتے اور اسے زائل فرماتے، ہر معاملہ میں معتدل رہتے، بات بدلتے نہیں رہتے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے غفلت نہیں فرماتے اس اندیشہ سے کہ وہ لوگ کبھی خود غافل ہوجائیں یا اکتا جائیں، آپ کے یہاں ہر کام کا انتظام رہتا (منتظم مزاج تھے) نہ کبھی آپ حق بات کہنے میں کوتاہی فرماتے اور نہ ہی حد سے تجاوز کرتے، جو لوگ آپ کے پاس آتے وہ بہترین

افراد ہوتے، آپ کے نزدیک افضل وہ ہوتا جس کی خیر خواہی عام ہو اور آپ کے نزدیک عظیم المرتبت وہ ہوتا جو لوگوں میں غم خواری اور ہمدردی اچھی طرح کرتا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پھر اپنے والد سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کی نشست و برخاست اللہ کے ذکر پر ہوتی، اور جب کچھ لوگوں کے پاس جاتے تو جہاں مجلس میں جگہ ہوتی وہیں بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم بھی دیا کرتے تھے (کہ جہاں جگہ خالی ہو وہیں بیٹھ جانا چاہیے) آپ حاضرین مجلس کو ان کا حق دیتے (گفتگو اور بشاشت کا) اس طرح کہ کوئی بھی یہ گمان نہ کرپاتا کہ آنحضور کے نزدیک دوسرا کوئی زیادہ باعزت ہے (ہر ایک خود کو آپ کی توجہ کا مرکز سمجھتا) جو بھی آپ کے پاس بیٹھتا یا آپ سے اپنی ضرورت کے بارے میں بات کرتا تو آپ جم کر اس کے لئے بیٹھ جاتے یہاں تک کہ وہ خود ہی لوٹ جاتے اور جو کوئی آپ سے ضرورت کی تکمیل چاہتا تو آپ اسے پورا کئے بغیر نہ لوٹاتے یا کم از کم نرمی سے جواب دیتے، آپ کی خوش دلی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی، چنانچہ آپ ان کے باپ کے درجے میں تھے، اور آپ کے یہاں حق کے معاملے میں سب برابر تھے، آپ کی مجلس علم و حیا اور صبر و امانت کی مجلس تھی اس میں شور نہیں بلند ہوتا تھا اور نہ ہی کسی کی عزت اچھالی جاتی تھی اور نہ ہی کسی کی لغزش عام کی جاتی تھی، سب برابر ہوتے، البتہ آپ کے نزدیک تقویٰ کی بنیاد پر فضیلت دی جاتی تھی، سب متواضع تھے، مجلس میں لوگ بڑوں کی عزت کرتے اور چھوٹوں پر شفقت کرتے، ضرورتمندوں کو ترجیح دیتے تھے، اور مسافر (اجنبی) کی خبر گیری کرتے تھے۔

تحقیق | مَدخلہ: مصدر میمی بمعنی دخول، یعنی جب گھر میں داخل ہوں تو وہاں آپ کی مصروفیات اور طریقۂ کار۔

مَخرجہ: باہر یعنی جب آنحضور گھر سے باہر ہوں تو کب باہر رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں

شکلہ: بکسر الشین صورت اور علامت اور بفتح اولہ مجلس میں آپ کا طرز
آدی: بفتح الہمزۃ، داخل ہونا، لوٹ کر آنا۔
جزّا: تقسیم کرنا، بانٹنا، حصے کرنا۔
یَرُدّ: لوٹانا، دیدینا۔(ن)
بالخاصّۃ، مخصوص افراد کے ذریعہ
علی العامۃ: اس جملہ کا تین مطلب بیان کیا گیا ہے (۱) خاص لوگ آپ کے پاس آتے اس وقت عام آدمی نہیں آتے تھے، یہ مخصوص لوگ مستفید ہوتے اور عوام کو بتا دیتے جو کچھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوتا (۲) باء بمعنی مِن سے عام افراد کو ان مخصوص لوگوں کے حصے میں سے وقت دیدیتے (۳) عوام کو ان ہی خواص کے ذریعہ مخاطب کرتے جو عوام تک بات پہونچ جاتی۔
یَدّخِر:۔ ادّخار بچانا، محفوظ رکھنا، جمع رکھنا۔
ایثار:۔ باب افعال، ترجیح دینا۔
قَسَمہ، بالفتح تقسیم کرنا۔
یتشاغل: اپنے آپ کو مشغول رکھتے تھے۔
یُشغِل:۔ اشغال، مشغول کرنا، ذمہ داری سپرد کرکے کام پر لگا دینا
یُصلحھم: جو اُن کی بھلائی کرتا، ان کی بہتری کا ضامن ہونا۔
مسألۃ: مصدر میمی، بمعنی سوال۔
الغائب: غیر حاضر، جو موجود نہ ہو
ابلاغ: پہونچانا، خبر دینا، بتانا
ثبّت: تثبیت جمانا، ثابت قدم رکھنا
روّاداء: واحد رائد بمعنی طالب، ضرورت مند
یفترقون:۔ افتراق جدا ہونا، الگ ہونا، منتشر ہونا۔
ذواق:۔ بفتح اولہ بمعنی مذدق کھانے پینے کی چیز، یا علم وادب مراد ہے۔

اَدِلّة : دلیل کی جمع ، رہنما ، ہدایت دینے والا۔
یَخزن: بضم الزاء وکسرہا جمع کرنا، محفوظ کرنا
یؤلّفھم: الفۃ سے ماخوذ، تالیف مراد تالیف القلوب دلجوئی کرنا۔
یُنفرھم : تنفیر دور بھگانا ،نفرت پیدا کرنا۔
یُولّیہ، تولیۃ۔ ذمہ داری سپرد کرنا، سردار بنانا، والی اور حاکم بنانا
یحترس ، احتراس محفوظ کرنا مراد اپنے آپ کو دوسروں کی تکلیف دہی سے محفوظ رکھنا۔
یَطوِی ۔ بکسر الواو، روکنا۔
بشرہ ، خندہ پیشانی ،خوش خلقی۔
یتفقّد:۔ باب تفعل ،تلاش کرنا معلوم کرنا۔
یقویہ: تقویۃ مضبوط کرنا، ثابت کرنا، درست ٹھہرانا۔
یُقَبِّح : تقبیح برا بتانا ، برا قرار دینا
یوھیہ ، باب تفعیل اور افعال سے کمزور کرنا، ختم کرنے کی صورت اختیار کرنا
غیر مختلف : بدلنے والے نہیں تھے، یعنی کبھی کچھ کہدیا اور کبھی کچھ، بلکہ سب اعتدال کے ساتھ ہوتا۔
لایَغفُل: غفلۃ (ن) غافل ہونا، یعنی آپؐ ان کے معاملات سے اور ان کو نصیحت کرنے سے غافل نہیں ہوتے تھے۔
مَخافَۃ: اس ڈر سے ، اندیشے سے
یَمُلّوا: ملالۃ (ن) اکتانا ، عاجز آنا مَلَل ، اکتاہٹ ، بوریت۔
عَتاد: بفتح العین، تیاری ، انتظام
لایُقصّر: کوتاہی نہیں کرتے ، عاجز نہیں رہتے۔
یجاوزہ : تجاوز بڑھنا ،حد سے گذرنا۔
یَلُونہ، : مشتق من الولی قریب ہونا۔

نصیحۃ :- ای للمسلمین نصیحت کیئے جانے والے کی بھلائی کا ارادہ کرکے بتانا، خیر خواہی

مُواسَاۃ : باب مفاعلت، ہمدردی کرنا، غم خواری کرنا۔

مُوازَرۃ : تعاون کرنا۔

مَجلِسَہٗ: یعنی بیٹھنے کے وقت کے حالات کے بارے میں دریافت کیا

انتھیٰ الی : پہونچنا۔

جُلسائہ: واحد جلیس ہم نشین، ساتھ بیٹھنے والا

لایحسِب : حسبانا ۔ خیال کرنا، گمان کرنا، سمجھنا۔

فاوضہ : مفاوضۃ بات چیت، گفتگو کرنا، کسی سے رجوع کرنا

صَابَرَہٗ : زیادہ صبر کرنا، مطلب ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کی بات سننے میں اس سے زیادہ صبر کا مظاہرہ فرماتے یہانتک کہ وہ خود ہی بات ختم کردیتا یا اٹھ جاتا

بمَیْسُوْرٍ: آسانی سے، اچھی طرح، نرم گفتاری کے ذریعہ۔

بَسْطُہٗ: سخاوت، کرم، انبساط۔

لاتُرفع: بلند نہیں کی جاتی، آواز زیادہ نہیں ہوتی، شور نہیں کیا جاتا۔

لاتُؤبن: ماخوذ من الابن ۔ عیب تہمت۔

الحُرَم: واحد حُرمۃ، عزت وآبرو۔

لاتُنثیٰ: انثاء پھیلانا، عام کرنا

فَلَتَاۃ : لغزش، عیب، واحد فلتۃ

یتفاضلون: ایک دوسرے پر ترجیح پاتے، افضل قرار دیئے جاتے

یُوَقِّرون: توقیر، عزت کرنا۔

یحفظون: یعنی رعایت کرتے، عزت کرتے، اجنبی کی حفاظت کا اہتمام کرتے، خیال رکھتے

تشریح یہ حدیث کتاب کے سب سے پہلے باب میں گذرچکی ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک تفصیل سے ذکر کیا گیا تھا۔

البتہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے احوال اور ان کی مصروفیات کے بارے میں جو دریافت کیا وہ اس حدیث میں ذکر کیا جارہا ہے، یہ احوال وکوائف اور مشغولیات حضرت علی بیان فرمارہے ہیں۔

اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہونے کے وقت اور گھر سے باہر کے وقت کی مصروفیات، اور مجلس میں آپ کے طور وطریق کا ذکر ہے۔

(۱) حینمایدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم البیت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے اندر کے معمولات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک تو عبادات کے لئے یعنی نماز وغیرہ پڑھنے کے لئے، دوسرے اہل وعیال کے لئے یعنی ان کے حقوق کی ادائیگی میں صرف کرنا، گھر کے افراد سے بات چیت ہنسنا بولنا، حالات وواقعات اور ضروریات معلوم کرنا۔

اور تیسرا حصہ خاص اپنے لئے تھا یعنی اس میں اپنی ضروریات کی تکمیل اور آرام کا حصہ تھا، اس حصے میں سے بھی آپ نے آدھا حصہ تقریبًا مخصوص صحابہ کی آمد اور ان کی ضروریات کے لئے چھوڑ رکھا تھا، یہ صحابہ آتے تو آپؐ ان کو مسئلے مسائل بتاتے اور مشکلات کا حل بھی پیش فرماتے، یہی خواص باہر جاکر عام صحابہ کو وہ باتیں بیان کردیتے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک جزء یہ تھا کہ آپ اہل علم ودانش اور معزز افراد کو خصوصی اجازت دیتے اور ان کو دوسروں پر بعض معاملات میں ترجیح بھی دیا کرتے تھے، اور جن کو جس قدر حاجت ہوتی اسی قدر تکمیل بھی فرماتے تھے، ان کے ساتھ باتیں کرتے اور ان کو امت کی بھلائی کی حد تک ضروری امور سپرد فرمادیتے تھے، اس حصہ میں جب مخصوص صحابہ آتے تو آپؐ ان سے سوال کرتے اور جواب بھی دیتے پھر فرماتے کہ جو یہاں موجود نہیں ہیں ان تک بھی ہدایتیں پہونچادی جائیں، ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ اگر کوئی شخص شرم سے یا جھجک سے اپنی ضرورت مجھ سے بیان نہ کرسکتا ہو ان سے معلومات کرکے مجھ تک پہونچادو اس طرح دوسروں کی ضروریات امیر وقت تک پہونچادینا باعث اجر ہے، خدا قیامت کے روز استحکام اور ثابت قدمی بخشے گا۔

اس حصے میں آنے والے حضرات بے ضرورت باتیں نہیں کرتے تھے اور نہ ہی آپ سنتے

تھے سب آپ کے پاس اس حال میں نکلتے کہ علم و ہدایت کا کچھ نہ کچھ حصہ لے کر جاتے اور آپ ان کی تواضع بھی فرماتے، کچھ کھانے پینے کو ہوتا تو آپؐ عنایت فرما دیتے۔

(۲) حینما یخرج من البیت:

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لاتے (اور مجلس نہیں ہوتی) تب بھی ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان محفوظ رکھتے یعنی فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں فرماتے، آنے والوں کی دلجوئی فرماتے، ایسی بات نہ کرتے جس سے ان کی دل شکنی ہو، یا ایسا رویہ بھی نہیں اپناتے جس سے ان لوگوں کے دلوں میں توحش پیدا ہو، کوئی قبیلے کا سردار یا معزز آدمی آتا تو آپ اس کی عزت افزائی ہی فرماتے، ان کی سرداری یا تولیت ختم نہیں کرتے تھے۔

لوگوں کو عذاب الٰہی اور نقصان دہ چیزوں سے ڈراتے اور احتیاط کرنے کو کہتے اور ظاہر ہے خود بھی آپ اسی پر عمل پیرا ہوتے، ہر ایک کے لئے خندہ پیشانی تھی، اپنے ساتھیوں کے حالات بھی معلوم کرتے اور ان کی ضروریات بھی دریافت فرماتے، کوئی اچھی بات ہوتی یا اچھا کام تو اس کی تعریف کرتے، بری بات کو خود بھی برا کہتے اور اس سے بچنے کی تاکید کرتے۔

اور آپ جملہ امور میں اعتدال ہی رکھتے، اپنے قول میں کوئی اختلاف نہیں فرماتے یعنی ایسا نہیں کہ کبھی ایک بات کہدی اور دوسرے موقعہ پر اس کے خلاف فرما دیا، پھر صحابہ کی اصلاح سے معمولی غفلت بھی نہیں برتتے تھے، حق بات ہر صورت میں بیان فرماتے، کوئی کمی یا بیشی نہ ہوتی، آپ سے قریب یا زیادہ بہتر وہ جانے جاتے جو لوگوں میں افضل ہوتا اور لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا رویہ رکھتا۔

(۳) حینما کان المجلس:

مجلس کی ابتداء اور انتہاء خدا کے ذکر سے ہوتی، آپ دوسروں کی مجلس میں جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم بھی دیتے کہ آگے بیٹھنے کے چکر میں پھلانگ کر جانے کی ضرورت نہیں، مجلس کے ہر ہم نشین کے ساتھ یکساں سلوک اور توجہ فرماتے اس طرح کہ ہر ایک کو گمان ہوتا کہ میں ہی حضور کی توجہ کا مرکز ہوں۔ ←

ہر شخص کو گماں ہے مخاطب ہمیں رہے

آپ ضرورتمند کی ضرورت پوری توجہ سے سنتے، درمیان میں کھڑے نہ ہوتے کہ مبادا ضرورتمند کا بیان ادھورا رہ جاتے، پھر آپ ضرورت کی تکمیل بھی حتی الامکان فرما دیتے، اگر ممکن نہ ہوتا تو شیریں سخنی سے اس کی دلداری فرماتے۔

آپ سب کے لئے باپ کے درجہ میں تھے اس لئے سب کے ساتھ ایک سا سلوک ہوتا اور مجلس میں علم وحیا اور صبر وامانت کا غلبہ ہی رہتا، کوئی شور شرابا والی مجلس نہ ہوتی نہ اس میں کسی کی برائی اور نہ غیبت نہ کسی کی عیب جوئی ہوتی، لوگوں کی لغزشوں کو شہرت نہیں دی جاتی، اہل مجلس اصحاب تقوی ہوتے اس تقوی کی بنیاد پر افضلیت ہو سکتی تھی حسب ونسب یا دولت پر نہیں، مجلس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آتے، اور اگر کوئی اجنبی ہوتا تو اس کے لئے سب کے دروازے کھلے ہوتے، اسکی دلداری ہر ایک کرنے کی کوشش کرتا۔

(۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدُ اللهِ بْنِ بَزِيْعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اُهْدِىَ اِلَىَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيْتُ عَلَيْهِ لَاَجَبْتُ ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کر لوں اور اس کی دعوت کی جائے تو اسے قبول کر لوں۔

تحقیق

اھدی :- مجہول کا صیغہ، ہدیہ کیا جائے، اھداء ہدیہ کرنا۔

کراع :- بضم الکاف پنڈلی کا حصہ، جانور کا پایہ۔

لاجبت :- اجابۃ قبول کرنا۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم معمولی سی چیز کا ہدیہ قبول کرنا بھی گوارہ فرماتے ہیں

اور بہت ہی معمولی چیز کی دعوت ہو تو تشریف لے جاتے ہیں، اسی کو فرماتے ہیں اگر بکری کے پاؤں کا نچلا حصہ بھی ہدیہ دے تو لے لوں اور کوئی اس کی دعوت کرے تو قبول کروں، گویا آنحضور ﷺ ہدیہ کرنے والے اور دعوت کرنے والے کی دلداری چاہتے ہیں، کھانے یا قبول کرنے کی رغبت مقصود نہیں۔

(۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَلَا بِرْذَوْنٍ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے مگر نہ تو خچر پر سوار ہو کر اور نہ عجمی گھوڑے پر۔

تشریح برذون:- عجمی گھوڑے کو یا ترکی النسل گھوڑے کو کہتے ہیں۔
حضرت جابرؓ بیمار ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو تشریف لے گئے حضرت جابر کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پیدل تشریف لائے تھے، یا یہ مطلب ہوگا کہ آئے تو سہی مگر نہ تو کوئی عمدہ ترین سواری یعنی گھوڑا تھا اور نہ ہی خچر، بلکہ اس سے بھی کمتر سواری پر تشریف لائے جو آپ کی متواضعانہ عادت کی ایک مثال ہے۔

(۱۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِى الْهَيْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ سَمِعْتُ يُوْسُفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ سَمَّانِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْسُفَ وَ اَقْعَدَنِىْ فِىْ حَجْرِهٖ وَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِىْ ۔

یوسف بن عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی میرا نام یوسف رکھا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مرد وزن یا بچوں اور

بڑوں کی تخصیص نہیں تھی، ہر ایک کے ساتھ عزت و شفقت کا معاملہ فرماتے، اور اپنی رفعت شان کے باوجود کمال تواضع اختیار فرماتے، بچوں کو گود میں بٹھایا ہے اور دست شفقت بھی پھیرا ہے۔

(۱۱) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ الْحَفَرِيُّ... حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ اَنْبَأَنَا الرَّبِيْعُ وَهُوَ ابْنُ صَبِيْحٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَقَطِيْفَةٍ كُنَّا نَرٰى ثَمَنَهَا اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ قَالَ لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ لَا سُمْعَةَ فِيْهَا وَلَا رِيَاءَ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے کپڑے کے کجاوے پر حج کیا جس کی قیمت ہم چار درہم جانتے تھے، جب سواری آپ کو لے چلی تو آپ نے یہ دعا فرمائی کہ خدایا اس حج کو قبول فرما جس میں نہ ریاء ہے نہ شہرت۔ (اسی مفہوم کی حدیث اس باب میں گذر چکی ہے۔)

(۱۲) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ وَعَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ لَهٗ ثَرِيْدًا عَلَيْهِ دُبَّاءٌ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ الدُّبَّاءَ وَكَانَ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ قَالَ ثَابِتٌ فَسَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ فَمَا صُنِعَ لِيْ طَعَامٌ اَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُصْنَعَ فِيْهِ دُبَّاءٌ اِلَّا صُنِعَ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کھانے میں آپ کے سامنے ثرید پیش کیا، اس پر کدو پڑا ہوا تھا، تو آپ کدو نوش فرماتے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مرغوب بھی تھا

راوی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا میرے لئے جب بھی کھانا بنایا گیا جس میں کدو ڈلوا سکتا تھا تو کدو ڈلوایا ہے۔

تشریح دعوت میں ثرید رکھا گیا، ثرید کہتے ہیں اس کھانے کو جس میں شوربا ہو اور اس میں روٹی ڈال دی جائے، یہاں یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ثرید تھا اور کدو کا سالن بھی، یا یہ کہ جو ثرید پیش کیا گیا وہ کدو کا شوربا اور روٹی پر مشتمل تھا۔

(۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ قَالَتْ قِيْلَ لِعَائِشَةَ مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهِ قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَيَحْلِبُ شَاتَهٗ وَيَخْدِمُ نَفْسَهٗ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ بھی ایک انسان تھے وہ اپنے کپڑوں میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے اور اپنی بکری کا دودھ خود ہی نکالتے اور اپنا کام خود ہی کرتے۔

تحقیق
يَفْلِيْ: (ض) جوں نکالنا، تلاش کرنا۔
يحلب: (ض) دودھ نکالنا۔

تشریح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان تھے اور عام آدمیوں کی طرح ہی گھر کے کام خود کر لیا کرتے تھے، جو کام روزمرہ کے معمول کے تحت ہوں جیسے جوں نکالنا، بکری دوہنا یا جوتے میں پیوند لگانا وغیرہ — اپنے کپڑوں سے جوں نکالنے کا یہ مطلب قطعی نہیں کہ خدانخواستہ آپ کے سر یا کپڑے میں جوں تھے، نفاست، طہارت اور پاکیزگی کا مجسمہ تھے آپ، اور جوں تو میل اور گندگی کی علامت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو احتیاطاً دیکھتے تھے یا لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے کرتے تھے تاکہ لوگ خود اپنے معمولی کاموں کا اہتمام خود ہی کر لیا کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی خُلُق رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و اخلاق کے بیان میں

اس باب کے تحت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور سلوک کا تذکرہ ہے، اس کتاب کے شروع میں خَلق بفتح الخاء حلیہ مبارک کا ذکر تھا، اب خُلق بضم الخاء اخلاق کے سلسلہ میں روایتیں پیش کی جارہی ہیں۔

خَلق انسان کی ظاہری صورت ہوتی ہے اور خُلق باطنی سیرت۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا تھا کان خلقہ القرآن۔ اور باری تعالیٰ نے قرآن میں آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے وانك لعلیٰ خلق عظیم، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور عادات شریفہ کے سلسلہ میں بہت سی احادیث ہیں بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ احادیث کا بڑا حصہ اخلاق حسنہ کے بیان پر ہی مشتمل ہے، ان کا احاطہ بھی دشوار ہے مگر یہاں مصنف نے نمونے کے طور پر پندرہ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدُّوْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِیْ اَبُوْعُثْمَانَ الْوَلِيْدُ بْنُ اَبِی الْوَلِيْدِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَارِجَةَ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰی زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذَا اُحَدِّثُكُمْ كُنْتُ جَارَهٗ فَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بَعَثَ اِلَیَّ فَكَتَبْتُهٗ لَهٗ فَكُنَّا اِذَا ذَكَرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَكَرْنَا

الاٰخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَكَرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهُ مَعَنَا فَكُلُّ هٰذَا اُحَدِّثُكُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

حضرت خارجہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں بتایئے، انھوں نے کہا میں کیا کیا چیزیں ذکر کروں میں تو ان کا پڑوسی تھا جب کبھی آنحضور پر وحی نازل ہوتی تو میرے پاس آدمی بھیجدیتے میں جا کر وحی لکھ لیتا، ہم لوگ اگر دنیاوی باتیں کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ ویسی ہی باتیں کرتے اور ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی اس کا ہی ذکر فرماتے اور کھانے پینے کی چیز کا تذکرہ کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ ویسا ہی تذکرہ فرماتے، یہ سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہی بیان کر رہا ہوں ۔

تحقیق
نفر : جماعت، تین سے لیکر دس افراد تک کے لئے یہ لفظ آتا ہے۔
حدِّثنا : ہم سے حالات بیان کریں ۔
ماذا اُحَدِّثکم : کیا چیز بتاؤں، کس کس چیز کا تذکرہ کروں ۔
بعث الیّ : میرے پاس آدمی بھیجدیتے اور بلوا لیتے، میں حاضر ہو جاتا ۔

تشریح
کچھ لوگ کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وعادات معلوم کرنے پہونچے تو انھوں نے کہا کہ ان کے حالات کا احاطہ ممکن نہیں میں کیا چیز بیان کروں، بس چند چیزوں کا تذکرہ کر دوں یہ بھی آپ کے اوصاف کا ذکر ہے۔

مختصر یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری دلجوئی بھی فرماتے تھے اور نہایت بے تکلفی سے ہماری گفتگو میں شریک ہوتے خواہ وہ دنیاوی باتیں ہوں یا آخرت کا ذکر ہو آپ بھی ویسا ہی بیان فرماتے اور ان چیزوں کے فوائد خصوصیات اور مسائل بھی ذکر فرما دیتے ۔

(۲) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ اَبِيْ زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ

وَحَدِیْثِہٖ عَلَیٰ اَشَرِّ الْقَوْمِ یَتَأَلَّفُہُمْ بِذٰلِکَ فَکَانَ یُقْبِلُ بِوَجْہِہٖ وَحَدِیْثِہٖ عَلَیَّ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنِّیْ خَیْرُ الْقَوْمِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَوْ اَبُوْبَکْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُمَرُ فَقَالَ عُمَرُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُثْمَانُ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَمَّا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَدَقَنِیْ فَلَوَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اَکُنْ سَاَلْتُہٗ ۔

حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے بدتر افراد کی جانب بھی اپنی توجہ اور گفتگو مبذول فرماتے تھے۔ اس سے ان کی دل جوئی ہوتی تھی چنانچہ وہ میری طرف بھی اپنی توجہ اور بات رکھتے تو میں یہ خیال کرنے لگتا کہ میں قوم میں سب سے بہتر ہوں (اس گمان میں) ایک دن پوچھ لیا یا رسول اللہ میں بہتر ہوں یا ابوبکر، تو آپ نے فرمایا ابوبکر، پھر میں نے کہا میں افضل ہوں یا عمر تو جواب دیا کہ عمر، پھر میں نے دریافت کیا کہ آیا میں افضل ہوں یا عثمان؟ جواب دیا کہ عثمان، پھر جب میں نے اور پوچھا تو آپ نے صحیح جواب ہی دیا (مجھے افضل نہیں ٹھہرایا) میں سوچنے لگا کہ کاش ان سے نہ ہی پوچھا ہوتا۔

تشریح راوی کہتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں لوگوں سے مخاطب ہوتے تو سب کے ساتھ یکساں توجہ کا سلوک فرماتے، سب کو گمان ہوتا کہ میں ہی زیادہ توجہ کا مرکز رہا ہوں ؎

ہر شخص کو گماں ہے مخاطب ہمیں رہے۔

اس میں بڑے چھوٹے اچھے اور برے کی تخصیص نہیں ہوتی، جو لوگ قوم میں برے سمجھے جاتے تھے ان کے ساتھ بھی توجہ اور بات چیت میں یہی انداز رہتا، برے لوگوں کے ساتھ تو خاص طور سے اس لئے کہ ان کی تالیف قلب اور دلداری کرتے تھے، اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف بھی خصوصی توجہ فرماتے تھے جس سے یہ گمان ہونے لگا کہ میں لوگوں سے افضل ہوں

یہاں تک کہ ہم میں سے بہتر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک افضل مانے جانے والے لوگوں سے بھی شاید بہتر ہوں، اسی بنیاد پر میں نے ایک دن سوال کر لیا کہ میں بہتر ہوں یا ابوبکر، عمر اور عثمان، آپؐ نے ان سب کو مجھ پر فوقیت دی اور کھری بات کہدی رعایت یا مدارات میں مجھے افضل قرار نہیں دیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے درمیان بھی ان تینوں جلیل القدر صحابہ میں ایک ذہنی ترتیب تھی، اول ابوبکر، دوم عمر اور سوم عثمان غنی رضی اللہ عنہم، اسی لئے ترتیب وار سوال کیا تھا، پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر اور اخیر میں حضرت عثمان راوی نے اخیر میں بتایا کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو افضل قرار دیا اور میں آپ کی خصوصی توجہ سے خوش فہمی میں مبتلا ہو کر سوال کر بیٹھا تب بعد میں احساس ہوا اور ندامت ہوئی، سوچا کہ یہ میرا پوچھنا ہی غلط تھا، کاش کہ میں یہ سوال نہ کرتا۔

(۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا وَلَا حَرِيرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دس سال تک کی ہے، اس دوران آپ نے کبھی اف بھی نہیں کہا، حتی کہ میں نے کوئی کام کیا تو یہ بھی نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا، یا کوئی کام چھوڑ دیا تو یہ بھی نہیں فرمایا کہ کیوں چھوڑ دیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق مند تھے، میں نے کوئی ریشمی کپڑا یا ریشم اور نہ کوئی چیز چھوئی جو

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے نرم و ملائم ہو، اور نہ کوئی خوشبو اور عطر سونگھی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے سے زیادہ خوشبودار ہو۔

تحقیق | عشر سنین: دس سال، ایک روایت میں ۹ سال آیا ہے، تطبیق یہ ہے کہ دس کے قریب سال گذارے ہیں خدمت میں، اپنے پہلے سال کا شمار نہیں کیا اور مکمل ۹ سال کہدیا اور جہاں دس سال کہا وہ کسر کو شامل کر دیا اور پورے دس سال بتایا

اُفٍّ: اس میں مختلف قرأتیں ہیں، یہ دراصل اسم فعل ہے بمعنی اتکرہ۔

مسست: مَسٌّ (ن)، چھونا

خزا: بفتح الخاء، ریشم کا کپڑا، جو ریشم اور دوسری چیزوں سے مل کر تیار ہو اسکو بھی کہا جاتا ہے

حریرا: خالص ریشم۔

شَمَمۡ: (ن) سونگھنا، باب سمع سے بھی آتا ہے، معنی ایک ہی ہے۔

عِطرا: بکسر العین، خوشبو، عطر۔

تشریح | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی، تواضع اور اخلاق کی بلندی کی انتہا یہ ہے کہ آپؐ نے ایک ایسے خادم کو، جو دس سال تک آپ کی خدمت کرتا رہا، کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی، کبھی اس کے کام پر نکیر نہیں کی، افسوس کا اظہار نہیں کیا، یہ تک نہیں کہا کہ ایسا کیوں کیا؟ یا فلاں کام کیوں چھوڑدیا۔

راوی حضرت انس مشہور خادم نبی ہیں، کہتے ہیں کہ آپؐ سب سے زیادہ اچھے اخلاق اور حسنِ سلوک والے تھے پھر آگے کچھ دیگر جسمانی خوبیاں بھی بتائی کہ آپؐ کی ہتھیلی ریشم سے زیادہ ملائم اور نرم تھی آپ کا پسینہ ہی اتنا معطر اور خوشبودار تھا کہ مشک و عنبر ہیچ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ خوشبودار تھا جو خدا کی ایک نوازش آپ کے ساتھ مخصوص تھی اور کسی بھی خوشبو والی چیز سے زیادہ خوشبودار رہا ہے، یہاں تک کہ بعض عورتوں نے بطور عطر بھی اس کا استعمال کیا ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَاَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ هُوَ الضَّبِّيُّ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَلْمٍ الْعَلَوِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ عِنْدَہٗ رَجُلٌ بِہٖ اَثَرُ صُفْرَۃٍ قَالَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ لَا يَکَادُ يُوَاجِہُ اَحَدًا بِشَیْءٍ يَکْرَہُہٗ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْ قُلْتُمْ لَہٗ يَدَعُ ہٰذِہِ الصُّفْرَۃَ۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی بیٹھا تھا جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا اور آپؐ کسی کو کوئی ناگوار بات سامنے ہی نہیں فرماتے تھے، جب وہ اٹھ گیا تو آپؐ نے صحابہ سے کہا تم لوگ اس سے کہہ دیتے کہ یہ پیلا رنگ چھوڑ دے۔

تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ کسی کو اسکے سامنے ہی عام طور پر ایسی بات نہیں کہتے جو اس کو ناگوار گذرے، یہ حسن اخلاق کی بنا پر تھا اگر کوئی حکم دینا ہوتا یا کسی چیز سے منع کرنا ہوتا تو بعد میں کہدیتے یا کہلوا دیتے، یہ امر و نواہی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے کہ مخاطب کو ناگوار بھی نہ ہو اور ایسے انداز میں بتایا جائے کہ وہ حکم پر عمل بھی کرلے لیکن یہ بات صرف کراہت والی چیزوں میں تھی، اگر کوئی غلط اور ناجائز کام کرتا تو آپ اس کو منع بھی فرمادیتے، کوئی فرض و واجب چھوڑدیتا تو حکم بھی منہ درمنہ ہی دیدیتے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو کی ایک روایت ہے کہ آپؐ نے مجھے زعفرانی کپڑوں میں دیکھا تو پہننے سے فوراً منع فرمادیا۔

اور موجودہ روایت میں زرد کپڑا پہنے شخص کو کچھ نہیں کہا بلکہ صحابہ سے کہا کہ تم ہی کہدیتے تو اچھا تھا، اس لئے کہ اس میں تشبہ بالنساء ہے، گویا زرد کپڑا پہننا حرام نہیں ہے ورنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ہی منع بھی فرمادیتے۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْجَدَلِیِّ وَاسْمُہٗ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّہَا قَالَتْ لَمْ يَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِیْ بِالسَّيِّئَۃِ السَّيِّئَۃَ وَلٰکِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو فحش کلامی فرماتے نہ تکلف فحش گوئی کرتے اور نہ ہی بازاروں میں شور مچاتے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے البتہ معاف اور درگذر فرمادیا کرتے تھے۔

تحقیق فاحشاً: بات یا عمل میں فحش کرنے والا، عام طور پر فحش کلام کیلئے استعمال ہوتا ہے
متفحشا: بہ تکلف فحش گوئی کرنے والا، یعنی آپ نہ طبعًا اور نہ تکلفًا فحش گوئی اختیار فرماتے تھے۔

صخابا: شور مچانے والا، چلا کر بات کرنے والا۔ زور زور سے بولنے والا۔

یجزی: بفتح الیاء، جزاء (ض) بدلہ دینا، مکافات کرنا۔

یعفو: عفو (ن) معاف کردینا، دل سے معاف کرنا۔

یصفح: صفح (ف) ظاہری طور پر اعراض کرنا، درگذر کرنا، گویا سنا ہی نہ ہو۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی طور پر بد کلامی یا فحش گوئی نہیں فرماتے، نہ فطرتًا اور طبعًا اور نہ ہی خلاف عادت، یعنی کسی بھی حالت میں بدگوئی نہیں فرماتے تھے۔

ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی کہ آپ بازاروں میں شور وشغب نہیں کرتے، چلا کر بات نہیں کرتے، گویا بازار جانے کی ممانعت نہیں البتہ وقار کے خلاف زور زور سے بولنا یا چلا کر باتیں کرنا غلط ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگذر اور حلم وتحمل کے کیا کہنے! آپؐ کی پوری مکی زندگی ان ہی خوبیوں سے عبارت ہے، احادیث اور کتب سیر ان واقعات سے پر ہیں، جب آپؐ نے نہایت تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کیا، تکلیف دینے والوں سے بھی درگذر فرمایا یا تو ان سے اعراض کیا یا پھر دل سے معاف کردیا، برائی کا بدلہ کبھی بھی برائی سے نہیں دیا۔

(٦) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ اِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ شَيْئًا قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَاضَرَبَ خَادِمًا وَلَا اِمْرَاَةً.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنے دست مبارک سے کبھی نہیں مارا سوائے اللہ کے راستے میں جہاد کے وقت اور نہ ہی آپ نے کبھی کسی خادم یا عورت کو مارا

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آدمی کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا ہے البتہ جہاد کے وقت کفار ومشرکین کے لوگ آپ کے ہاتھوں مارے گئے ہیں ایک مطلب ہوسکتا ہے کہ آپ نے حدود اور تعزیرات کے تحت تو مارا ہے جو فی سبیل اللہ (خدا کے حکم سے) ہے، باقی کسی اور وجہ سے نہیں مارا۔

اس عام حکم کے بعد دو طبقے کے لئے خصوصیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ غلام اور عورت کو کبھی بھی نہیں مارا ہے، حالانکہ عادتاً خادم اور عورت تادیباً یا تنبیہاً مار کھاتے ہیں مگر آپ نے تو اس غرض سے بھی نہیں مارا، یہ غایت تحمل اور شفقت و محبت اور حسن اخلاق کی بات تھی

(۷) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْتَصِرًا مِنْ مَظْلَمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَا لَمْ يُنْتَهَكْ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْءٌ فَاِذَا انْتُهِكَ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْءٌ كَانَ مِنْ اَشَدِّهِمْ فِي ذٰلِكَ غَضَبًا وَمَا خُيِّرَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا مَالَمْ يَكُنْ مَأْثَمًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی سے ظلم کا بدلہ کبھی لیا ہو، جب تک کہ خدا کی حرمتوں میں سے کسی کی بے حرمتی نہ ہوئی ہو، البتہ جب خدا کے محارم کی بے حرمتی ہوتی تو آپ اس سبب سے زیادہ ناراض ہوتے، اور جب کبھی آپ کو دو معاملوں کا اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان معاملہ اپنایا الا یہ کہ

وہ معصیت ہو۔

تحقیق مُنتصرًا : انتصار غالب آنا، بدلہ لینا۔
مَظلمة : بکسر اللام یا بفتح اللام، ظلم وتعدی، زیادتی۔
یَنتَهِك : انتہاك ہتک کرنا، بے حرمتی کرنا، خلاف ورزی کرنا۔
مَاثَما : مصدر میمی بمعنی اثم گناہ معصیت۔

تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذاتی طور پر کبھی زیادتی ہوئی، تکلیف پہونچائی گئی تو آپ نے اس کا انتقام نہیں لیا، اپنی ذات کے لئے کوئی بدلہ نہیں لیا، البتہ اگر کسی نے حرام کام کا ارتکاب کیا تو اس کے لئے کوئی بخشش نہیں تھی، کوئی ایسا کرلیتا تو آپ بیحد ناراض ہوتے جب کہ ناراضگی آپ کی عادت نہیں تھی، عفو و درگذر عام حالات میں تھی مگر حرام کے ارتکاب پر کوئی معافی نہیں، خدا کے لئے آپ نے بدلہ لیا ہے۔

اسکے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عادت یہ رہی کہ جب کوئی دو معاملہ سامنے ہو اور دونوں راستوں میں سے کسی کا انتخاب کرنا ہو خواہ عقوبت میں ہو، خواہ قتال کفار واخذ جزیہ میں ہو یا امت کے لئے عبادت کا مسئلہ ہو، آپ نے آسان صورت اختیار فرمائی ہے تاکہ امت کو کبھی دشواری نہ ہو، اور یہ اس وقت تھا جب تک جواز کی گنجائش ہوتی، البتہ کوئی ایسا مسئلہ ہوتا جس میں آسان پہلو بھی ہوتا مگر معصیت بھی شامل ہوجاتی تو پھر آسان چھوڑ دیتے، اور مشکل راہ اپنا لیتے۔

(۸) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِیْرَةِ اَوْ اَخُ الْعَشِیْرَةِ ثُمَّ اَذِنَ لَهٗ فَاَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَ یَا عَائِشَةُ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَکَهُ النَّاسُ اَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهٖ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی تھی تو آپؐ نے فرمایا یہ شخص اپنے قبیلے کا کیسا برا آدمی ہے پھر اسے حاضری کی اجازت دی، اس سے بڑی نرمی سے بات کی اور جب وہ نکل گیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے ابھی اس شخص کے بارے میں ایسا فرمایا تھا مگر بات بڑی نرمی سے کی، تو آپ نے جواب دیا کہ عائشہ! بد ترین آدمی ہے وہ جسے لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

تحقیق

اِسْتَاذَن: استیذان :- اجازت طلب کرنا

بِئْسَ ابنُ العشیرۃ :- یعنی بئس هذا الرجل من هذه القبیلة، ابن العشیرۃ یا اخو العشیرۃ کا مطلب قبیلے کا ایک فرد، مطلب یہ ہوا کہ یہ شخص اس قبیلہ کا کتنا برا شخص ہے۔

اَلَانَ: اِلَانَۃ نرم کرنا۔ اِلانۃ القول: نرمی سے بات کرنا۔

فحشه: اسم من الافحاش، یعنی جواب سختی یا بدکلامی سے دینا۔

تشریح

ایک قبیلے کا سردار آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جو ابھی تک اسلام قبول کئے ہوئے نہیں تھا، مگر اچھا آدمی بھی نہیں تھا، آپؐ نے اس سے بڑی نرمی سے بات کی، اس پر حضرت عائشہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس شخص کے آنے پر تو آپؐ نے فرمایا تھا بُرا آدمی ہے اور بات کی تو بڑی شائستگی اور نرمی سے، اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گفتگو میں نرمی ہی ہونی چاہئے، اس سے لوگ گرویدہ ہوں گے، اگر اس سے سختی سے بات کی جاتی تو اس پر غلط اثر پڑتا، اور وہ مزید دور ہو جاتا، بہتر یہی تھا کہ نرمی سے متاثر کر کے اسے اسلام کی جانب راغب کیا جاتا، چنانچہ یہ شخص بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ بُرے آدمی کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنا چاہئے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص برائی سے تائب ہو سکتا ہے اور اگر اس کو پھٹکار دیا جائے تو اس میں مزید نفرت پیدا ہوگی۔ اس طرح نرمی سے بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر مداہنت نہیں ہونی چاہئے کہ کوئی ظالم ہو یا برا ہو اور اس کی تعریف کر دی جائے، یہ ممنوع ہے۔

تنبیہ:۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بئس ھذا الرجل بظاہر غیبت معلوم ہوتا ہے مگر ایسا نہیں ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ علی الاعلان فاسق و فاجر تھا، اور ایسے شخص کی برائی غیبت نہیں کہلاتی۔ اسکے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دراصل حضرت حضرت عائشہ کو متنبہ کرنا تھا کہ میں حسب عادت نرمی برتوں گا مگر تم یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ اچھا آدمی ہے، اسلئے میں ایسا سلوک کررہا ہوں، آدمی برا ہے مگر بات نرمی سے ہو یہ اچھے اخلاق کی علامت ہوتی ہے، لوگ نرم گفتار سے بدکتے نہیں قریب آتے ہیں، اور جس آدمی کی بات چیت سے لوگ دور ہوجائیں اور اسے چھوڑ دیں وہ بدترین شخص ہے۔

(۹) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَيْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مِنْ وَلَدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنَى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ سَئَلْتُ اَبِيْ عَنْ سِيْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جُلَسَائِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبِشْرِ، سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا صَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مُشَاحٍّ يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِيْ وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَا يُجِيْبُ فِيْهِ قَدْ تَرَكَ نَفْسَهٗ مِنْ ثَلَاثٍ اَلْمِرَاءِ وَالْاِكْبَارِ وَمَا لَا يَعْنِيْهِ وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ كَانَ لَا يَذُمُّ اَحَدًا وَلَا يَعِيْبُهٗ وَ لَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهٗ وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا فِيْمَا رَجَا ثَوَابَهٗ وَاِذَا تَكَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَائُهٗ كَاَنَّمَا عَلٰى رُؤُوْسِهِمُ الطَّيْرُ فَاِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوْا لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهٗ اَنْصَتُوْا لَهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ، حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهٗ حَدِيْثُ اَوَّلِهِمْ، يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهٖ وَمَسْئَلَتِهٖ حَتّٰى اِنْ كَانَ اَصْحَابُهٗ لَيَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ وَيَقُوْلُ اِذَا رَاَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَاَرْفِدُوْهُ وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ اِلَّا مِنْ مُكَافِئٍ وَلَا يَقْطَعُ عَلٰى اَحَدٍ حَدِيْثَهٗ حَتّٰى يَجُوْزَ

فَيَقْطَعُهُ بِنَهْيٍ أَوْ قِيَامٍ.

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اہل مجلس کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خندہ پیشانی اور خوش خلقی سے متصف رہتے، نرم مزاج تھے، نہ سخت گو اور نہ سخت مزاج، نہ چلّانے والے اور نہ فحش گفتار نہ عیب جو اور نہ بخل صفت، جو بات ناپسند ہوتی اس سے تغافل فرماتے، نہ آپ اس کو مایوس فرماتے اور نہ تصدیق کرتے، آپ نے اپنے آپ کو تین عادتوں سے باز رکھا تھا، جھگڑے سے، تکبر سے اور فضول باتوں سے، اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا، نہ آپ کسی کی مذمت فرماتے اور نہ معیوب قرار دیتے، آپ کسی کے عیوب تلاش نہیں کرتے تھے اور وہی گفتگو فرماتے جس میں ثواب کی امید کرتے، جب آپ گفتگو فرماتے تو اہل مجلس اپنے سروں کو ایسے جھکا لیتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور جب آپ خاموش ہوتے تبھی وہ لوگ بات کرتے، آپ کے سامنے وہ لوگ کسی بات پر جھگڑتے نہیں تھے، اور جب کوئی آپ سے بات کرتا تو سب چپ رہتے یہاں تک کہ آپ اس کی بات سن کر فارغ ہو جاتے، آپ کے سامنے ان کی بات ایسے ہوتی جیسے وہی سب سے پہلے آپ سے بات کر رہا ہو (ہر ایک کے ساتھ توجہ یکساں پہلے بات کرے یا بعد میں) مجلس کے افراد کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی مسکراتے اور وہ لوگ کسی بات پر تعجب کرتے تو آپ بھی کرتے، کسی اجنبی کی سخت بات یا سوال پر تحمل فرماتے حتی کہ بعض صحابہ آپ کی مجلس میں بھی ان مسافر اجنبیوں کو لے کر آتے، اور آپ فرماتے کہ جب تم کسی ضرورتمند کو دیکھو تو اس کی مدد کرو، آپ تعریف بھی قبول نہیں کرتے تھے ہاں کوئی اعتدال کے ساتھ شکریہ ادا کرے تو دوسری بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی بات کو درمیان سے نہیں کاٹتے تھے، البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرتا تو آپ اسے روک دیتے تھے یا خود کھڑے ہو جاتے تھے۔

تحقیق

سیرۃ:- طریقہ، طرز، برتاؤ۔ عادت۔

جُلَسَائِہٖ: واحد جَلِیس ہم نشین، مجلس کا شریک

البِشر:۔ بکسر الباء، خندہ پیشانی، خوش خلقی

سَھْلُ الخُلُق:۔ سھل صعوبت اور سختی کی ضد، مطلب اچھی عادت والے، کسی کو تکلیف نہ دینے والے۔

لِینُ الجانبْ:۔ نرم مزاج، نرم گوشہ رکھنے والے، لَیِّن بکسر الیاء نرم مزاج، زیادہ لطف برتنے والے۔

فَظّ:۔ بفتح الفاء وتشدید الظاء، بری عادت والا، بدزبان، ظاہری سختی۔

غلیظ:۔ سخت مراد سخت دل، باطنی سختی۔

عیّاب:۔ معیوب کرنے والا، عیب بتانے والا

مشّاح:۔ اسم فاعل باب مفاعلت سے، شح سے ماخوذ بمعنی سخت بخل،

یتغافل:۔ تغافل کے معنی ہیں جان بوجھ کر غفلت برتنا۔

لا یوئس: دوسرے کو نا امید نہیں کرتے، ایئاس (افعال) نا امید کرنا مایوس کرنا،

المراء:۔ جھگڑا، تنازعہ۔

الاکبار:۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، تکبر کرنا۔

لا یعنیہ: جو اہم نہ ہو، بیکار، فضول، دین اور دنیا کی کسی ضرورت سے خالی۔

عورۃ:۔ عیب، وہ چیز جس کے ظاہر ہونے سے آدمی شرمندہ ہو

اَطرق:۔ اِطراق سر جھکانا، گردن ڈالدینا، ساکن ہوجانا۔

حدیث اولھم:۔ یعنی ہر آدمی کی بات اس توجہ سے سنتے جیسے وہی سب سے پہلے بول رہا ہو، دوسرا مطلب یہ کہ حدیث افضلھم واولھم فی الاسلام یا اولھم فی القدوم

الجَفْوۃ:۔ بفتح الجیم، سختی، بے ادبی، گستاخی۔

یَستجلبونھم:۔ اِستجلاب کھینچ کر لانا، اپنے ساتھ لانا۔

فارفدوہ:۔ الاِرفاد مدد کرنا

مُکافئ: جو تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرے، معتدل۔

یجوز، یعنی یتجاوز حد سے بڑھ جائے، حق سے تجاوز کر جاتے۔

تشریح یہ حدیث اس سے پہلے دو باب کے ذیل میں گذر چکی ہے، ایک تو حلیۂ مبارک کے ذکر میں جہاں صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک اور ظاہری اوصاف کا تذکرہ تھا، دوسرے تواضع کے ضمن میں جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو مصروفیات، بیرونی مشغولیات اور ان کی مجلس کا بیان تھا۔

یہاں اس روایت کا تیسرا حصہ مذکور ہے جو اہل مجلس کے ساتھ آنحضور کے برتاؤ پر مشتمل ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں شریک ہونے والوں کے ساتھ جو طرز اپنایا اس کا حاصل یہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، یعنی چہرۂ انور پر تبسم اور بشاشت کا اثر ظاہر رہتا، نرم مزاج تھے، زبان کے لحاظ سے بھی اور دل کے اعتبار سے بھی یعنی سخت دل نہیں تھے نہ ہی زبان میں سختی تھی۔ مجلس والوں کے سامنے چلّا کر بولنے کی عادت نہیں تھی اور نہ بد کلامی اور غلط بات اختیار فرماتے۔ کسی کی عیب جوئی بھی نہیں کرتے، نہ تعریف میں مبالغہ اور نہ بخل کرتے۔ اگر کوئی ناپسندیدہ بات کہتا تو ایسے بن جاتے جیسے سنا ہی نہ ہو، نہ اس کی تصدیق فرماتے اور نہ تردید، مکمل تغافل اختیار کرتے۔ تین عادتیں آپ میں بالکل نہیں تھیں، (۱) جھگڑا تکرار۔ (۲) تکبر و غرور۔ (۳) لایعنی اور فضول بات، اور تین چیزیں وہ تھیں جن سے لوگ مامون تھے (۱) آپ کسی کی مذمت نہ کرتے (۲) کسی پر عیب نہ لگاتے (۳) کسی کی عیب تلاش بھی نہ کرتے۔ آپ کی گفتگو ثواب کی نیت سے ہوتی۔ آپ کے ہم نشین بھی سکوت سے بیٹھتے۔ آپ خاموش ہوتے تب وہ لوگ اپنا مدعا بیان کرتے مگر آپ کے سامنے وہ لوگ کسی بات پر تنازعہ بھی نہیں کرتے۔ آپ سے کوئی بات کر رہا ہوتا تو سب ہی خاموش ہو جاتے۔ سب کی باتوں پر یکساں توجہ دیتے۔ لوگوں کی ہنسی خوشی کی باتوں میں آپ شریک ہوتے۔ کوئی نیا آدمی سخت انداز میں بات کرتا تو آپ تحمل سے گوارہ فرماتے۔ صحابہ آپ سے کچھ معلوم کرنے میں جھجھک محسوس کرتے تو کسی نئے آدمی کو ساتھ لے آتے تاکہ وہ سوال کرے اور صحابہ جواب سن لیں۔ آپ اجنبی افراد کی حوصلہ افزائی فرماتے اور اس کی

مدد کے لئے لوگوں کو ترغیب دیتے ۔ آپ تعریف سننے کے راغب نہیں تھے البتہ کوئی شکریہ ادا کرتا تو آپ سنتے ۔ کوئی آپ سے گفتگو کر رہا ہوتا تو آپ اس کی بات کسی حالت میں نہیں قطع کرتے، ہاں اگر وہ حد سے تجاوز کر رہا ہو تو اس کے قطع کلام کے لئے آپ منع فرما دیتے، یا منع نہ کرتے تو خود ہی اٹھ کھڑے ہوتے، مجلس برخاست ہو جاتی، یہی علامت ہوتی کہ آپ نے قطع کلام فرما دیا ہے۔

(۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ مَا سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز طلب کی گئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا (جس حد تک ممکن ہوا مانگنے والے کو عطا فرمایا ہے)

(۱۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عِمْرَانَ اَبُو الْقَاسِمِ الْقُرَشِيُّ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ حَتّٰى يَنْسَلِخَ فَيَاْتِيهِ جِبْرِيلُ فَيَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں ہر نوع سخی تھے اور رمضان کے مہینے میں زیادہ ہی سخاوت فرماتے تھے یہاں تک کہ مہینہ ختم ہو جاتا، پھر حضرت جبرئیل ؑ تشریف لاتے اور آپؐ کو قرآن سناتے تو جب آپ حضرت جبرئیل ؑ سے ملتے اس وقت آپ تیز باد و باراں سے زیادہ سخی ہو جاتے

تحقیق اجود الناس بالخیر:۔ یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، حال اور مستقبل کے لحاظ سے، یہ سخاوت کی جملہ اقسام پر مشتمل ہے۔

یَنسَلِخ: انسلاخ مکمل ہوجانا، ختم ہوجانا۔

یَعرِض:۔ بکسر الراء (ض)، پیش کرنا، یہاں مراد ہے یقرأ علیہ

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں سے سخاوت بھی ہے، آپ سبھوں سے زیادہ سخی تھے جتنا کچھ بھی ہوتا وہ آپ ضرورت مندوں کو عطا کردیتے بلکہ بسا اوقات سائل کو دیدیا اور گھر میں کچھ بھی نہیں بچا، یہ تھی سب سے زیادہ سخی ہونے کی علامت، اور یہ سخاوت ماہ رمضان میں زیادہ ہوجاتی تھی اور جب قرآن نازل ہوتا اس وقت کی سخاوت بے مثال تھی، تیز آندھی سے زیادہ، اور ماہ رمضان کے فضائل اور اس میں سخاوت کا اجر چونکہ بڑھ جاتا ہے اس لئے آنحضور اس ماہ میں زیادہ ہی سخاوت فرماتے اگر اپنے پاس کچھ بھی نہ بچا ہو تو اپنے نام پر قرض لے لینے کی اجازت بھی سائل کو دیدی۔

(۱۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کوئی چیز کل آئندہ کے لئے بچا کر اپنے پاس نہیں رکھی۔

تشریح اس حدیث میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا ذکر ہے، آپؐ نے اپنی ضروریات کے لئے بھی کبھی ذخیرہ نہیں فرمایا، کل کیا خرچ ہوگا اس کی پرواہ نہیں کوئی سائل اور ضرورتمند آگیا اس کی ضرورت پوری فرمادی

یہ آپؐ اپنی ذات کی حد تک فرماتے البتہ جو آپ کی سرپرستی میں ہوتے جن کا خرچ آپؐ پر ضروری تھا ان کو ان کے خرچ کی مقدار الگ دیدیتے جیسے امہات المؤمنین کا نان ونفقہ یا دیگر اعزاء و مہمانان جن کی آپ کفالت فرماتے تھے ان کے اخراجات کے لئے الگ سے محفوظ فرمادیتے تھے اور خود خدا پر توکل کر کے رہتے، یہ امت کے لئے تعلیم ہے کہ اہل وعیال کا نفقہ بہر حال مرد

پورا کرے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا یا سخاوت کرنا اپنے مال اور اخراجات میں سے ہونا چاہئے۔

(۱۳) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُوسَى بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ الْفَرْوِيُّ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ وَلَكِنِ ابْتَعْ عَلَيَّ فَإِذَا جَاءَنِي شَيْءٌ قَضَيْتُهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَعْطَيْتَهُ فَمَا كَلَّفَكَ اللَّهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ فَكَرِهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِفَ الْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ لِقَوْلِ الْأَنْصَارِيِّ ثُمَّ قَالَ بِهَذَا أُمِرْتُ ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ضرورت کا سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کچھ آجائے گا میں ادا کر دوں گا، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ نے تو اسے دیدیا مگر خدا نے تو آپ کو اس کا مکلف نہیں کیا ہے جس کی آپ کو قدرت نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمرؓ کی یہ بات ناگوار محسوس ہوئی تو ایک انصاری صحابی نے کہا یا رسول اللہ آپ اسی طرح خرچ کیجئے اور خدا کی ذات سے اندیشہ نہ کیجئے (وہ آپ کو دیدیگا) اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور ان کے چہرے سے بھی انصاری کے اس قول سے خوشی پھوٹنے لگی، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔

تشریح ایک ضرورتمند نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ضرورت بتائی اور آپ سے مانگا۔ آپ کے پاس دینے کو کچھ نہیں تھا مگر آپ نے پھر بھی مایوس نہیں

کیا اور کہا کہ تم میرے نام سے خرید لو میں قرض ادا کردوں گا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو تکلیف مالایطاق ہے اور خدا کی جانب سے بندہ حتی المقدور پر مکلف ہے، آپ نے نرمی سے بات کی مزید وعدہ فرمایا یہ عجیب بات ہے، اس پر آنحضورؐ کو ناگواری ہوئی اسلئے نہیں کہ اس میں شریعت کی مخالفت تھی، شرعی طور پر وہی بات تھی جس کو حضرت عمر فرما رہے ہیں مگر شان نبوت الگ تھی جس کا مظاہرہ آپ نے کمال جود وسخا کی صورت میں ظاہر فرمایا کہ آپؐ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے پھر بھی عطا فرما رہے ہیں اور یہ بھی کہا کہ مجھے تو اسی کا حکم ہے کہ سائل کو ناامید نہ کروں، پھر سخاوت کی تجویز پر آپ کس قدر خوش ہوئے۔

(۱۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَأَجْرٍ زُغْبٍ فَأَعْطَانِي مِلْأَ كَفِّهِ حُلِيًّا وَذَهَبًا۔

حضرت رُبیّعؓ فرماتی ہیں کہ ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوروں کی ایک طباق اور پتلی پتلی ککڑیاں لے کر حاضر ہوئی تو آپؐ نے مجھے مٹھی بھر کے زیور اور سونا عطا فرمایا۔

تحقیق

الرُّبَیِّع :۔ (راویہ ہیں) بضم الراء وفتح الباء وتشدید الیاء المکسورة، تصغیر ہے

قِنَاعٍ :۔ بکسر القاف۔

رُطَب :۔ اسم جنس، تازہ کھجوریں۔

اَجْر :۔ بفتح الہمزہ وسکون الجیم، چھوٹی چھوٹی ککڑیاں۔

زُغْب :۔ بضم الزاء اس کی واحد ازغب، چھوٹے چھوٹے روئیں۔

تشریح

یہ حدیث پہلے ہی گذر چکی ہے۔ فواکہ کے بیان میں یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا ذکر ہے کہ آپ نے ہدیہ لانے والی کو سونے اور دوسری چیز سے بنے زیورات عطا کردیئے۔

(۱۵) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ وَغَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عِیسَی بْنُ یُونُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِیهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْبَلُ الْهَدِیَّةَ وَیُثِیبُ عَلَیْهَا .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور اس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

تشریح ہدیہ دینا اور قبول کرنا محبت کی علامت ہے، اس سے آپس میں تعلق بڑھتا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً بھی ہدیہ کے لین دین کی ترغیب فرمائی ہے اور عملاً بھی ایسا کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ہدیہ دینے والوں کو اس سے کہیں زیادہ بدلہ دیدیا کرتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی حَیَاءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم و حیا کا بیان،

حَیَاء بالمدّ لغت میں اس کا مطلب ہے تغیر اور انکسار جو آدمی کو کسی خوف سے لاحق ہو، اور شرعی مفہوم ہے ایک ایسی عادت جو برائی سے روکے اور اچھے کام کرنے کی رغبت پیدا کرے حیا اور شرم یہ انسان کی عادات حسنہ کا جز ہے، اس لحاظ سے اس کو گذشتہ باب (خلق رسول اللہ) کے ضمن ہی میں آجانا تھا مگر اس کو مستقل طور پر اس کی اہمیت کے پیش نظر ذکر کیا جا رہا ہے، یہ وہ صفت ہے جو تمام اخلاق و عاداتِ حسنہ کا باعث بنتی ہے۔

اس میں دو حدیثیں ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ قَتَادَۃَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ اَبِیْ عُتْبَۃَ یُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ حَیَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِیْ خِدْرِھَا وَکَانَ اِذَا کَرِہَ شَیْئًا عُرِفَ فِیْ وَجْھِہٖ۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی پردہ دار کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیاء دار تھے۔ اور جب کوئی بات آپ کو ناگوار محسوس ہوتی تو ان کے چہرے سے ہی پتہ چل جاتا تھا۔

تحقیق و تشریح

العذراء: بفتح العین باکرہ، کنواری لڑکی۔

خدرھا: بکسر الخاء پردہ، ستر، یہ لفظ عذراء کی صفت ہے، یا پھر

حال واقع ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں جو جو خوبی تھی وہ انتہا درجے کی تھی، تمام عادتوں میں درجۂ کمال پایا جاتا تھا، حیار جو ایمان کا ایک حصہ ہے وہ بھی آپ میں غایتِ کمال کو تھی ایک کنواری لڑکی جو فطری طور پر بڑی شرم وحیار والی ہوتی ہے اور خاص طور پر جو پردے میں رہتی ہو، اس سے بھی زیادہ حیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی، حتیٰ کہ اگر کوئی ناگوار بات بھی آپ کے سامنے ہوتی تو کمال حیار میں آپ کچھ نہیں فرماتے تھے، چہرے کا رنگ بتادیا کرتا تھا، آپ کے رخ انور سے خوشی، ناگواری اور حیا معلوم ہو جایا کرتی تھی۔

(۲) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ مَوْلًى لِعَائِشَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا نَظَرْتُ إِلَى فَرْجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْقَالَتْ مَا رَأَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیار کی وجہ سے کبھی آپ کا محل شرم نہیں دیکھا۔

تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیار اور وقار ہمیشہ اس بات سے مانع رہی کہ ان کی زوجہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ دیکھ پائیں، حالانکہ شوہر اور بیوی کے درمیان بیشتر مواقع ایسے آتے ہیں جب ایک دوسرے کی محل شرم دیکھیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیار کی وجہ سے ازواج مطہرات نے بھی کبھی نظر نہیں کی، اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نہ میں نے اور نہ انہوں نے ایک دوسرے کے ستر کو کبھی دیکھا جب کہ حضرت عائشہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب رہیں دوسری ازواج کے مقابلے میں، اور بے تکلف بھی مگر ستر دیکھنے کی نوبت کبھی نہ آئی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل بھی فرماتے تھے تو حجروں کے پیچھے تاکہ کسی کی کسی حالت میں نظر نہ پڑجائے

بَابُ مَا جَاءَ فِي حِجَامَةِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے لگوانے کا ذکر

حِجَامَة:۔ بکسر الحاء اسم ہے حَجم سے۔ پچھنے، سینگی لگانا، پچھنے لگوانا ایک طرح سے علاج کا طریقہ تھا جو اس وقت بہت رائج تھا، بلکہ یہ بہت زمانے تک رائج رہا ہے، بدن کے کسی حصہ پر سینگی لگوا کر فاسد خون یا مادہ نکال لیا جاتا ہے۔

گو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا پر بھروسہ تھا، توکل تام تھا مگر آپ نے بیماری کے علاج کے رائج طریقے اپنائے ہیں اور یہ توکل کے منافی بھی نہیں ہے۔

اس باب میں چھ حدیثیں ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ أَنَسٌ احْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَجَمَهُ أَبُوطَيْبَةَ فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ وَقَالَ إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ أَوْإِنَّ مِنْ أَمْثَلِ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پچھنے لگانے والے کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ ابوطیبہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے لگائے تو آپ نے دو صاع غلّہ ان کو دیا اور اس کے مالک سے سفارش کردی تو آقاؤں نے اس سے محصول لینا ختم کردیا اور آنحضور ؐ نے فرمایا کہ پچھنے لگوانا بہترین دوا ہے

تشریح دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات ایسے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ پچھنے لگانے کا کام اچھا نہیں ہے، اس میں منھ کے ذریعہ خون چوسنا پڑتا ہے، اس بنا پر صحابہ نے سمجھا کہ اس کی کمائی بھی درست نہیں ہوگی، اسی گمان پر حضرت انس سے بعض حضرات نے اجرتِ حجام کے جواز کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے خود آنحضورؐ نے پچھنے لگوائے اور اس پر اجرت بھی مرحمت فرمائی، اس سے زیادہ یہ کہ آپؐ نے فرمایا کہ علاج کے لئے یہ اچھی چیز ہے، کوئی چیز ناپسند ہوسکتی ہے مگر ضروری نہیں کہ وہ ناجائز بھی ہو۔ بلکہ وہ کارآمد زیادہ ہوسکتی ہے۔

فصد اور حجامت

فصد اور حجامت دونوں چیزیں ایک بات میں مشترک ہیں، دونوں ہی طریقوں سے بدن سے خون نکالا جاتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ فصد کہتے ہیں اس طریقے کو جس میں خون منھ کے ذریعہ چوس کر نکالا جاتا ہے اور وہ ظاہر بدن کے علاوہ رگوں سے بھی خون نکالتا ہے برخلاف حجامت کے کہ اس میں خون صرف ظاہری جلد سے نکالا جاتا ہے۔

اور بعض مقامات یا بعض افراد بہت حار ہوتے ہیں، اس گرمی کی کیفیت بھی مختلف ہوتی ہیں ایک گرمی تو وہ جو اندر جسم سے باہر کی جانب نکلتی ہے، دوسرے وہ جب بیرونی حصے سے بدن کے اندر داخل ہوتی ہے۔

اور بلاد عرب کی گرمی وہ ہے جب اندر جسم سے گرمی باہر کو نکلتی ہے، اس صورت میں ان جگہوں پر رہنے والے لوگ گرم چیزوں کا استعمال خوراک میں کرتے ہیں جو ان کے بدن کے لئے نافع ہے، مثل شہد، کھجور اور گوشت وغیرہ، چنانچہ عربوں میں ان چیزوں کا رواج ہمیشہ رہا ہے، ان کے اندر کی گرمی باہر جسم کی جلد سے نکلتی ہے اس لئے گرم خوراک نقصاندہ نہیں ہوتی، اسی وجہ سے ان کے ظاہری جسم (کھال) سے گرمی خارج کرنے کے لئے حجامت ہی مفید ہوتی ہے، فصد نقصان دہ

اس کے برخلاف جن مقامات میں سردی ہوتی ہے وہاں کے لوگوں میں جسم باہر سے اندر کو گرمی جذب کرتا ہے، ان کے اندر کی گرمی خارج کرنے کے لئے فصد کی ضرورت پڑتی ہے

جو رگوں سے بھی گرمی کا حصہ باہر کر دے (جمع الوسائل)

موفق بغدادی کہتے ہیں کہ حجامت سطح جلد کو فصد کے مقابلے میں زیادہ صاف کرتی ہے اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے ہیں اور بہتر طریقہ علاج بتایا، فصد نہیں کھلوایا،

یہ دونوں چیزیں جگہ، وقت اور مزاج کے اعتبار سے مؤثر ہوتی ہیں، صحیح تشخیص سے فصد و حجامت تجویز کئے جا سکتے ہیں۔

(۲) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الْاَعْلٰى عَنْ اَبِيْ جَمِيْلَةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَاَمَرَنِيْ فَاَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا اور مجھے حجام کی اجرت دینے کو کہا تو میں نے اسے اجرت دیدی،

(۳) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَظُنُّهٗ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَبَيْنَ الْكَتِفَيْنِ وَاَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهٖ ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن کے دونوں کناروں اور شانوں کے درمیان پچھنے لگوائے اور حجام کو اجرت عنایت فرمائی اگر اجرت دینا ناجائز ہوتا تو آنحضور کیسے مرحمت فرماتے!

تحقیق اخدعین:۔ گردن کی دونوں جانب دو رگیں ہیں

بین الکتفین:۔ یعنی گردن پر، پیٹھ کا وہ حصہ جو گردن سے ملا ہوا ہو۔

تشریح آنحضور ﷺ نے عام طور پر ان دو مقامات پر پچھنے لگوائے ہیں، اس سے اجازت

معلوم ہوتی ہے اور اجرت بھی عطا کی، تو معلوم ہوا کہ اس کی اجرت دینا اور لینا دونوں جائز ہیں ورنہ حرام ہوتی تو آپ کیسے دیتے۔

جمہور کا یہی مسلک ہے گو کہ یہ پیشہ بہتر نہیں ہے، ناگواری ہوتی ہے، حرمت نہیں ہے امام احمد کا قول ہے کہ نا جائز ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهٗ وَسَاَلَهٗ کَمْ خَرَاجُكَ فَقَالَ ثَلَاثَةُ آصُعٍ فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَاَعْطَاهُ اَجْرَهٗ۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حجام کو بلایا جس نے آپ کے پچھنے لگائے، آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تمھیں محصول کتنا دینا پڑتا ہے تو اس نے کہا تین صاع، تو آپ نے ایک صاع کی تخفیف کرا دی اور اجرت بھی دی۔

تشریح:۔ اس حدیث کا مفہوم وہی ہے جو پہلی حدیث میں گذر چکا ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوْسِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَجَرِیْرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْتَجِمُ فِی الْاَخْدَعَیْنِ وَالْکَاھِلِ وَکَانَ یَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَاِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گردن کی دونوں جانب اور کندھے پر پچھنے لگواتے تھے اور عام طور پر مہینے کی ۱۷، ۱۹ اور ۲۱ تاریخ کو لگوایا کرتے تھے۔

تشریح:۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کبھی مہینے کی ۱۷ تاریخ کو

اور کبھی ۱۹ر تاریخ کو اور کبھی ۲۱ر تاریخ کو پچھنے لگوایا کرتے تھے، اور ان دونوں میں حجامت کو بہتر علاج قرار دیا کرتے تھے۔

(۶) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام ملل کے مقام پر قدم کی پشت پر پچھنا لگوایا۔

تشریح اس طرح کی دیگر روایات سے بھی ثابت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں سینگی لگوائی ہے، جو کندھے، پیر اور دوسری جگہوں پر لگائی گئی ہے۔

اس کے علاوہ سر میں بھی حجامت کا ذکر ملتا ہے بلکہ اطباء کے بقول سر میں احتجام زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا ذکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف نام اور القاب ہیں، ان کے معنی میں تعظیم واحترام ہے اور ان سے آنحضور ؐ کے صفات واضح ہوتے ہیں۔

یہاں نام سے مراد علم نہیں بلکہ القاب ہیں، ابوبکر بن عربی نے الاحوذی فی شرح جامع الترمذی میں لکھا ہے کہ خدا کے ایک ہزار نام ہیں، اور رسول اللہ ؐ کے بھی ایک ہزار مثال کے طور پر چند ناموں کو ذکر بھی کیا ہے، یہاں پر مصنف ؒ نے ۹ نام ذکر کئے ہیں، علامہ سیوطی نے اپنی کتاب البھجۃ السنیۃ میں اسمار نبویہ پانچ سو کے قریب بتائے ہیں، ان میں سے ملخص کر کے ۹۹ نام اسمار حسنی کے مطابق ذکر بھی کئے ہیں۔

اس باب کے ذیل میں دو حدیثیں ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِىْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِى الَّذِىْ يَمْحُوْاللّٰهُ بِىَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِىْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِىْ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِىْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِىٌّ

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں، میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی ہوں، خدا میرے ذریعہ

کفر کو مٹا رہا ہے، اور میں الحاشر ہوں اس طور کہ لوگ قیامت میں میرے بعد اٹھیں گے، اور میں ہی العاقب بھی ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوتا۔

تحقیق محمد: اسم مفعول تحمید سے، جس کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہو یا تعریف کی جائے۔

احمد: اسم تفضیل احمد الحامدین یا احمد المحمودین مراد ہے

الماحی: مٹانے والا۔ محو (ن) مٹانا۔

الحاشر:۔ اٹھانے والا، جمع کرنے والا۔

علی قدمی: مفرد یا تثنیہ دونوں ہو سکتا ہے، مطلب بعد زمانی۔

العاقب:۔ بعد میں آنے والا۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں جن میں محمد احمد، اور ماحی ہے، ماحی اس طور پر کہ خدا میرے ذریعہ کفر کو ختم کر دے گا اور حاشر بھی میرا نام ہے، کہ قیامت کے روز اٹھانے والا خدا ہے، لیکن پہلے مجھے اٹھائیگا اس کے بعد دوسرے انبیاء اور امتی ہوں گے، اور میں ہی العاقب بھی ہوں یعنی خاتم النبیین، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَأَنَا الْمُقَفَّى وَأَنَا الْحَاشِرُ وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ۔

حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ کے ایک راستے میں ملا تو آپ نے فرمایا میں محمد ہوں، احمد ہوں نبیِّ رحمت اور نبیِّ توبہ ہوں، مقفی ہوں، حاشر ہوں اور نبی الملاحم ہوں

تحقیق:۔ نبی الرحمۃ ونبی التوبۃ:۔ آنحضورؐ کا نام نبیِّ رحمت بھی ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے وما ارسلنك الا رحمة للعالمين، اور نبیؐ توبہ بھی نام ہے، آپ نبیؐ توبہ و رحمت ہیں، یہ دو صفات نمایاں ہیں دیگر صفات پر۔

المقفیٰ:۔ بفتح القاف، مقتدیٰ، پیشوا، رہنما۔

المَلاحِم:۔ بفتح المیم وکسر الحاء، واحد ملحمة بمعنی جنگ، یہ نام اس بناء پر کہ آپ کے زمانہ میں جنگیں بہت ہوئیں، اس میں کفار سے جہاد کا اشارہ بھی ہے، جو آپ کے زمانہ سے شروع ہو کر قیامت تک جاری رہے گا، فتنۂ عظیم بھی معنی آتا ہے تو یہ نام اس مناسبت سے کہ قیامت کے قریب آپ کی نبوت ہی میں بڑے بڑے فتنے رونما ہوں گے۔

صرف انہی ناموں پر آپ نے یوں اکتفا فرمایا کہ یہ نام کتب سابقہ میں موجود ہیں اور سابقہ امتیں ان ناموں سے واقف ہیں۔

(۳) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هٰكَذَا قَالَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی عیش

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گذارہ کے بیان میں

یہ باب پہلے بھی گذر چکا ہے، اس کے تحت جتنی حدیثیں مذکور تھیں یہاں مزید روایتیں لے آئے ہیں مگر باب میں بہرحال تکرار ہے، شمائل ترمذی کے بعض نسخوں میں یہ تکرار نہیں ہے اور جملہ احادیث ایک ہی باب کے تحت ذکر کر دی گئی ہیں، لیکن ہمارے یہاں جو نسخہ رائج ہے اس میں بہرحال تکرار ہے۔

اس کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں جو خالی از تکلف نہیں ہیں مگر ایک مناسب توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ پہلے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ میں جو زندگی گذارنے کی صورت تھی اس کو بیان کیا گیا، اور یہاں کتاب کے اخیر میں ابتدا سے لے کر زمانۂ وفات تک کے گذارنے کا بیان ہے۔ اس باب میں ۹ حدیثیں مذکور ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ اَلَسْتُمْ فِیْ طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهٗ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ کیا تم لوگ آجکل مرضی کے مطابق کھانے پینے کی چیزوں کے مالک نہیں ہو؟ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ انھیں ردی کھجور بھی اتنی میسر نہیں ہوتی تھی جس سے وہ پیٹ بھر سکیں۔

یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنْ كُنَّا آلُ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ إِنْ هُوَ إِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال ایک مہینے تک اس حالت میں رہ جاتے تھے کہ ہم آگ نہیں جلاتے تھے، کھانے پینے میں صرف کھجور اور پانی ہوا کرتے۔

تحقیق

آل محمد: مرفوع ہے، کنا کی ضمیر سے بدل واقع ہے، منصوب ہو تو فعل محذوف ہوگا۔ اَعنی۔

نمکث:۔ مکث (ن) رکنا، ٹھہرنا۔

نستوقد:۔ بمعنی نوقد یعنی کچھ پکانے کے لئے چولہا جلانے کی نوبت ہی نہ آئی، کیونکہ گھر میں اناج ہی نہیں ہوا کرتا تھا

اِنْ ھو:۔ یعنی ما المطعوم۔ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہوتی سوائے کھجور اور پانی کے۔

تشریح

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال کے لئے بہت دنوں تک گھر میں چولہا جلنے کی نوبت نہیں آتی تھی، اس مفہوم کے لئے مختلف روایتیں آئی ہیں، بعض میں یہ بھی ہے کہ دو مہینے گذر جاتے، بعض میں آیا ہے کہ ڈیڑھ مہینے گذر جاتے، پندرہ دن کا ذکر بھی ہے، یہ تحدید کے لئے نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ بارہا ایسے مواقع آئے ہیں جب گھر میں کھانا پکانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا اور یہ مسلسل مہینے دو مہینے تک کیفیت رہتی، ایسے میں گذارہ ہوتا تو صرف کھجور اور پانی پر، کھجور بھی اتنی مقدار میں نہ ہوتی کہ اس سے پیٹ بھرا جا سکتا، پانی سے اس کی تلافی ہوا کرتی تھی، البتہ اس دوران اگر کسی نے دودھ یا اور کوئی کھانا ہدیے میں بھیجدیا تو وہ سب کھا لیتے تھے مگر ایندھن جلانے کی نوبت پھر بھی نہیں آتی تھی۔

(۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَنْصُورٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهِ عَنْ حَجَرَيْنِ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ طَلْحَةَ لَانَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ كَانَ اَحَدُهُمْ يَشُدُّ فِيْ بَطْنِهِ الْحَجَرَ مِنَ الْجَهْدِ وَالضَّعْفِ الَّذِيْ بِهٖ مِنَ الْجُوْعِ .

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر سے کپڑے ہٹا کر دکھائے جہاں ہر ایک کے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ میں دو پتھر بندھے دکھائے۔

قال ابوعیسیٰ:۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ روایت ابوطلحہ کی اس سند سے غریب ہے دوسرے طرق سے نہیں، اور راوی کے قول ورفعنا الخ کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھے ہوئے تھے، تکلیف اور کمزوری کی وجہ سے جو بھوک کی وجہ سے لاحق تھی۔

تحقیق رفعنا:۔ بمعنی کشفنا یعنی کھول کر دکھایا، پیٹ پر سے کپڑا ہٹایا۔
عن حجر حجر:۔ یعنی ہم میں سے ہر ایک کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا، لکل منا حجر واحد رفع عنه. دوبار لفظ حجر کا استعمال مخبر عنہم کی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔

تشریح ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو جس فقر و فاقہ اور بھوک کی تکلیف سے گذرنا پڑا ہے یہ روایت اس کا ایک نمونہ ہے، راوی کہتے ہیں کہ ہم چند لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا بھوک کے مارے ہمارا برا حال ہے، اتنی کمزوری اور تکلیف ہے کہ ہم نے پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا ہے، تو آنحضور نے فرمایا کہ میرا حال تم لوگوں سے زیادہ خستہ ہے، میرے پیٹ میں دو پتھر بندھے

ہوئے ہیں اور آپؐ نے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا کر دکھا دیا۔
پیٹ میں پتھر باندھنے کی مختلف مصلحتیں تھیں، کمزوری کی وجہ سے کمر جھک نہ جائے (۲) پتھر سے سکون محسوس ہوتا تھا، اور پیٹ کے خالی ہونے کا احساس کم ہوجاتا تھا (۳) اس سے نفخ پیدا نہیں ہوتا (۴) اصحاب مدینہ ایک خاص قسم کا پتھر باندھتے تھے جو مشبعہ کہلاتا ہے جس میں برودت ہوتی ہے اور پیٹ کو سکون دیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔
اس حدیث میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھوکے رہنے اور اصحاب کے فقر و فاقہ کی صورت واضح ہوجاتی ہے، اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دن گذارے ہیں، اور دوسری روایتوں کے مطابق آپ نے مسلسل روزے رکھے ہیں۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ اَبِیْ اِيَاسٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ اَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيْهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيْهَا اَحَدٌ فَاَتَاهُ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ خَرَجْتُ اَلْقَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْظُرُ فِیْ وَجْهِهٖ وَالتَّسْلِيْمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ عُمَرُ قَالَ الْجُوْعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذٰلِكَ فَانْطَلَقُوْا اِلٰى مَنْزِلِ اَبِی الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ الْاَنْصَارِیِّ وَكَانَ رَجُلًا كَثِيْرَ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالشَّاءِ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ خَدَمٌ فَلَمْ يَجِدُوْهُ فَقَالُوْا لِامْرَاَتِهٖ اَيْنَ صَاحِبُكِ فَقَالَتْ اِنْطَلَقَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَاءَ فَلَمْ يَلْبَثُوْا اَنْ جَاءَ اَبُو الْهَيْثَمِ بِقِرْبَةٍ يَزْعَبُهَا فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَاءَ يَلْتَزِمُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُفَدِّيْهِ بِاَبِيْهِ وَاُمِّهٖ ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ اِلٰى حَدِيْقَتِهٖ فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا ثُمَّ انْطَلَقَ اِلَى النَّخْلَةِ فَجَاءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَرَدْتُ اَنْ تَخْتَارُوْا اَوْ تَخَيَّرُوْا مِنْ رُطَبِهٖ وَبُسْرِهٖ فَاَكَلُوْا وَشَرِبُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْمَاءِ فَقَالَ النَّبِیُّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مِنَ النَّعِيْمِ الَّذِىْ تُسْئَلُوْنَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَرُطَبٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ بَارِدٌ فَانْطَلَقَ اَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَذْبَحَنَّ لَنَا ذَاتَ دَرٍّ فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا اَوْجَدْيًا فَاَتَاهُمْ بِهَا فَاَكَلُوْا، فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ خَادِمٌ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَتَانَا سَبْىٌ فَاْتِنَا فَاُتِىَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَاْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَاَتَاهُ اَبُو الْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَرْ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا نَبِىَّ اللّٰهِ اِخْتَرْلِىْ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هٰذَا فَاِنِّىْ رَاَيْتُهُ يُصَلِّىْ وَاسْتَوْصِ بِهٖ مَعْرُوْفًا فَانْطَلَقَ اَبُو الْهَيْثَمِ اِلٰى اِمْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِمْرَاَتُهٗ مَا اَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيْهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا اَنْ تُعْتِقَهٗ قَالَ فَهُوَ عَتِيْقٌ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَاخَلِيْفَةً اِلَّا وَلَهٗ بِطَانَتَانِ، بِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَبِطَانَةٌ لَاتَاْلُوْهُ خَبَالًا وَمَنْ يُّوْقَ بِطَانَةَ السُّوْءِ فَقَدْ وُقِىَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں گھر سے باہر تشریف لے گئے جب آپ کی عادت نہیں تھی اور ایسے موقع پر کوئی ملتا بھی نہیں تھا مگر اس روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آ گئے، آپؐ نے دریافت کیا کہ ابوبکر اس وقت خلاف معمول تم کیسے آ گئے تو انھوں نے کہا کہ آپؐ سے ملاقات اور آپؐ کے رخ انور کی زیارت کے لئے نکل آیا تاکہ آپ کو معلوم بھی کرلوں، زیادہ دیر نہیں گذری کہ حضرت عمر بھی آ گئے، آپؐ نے ان سے بھی پوچھا کہ تمھیں کون سی ضرورت یہاں لے آئی، تو انھوں نے کہا بھوک یا رسول اللہ! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھوک تو میں بھی محسوس کر رہا ہوں، چنانچہ تینوں حضرات حضرت ابوالہیثم انصاری کے مکان پر تشریف لے گئے، یہ انصاری صحابی

بہت سے کھجوروں کے درخت اور بکریوں کے مالک تھے، البتہ کوئی خادم ان کے پاس نہیں تھا، ان حضرات نے ابوالہیثم کو گھر میں موجود نہیں پایا تو ان کی بیوی سے پوچھا تمھارے میاں کہاں گئے ہیں کہا کہ وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں، تھوڑی دیر ٹھہرے ہوں گے کہ حضرت ابوالہیثم ایک گھڑا لئے ہوئے آئے جو بہ مشکل ان سے اٹھ رہا تھا، اسے انھوں نے رکھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے اور کہنے لگے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، پھر تینوں حضرات کو لے کر اپنے باغ میں گئے اور ان کے لئے فرش بچھایا اور ایک کھجور کے درخت کے پاس گئے اور ایک گچھا لے آئے اور سامنے رکھ دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں سے ہمارے لئے تر و تازہ کھجور چن کر نہیں دے سکتے تھے؟ اس پر صحابی نے کہا یا رسول اللہ میری خواہش تھی کہ آپ حسب منشاء اس میں سے تازہ سوکھی کھجوریں خود منتخب کریں انھوں نے کھجوریں کھائیں اور وہی میٹھا پانی پیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ بھی ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا، یہ ٹھنڈا سایہ، یہ تر و تازہ کھجوریں اور یہ ٹھنڈا پانی !!

اس کے بعد حضرت ابوالہیثم ان حضرات کے لئے کھانا تیار کرنے کو چل پڑے تو آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے لئے کوئی دودھ والا جانور مت ذبح کرنا، صحابی نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کے پاس پکا کر لے آئے پھر سبھوں نے کھایا، آنحضور نے دریافت کیا کہ تمھارے پاس کوئی خادم ہے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا نہیں ہے تو آپؐ نے فرمایا جب ہمارے پاس کوئی قیدی (غلام بن کر) آئے تو تم آنا (میں تم کو دیدوں گا) پھر اتفاق سے آنحضورؐ کے پاس ایک مرتبہ دو غلام آئے تو ابوالہیثم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے اس سے فرمایا کہ دونوں میں سے منتخب کرلو، جو پسند آئے لے لو، انھوں نے کہا یا رسول اللہ آپ ہی میرے لئے کوئی پسند فرما دیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

نے فرمایا کہ مشورہ طلب کئے جانے والے (مشیر) کو امانت سے کام لینا چاہئے (میں بھی امانت سے مشورہ دے رہا ہوں) اس کو لے لو، میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، تم اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا، صحابی اس خادم کو لے کر اپنی بیوی کے پاس آئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی بتا دیا، تو بیوی نے کہا کہ آنحضورؐ نے جو فرمایا ہے تم اس کا حق نہیں ادا کر سکتے سوائے اس کے کہ تم اس غلام کو آزاد کر دو، انصاری نے کہا اسے آزاد کیا، آنحضورؐ کو اطلاع ملی تو فرمایا کہ خدا کسی نبی یا خلیفہ کو مبعوث نہیں کرتا مگر یہ کہ اسکے ساتھ ہی دو باطن مشیر بھی عطا کر دیتا ہے، ان میں سے ایک مشیر تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتا ہے اور دوسرا مشیر تباہ کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا، جو اس کی برائی سے بچ گیا سمجھو وہ محفوظ ہو گیا۔

تحقیق

لا یخرج :۔ یعنی ایسے وقت آپ نکلے کہ جب باہر تشریف لانے کا معمول نہیں تھا

فلم یَلْبَثْ :۔ نہیں ٹھہرے یعنی تھوڑی ہی دیر گذری۔

بعض ذلك :۔ یعنی کچھ بھوک۔

انطلقوا : ذهبوا وتوجهوا، چل پڑے

الشاء :۔ یہ جمع ہے شاۃ کی۔

خَدَمَ : واحد خادم، نوکر، غلام۔

یستعذب الماء : میٹھا پانی لینے گئے ہیں استعذاب، میٹھا حاصل کرنا عذب میٹھا

یَزْعَبُها : زعب (ن) پورا بھرا ہوا ہونا، اور اگر یُزْعبها باب افعال سے ہے تو معنی ہوگا بڑی مشکل سے اٹھائے ہوئے تھے۔

یُفدیہ :۔ یعنی وہ فداك ابی وامی کہہ رہے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں

بَسَط : (ن) بچھانا۔

قِنو : بکسر القاف، پورا گچھا، جس میں کچی پکی اور گدری کھجوریں ہوں۔

تنقیت : تنقی : چھانٹا، منتخب کرنا۔

ذات دَرٍّ : دودھ دینے والا جانور۔

جَدْیًا : بکری کا بچہ۔

لیس معہا ثالث : یہ تاکید کیلئے ہے کہ دو ہی غلام تھے کوئی تیسرا نہیں تھا۔

المستشار : مشیر، جس سے مشورہ طلب کی جائے، مشورہ دینے والا۔

مُؤْتَمَن : امین، امانت والا۔

اِستَوْصِ : امر کا صیغہ، اس کے ساتھ معاملہ بھلائی کا رکھنا۔

ما انتَ ببالغ : تم وہاں تک پہونچنے والے نہیں، تم حق ادا نہ کرسکوگے۔

بِطَانَۃ : باطنی طور پر رہنمائی کرنے والا۔ باطنی مشیر، بکسر الباء۔

لا تَألُوہ : بمعنی لا تمنعہ، نہیں روکتا خبالاً، فساداً۔

یُوقَ : مجہول وقایۃ (ض)، بچنا، محفوظ رہنا۔

بطانۃ السوء : بفتح السین وضمہ، برا مشیر۔

تشریح اس روایت سے بہت سی مفید باتیں سامنے آتی ہیں، یہاں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا فقر وفاقہ معلوم ہوتا ہے، اور جیسا کہ محدثین کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مدنی زندگی کے آخری حصے کا ہے، اس وقت بھی کشادگی کے ساتھ کھانا پینا میسر نہیں آیا تھا جب کہ فتوحات کے ذریعہ مالِ غنیمت بھی حاصل ہونے لگا تھا، اور یہ صرف آنحضورؐ کے ساتھ ہی نہیں تھا بلکہ اصحاب کرام بھی اسی حالت میں تھے، چنانچہ جب آپ کو بھوک لگی تو آپؐ گھر سے باہر تشریف لائے اور اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ آپؐ سے آملے، اور ان کو بھی بھوک کا احساس تھا، اس روایت میں ابوبکر صدیق کے بھوکے ہونے کا ذکر نہیں ہے، مگر مسلم کی روایت میں واضح ہے کہ دونوں حضرات بھوک کی حالت میں تھے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔

ابو الہیثم انصاری مال وجائداد والے صحابی ہیں، ان کے گھر پہونچے تو معلوم ہوا کہ وہ باہر گئے ہوتے ہیں، ان کی اہلیہ نے مہمانوں کو ٹھہرایا، اور جب صحابی واپس آئے تو اتنے خوش ہوتے کہ آنحضورؐ سے لپٹ گئے اور خاطر داری میں مشغول ہوگئے

معلوم ہوا کہ عورت ایسے مہمانوں کو شوہر کی غیر موجودگی میں گھر میں بلا سکتی ہے جب اسے معلوم ہو کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہوگا، اس روایت سے اکرام ضیف کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے، اور یہ کہ مہمانوں کی فوری خاطر مدارات کیلئے پھل وغیرہ پیش کرنا مناسب ہے، نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا، جب آپ کو معلوم تھا کہ چیزیں گھر میں موجود ہیں اور میزبان پر کوئی بوجھ بھی نہیں پڑے گا، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ کوئی بڑا جانور ذبح نہ کرنا جو زائد از ضرورت ہو جائے اس میں تکلف نہ کرنے کا درس ہے۔

خلاصہ یہ کہ آنحضور اور ان کے اصحاب کی زندگی میں فقر و فاقہ کا دور جاری رہا ہے اور خاص طور پر مہاجرین کا کہ پیٹ بھر کر کھانے کا سامان موجود نہیں بلکہ ضروری حد تک کھانا بھی حاصل نہیں۔

(۵) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ بَيَانٍ حَدَّثَنِيْ قَيْسُ بْنُ أَبِيْ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ إِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ اهْرَاقَ دَمًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَإِنِّيْ لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ أَغْزُوْ فِي الْعِصَابَةِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَأْكُلُ إِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةَ حَتّٰى تَقَرَّحَتْ أَشْدَاقُنَا حَتّٰى إِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيْرُ وَأَصْبَحَتْ بَنُوْ أَسَدٍ يُعَزِّرُوْنِيْ فِي الدِّيْنِ لَقَدْ خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ عَمَلِيْ ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رض فرماتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے خدا کی راہ میں خون بہایا ہے اور میں ہی پہلا فرد ہوں جس نے اللہ کے لئے پہلا تیر چلایا، میں نے اپنے آپ کو صحابہ کی جماعت کے ساتھ جہاد کرتے پایا ہے، ہم لوگ ایسی حالت میں جہاد کرتے تھے کہ ہم درختوں کے پتے اور کیکر کھایا کرتے تھے جس سے ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے تھے اور ہم بکریوں کی طرح مینگنیاں پاخانہ کیا کرتے تھے اس کے باوجود بنو اسد قبیلے کے لوگ مجھ پر دین کے معاملے میں طعن و تشنیع کرتے ہیں کہ میں نامراد رہا اور میرا عمل بھی کھوٹا ہوا۔

تحقیق

اهراق: اِهراق بہانا۔

رأیتُنی: میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے، یعنی مجھے یاد ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے۔

العصابۃ: جماعت، گروہ، دس سے لیکر بیس افراد پر مشتمل۔

الحُبلۃ: بضم الحاء کیکر کا پھل۔

لیضع: پاخانہ کرنا بکریوں کی طرح مینگنیاں پاخانہ میں نکلتیں۔

یُعزّرُ: تعزیر طعن و تشنیع کرنا، برا بھلا کہنا۔

خبت: خاب خیبۃ۔ ناکام ہونا، نامراد ہونا، محروم ہونا (ض)

اشداقنا: واحد شدق، جبڑا، منہ کے دونوں جانب کا حصہ

تشریح حضرت سعد فرماتے ہیں کہ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے سب سے پہلے کسی کافر کا خون بہایا ہے، اور میں صحابہ کے ساتھ جہاد کرتا تھا، اور ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تو صرف پتے چباتے یا کیکر کی پھلی کھاکر رہ جاتے جس کی وجہ سے بکری کی مینگنیوں کی طرح ہمارے پاخانے ہوا کرتے تھے، پھر بھی بنوسعد کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ مجھے نماز نہیں آتی،

حضرت سعد رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین حضرت عمر کے زمانہ میں بصرہ کے امیر مقرر ہوئے تھے، تو قبیلہ بنوسعد کے کچھ لوگوں نے شکایت کی کہ ان کو نماز نہیں آتی، اس پر انھوں نے یہ فرمایا تھا۔ اس سے یہ از خود معلوم ہوجاتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں تمام صحابہ کو بھی کس قدر فقر و فاقہ کی زندگی گذارنی پڑتی ہے، اس پر بھی فریضۂ جہاد میں کوتاہی نہیں برتی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے ابتدا ہی سے تمام تر پریشانیوں کے باوجود دین کے لئے جو جد وجہد کی ہے ان کا کچھ حصہ انھوں نے یہاں بیان کیا ہے اور یہ تین واقعوں پر مشتمل ہے پہلا ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے اور دوسرا یعنی تیر چلانے کا بعد از ہجرت پہلا سریہ تھا، اور تیسرا واقعہ یعنی پتے کھاکر بھی جہاد کرتے کا واقعہ سریۂ خبط کا ہے۔

(٦) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عِيسٰى اَبُوْنَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ قَالَ سَمِعْتُ خَالِدَ بْنَ عُمَيْرٍ وَشُوَيْسًا اَبَا الرُّقَادِ قَالَا بَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ وَقَالَ انْطَلِقْ اَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِيْ اَقْصٰى اَرْضِ الْعَرَبِ وَاَدْنٰى بِلَادِ الْعَجَمِ فَاَقْبَلُوْا حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالْمِرْبَدِ وَجَدُوْا هٰذَا الْكَذَّانَ فَقَالُوْا مَا هٰذِهٖ قَالُوْا هٰذِهِ الْبَصْرَةُ فَسَارُوْا حَتّٰى اِذَا بَلَغُوْا حِيَالَ الْجِسْرِ الصَّغِيْرِ فَقَالُوْا هٰهُنَا اُمِرْتُمْ فَنَزَلُوْا فَذَكَرُوا الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ فَقَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَاِنِّيْ لَسَابِعُ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ حَتّٰى تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً فَقَسَمْتُهَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ سَعْدٍ فَمَا مِنَّا مِنْ اُولٰٓئِكَ السَّبْعَةِ اَحَدٌ اِلَّا وَهُوَ اَمِيْرُ مِصْرٍ مِّنَ الْاَمْصَارِ وَسَتُجَرِّبُوْنَ الْاُمَرَاءَ بَعْدَنَا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو بھیجا اور کہا کہ تم اور تمھارے رفقاء چلے جاؤ یہاں تک کہ جب عرب کی سرزمین سے دور اور بلاد عجم سے قریب پہونچ جاؤ تو وہاں قیام کرو، جب یہ لوگ مربد بصرہ کے قریب پہونچے تو وہاں عجیب طرح کا پتھر دیکھا، ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ کون سی سرزمین ہے کہا بصرہ تو وہ چل پڑے یہاں تک کہ جب چھوٹے پل کے قریب پہونچے تو کہا یہی وہ جگہ ہے جہاں قیام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے (حدیث طویل ہے جو ذکر کی گئی ہے) راوی کہتے ہیں کہ عتبہ بن غزوان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے اپنی یہ حالت دیکھی ہے کہ میں ان سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور ہمیں کھانے کو درخت کے پتوں کے علاوہ کچھ میسر نہیں تھا حتی کہ ہمارے منھ بھی چھل گئے تھے، مجھے ایک چادر مل گئی تھی تو اسے اپنے اور سعد کے درمیان نصف نصف تقسیم کرلی تھی، ہم سات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو کسی شہر کا امیر نہ ہو، اور تم تو ان امراء کا تجربہ کرنا جو ہمارے بعد میں آئیں گے۔

تشریح سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت عتبہ بن غزوان بھی ہیں چھ آدمی کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہی یہ مسلمان ہو گئے تھے، سبقت فی الاسلام کا شرف انھیں حاصل ہے ان کو ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک لشکر کا امیر مقرر کرکے بلاد عجم کی سرحد پر بھیجا تاکہ وہاں دشمنوں کی آمد روک سکیں، یہ پہلے مربد بصرہ نامی مقام پر پہونچے تو وہاں رکنے کا ارادہ کیا جب معلوم ہوا کہ منزل مقصود آگے ہے تو چل پڑے بالآخر حضرت عمرؓ نے جو جگہ متعین کی تھی وہاں پہونچے جو دریائے دجلہ کے پاس تھا تو وہاں ٹھہر گئے آگے حدیث طویل ہے جس کو امام ترمذی نے حذف کردیا اور باب کی مناسبت سے جو بتانا چاہتے ہیں وہ ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت عتبہ نے لشکر کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا اور اخیر میں کہا کہ میں نے سب سے پہلے سات آدمیوں کے مابین اسلام قبول کیا ہے جس وقت ہمیں کچھ کھانے کو بھی نہیں ملتا تھا، ایسی

تنگی تھی کہ ہم پتے چبایا کرتے تھے جس سے ہمارے منھ بھی زخمی ہو گئے تھے، انھیں دنوں مجھے ایک چادر مل گئی تھی تو میں نے اسے اکیلا نہیں رکھا بلکہ آدھا حضرت سعد کو دیدیا تھا، خدا کا کرم ہے کہ ہم پہلے سات مسلمانوں کو بڑی عظمت ملی، ہم سب کہیں نہ کہیں کے امیر مقرر ہوتے اور ہم نے لوگوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا کیونکہ ہم نے ابتدائے اسلام کا زمانہ بھی دیکھ رکھا ہے، جو اس وقت کی پریشانی اور فقر و فاقہ سے واقف نہیں وہ جب امیر ہوں گے تو ہماری طرح نہیں ہوں گے، تم خود اس کا تجربہ کرلینا۔

(۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ اَسْلَمَ اَبُوْحَاتِمٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَمَالِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَاكُلُهُ ذُوْكَبِدٍ اِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ڈرایا گیا ہے جتنا کسی کو خوف نہیں دلایا گیا، اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنی اذیت دی گئی ہے جتنی کسی کو نہ دی گئی ہوگی، مجھ پر تیس دن اور رات ایسے گذرے ہیں کہ میرے اور بلال کے لئے کوئی کھانے کی چیز نہیں تھی جسے جاندار کھا سکے سوائے اس چیز کے جو بلال کے بغل میں چھپی ہوئی تھی،

تحقیق

اُخِفت: ڈرایا گیا ہے مجہول از اخافہ خوف دلانا

اُوذیت: مجہول از ایذاء تکلیف دینا۔

ذوکبد: جگر والا، مراد جاندار، کوئی بھی جانور

یواریہ: موارا ۃ، چھپانا

تشریح

اس حدیث کو ترمذی نے جامع الترمذی میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ہجرت سے قبل کا کوئی واقعہ ہے، جب آنحضور کے ساتھ حضرت بلال تھے

اور ان کے کھانے پینے کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کا سامان الگ سے ہوتا، اتنا مختصر تھا کہ حضرت بلال نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حالات بیان فرما رہے ہیں کہ جب میں نے دین کی دعوت دی تو اکیلا تھا، ڈرایا دھمکایا گیا، اذیت دی گئی اتنی کہ کسی اور کو نہ دی گئی ہو گی اور خاص طور پر یہ تخویف اور ایذا زیادہ محسوس ہوتی تھی کہ آنحضورؐ اس وقت تنہا تھے، کوئی ساتھی کوئی ہمدرد نہیں تھا۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ انھیں دنوں ایسا وقت بھی آیا کہ جب میں اور بلال تھے اور مہینے بھر ہمیں کھانے کو ایسی کوئی چیز بھی نہیں ملی جو کسی جاندار کو میسر آجائے سوائے اس طعام کے جو بلال کے بغل میں دبا رہتا جو ظاہر ہے بہت ہی قلیل اور مختصر ہوتی خواہ وہ کھجور ہو یا اور کوئی چیز۔

(۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنْبَاَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَجْتَمِعْ عِنْدَهٗ غَدَاءٌ وَّلَا عَشَاءٌ مِنْ خُبْزٍ وَّلَحْمٍ اِلَّا عَلٰى ضَفَفٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ كَثْرَةُ الْاَيْدِيْ ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صبح کے کھانے میں یا شام کے کھانے میں روٹی اور گوشت یکجا نہیں ہوا مگر حالت ضفف میں، بعض علماء نے کہا کہ ضفف کا مطلب ہے دعوت میں جب زیادہ لوگ جمع ہوں یا مہمان۔
حدیث کی تشریح گذر چکی ہے۔

(۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ اَبِيْ فُدَيْكٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ عَنْ نَوْفَلِ بْنِ اِيَاسٍ الْهُذَلِيِّ قَالَ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ لَنَا جَلِيْسًا وَكَانَ نِعْمَ الْجَلِيْسُ وَاِنَّهُ انْقَلَبَ بِنَا ذَاتَ يَوْمٍ حَتّٰى اِذَا دَخَلْنَا بَيْتَهٗ وَدَخَلَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ وَاُتِيْنَا بِصَحْفَةٍ فِيْهَا خُبْزٌ وَّلَحْمٌ، فَلَمَّا وُضِعَتْ بَكٰى عَبْدُ الرَّحْمٰنِ

فَقُلْتُ لَهٗ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ هَلَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَشْبَعْ هُوَ وَاَهْلُ بَيْتِهٖ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَلَا اُرَانَا اُخِّرْنَا لِمَا هُوَ خَيْرٌ لَّنَا ۔

نوفل بن ایاس کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ہمارے ہم نشین تھے اور بڑے اچھے ہم نشین تھے، ایک دفعہ وہ ہمارے ساتھ کہیں سے واپس آئے، یہاں تک کہ جب ہم ان کے گھر میں داخل ہوئے تو وہ اندر گئے اور غسل کیا اور ایک بڑے برتن میں روٹی اور گوشت لے کر آئے، جب وہ برتن رکھا گیا تو عبدالرحمٰن رو پڑے، میں نے پوچھا کہ آپ کیوں روئے تو کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے درانحالیکہ وہ اور ان کے گھر والے جو کی روٹی سے بھی شکم سیر نہیں ہوئے تھے، اور میں سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ حالت اور وسعت کوئی خیر نہیں ہے

تشریح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اغنیاء صحابہ میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ بالجنۃ میں سے بھی ہیں، انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگدستی بہت یاد ہے، اور جب انھوں نے کھانے کے لئے ایک سینی میں روٹی اور گوشت ساتھیوں کو پیش کیا تو رو پڑے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یاد کرکے اور ان کی رحلت کے بعد کی آسائش اور نعمت پر یہ خدشہ رہا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ خدا نے ہماری نیکیوں کا بدلہ دنیا میں ہی آرام و وسعت کی صورت میں دیدیا ہو، اسلئے فرمایا کہ ہماری یہ حالت ہماری بہتری کی علامت قطعی نہیں ہوسکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی سِنِّ رَسُولِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا بیان

اس باب میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی مقدار اور مدت حیات کی تعیین کا ذکر ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے سالوں حیات رہے، یعنی کتنی عمر پائی ہے، اس سلسلہ میں تین طرح کی روایتیں ملتی ہیں ایک یہ کہ آپ کی عمر وفات کے وقت ۶۰ ر سال تھی، دوسری روایت میں ۶۵ سال اور تیسری طرح کی روایتوں میں ۶۳ ر سال۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ سال ہی تھی جیسا کہ زیادہ تر روایتوں سے ثابت ہے، البتہ جہاں ۶۵ ر سال عمر بتائی گئی ہے اس میں سال ولادت اور سال وفات کو الگ سے شمار کر کے عمر میں شامل کر دیا گیا ہے ورنہ اصل عمر تریسٹھ سال ہی تھی۔

علماء کا اس باب میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ہجرت کے بعد مدینہ میں صرف دس سال تک رہے اور اس سے قبل مکہ میں، اور بعثت کے بعد مکہ میں ۱۳ ر سال رہے، بعثت ۴۰ ر سال کی عمر میں ہوئی تھی اس طرح مجموعی عمر ۶۳ ر سال ہی ہوتی ہے، اس باب میں کل ۶ حدیثیں مذکور ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَکَرِیَّا بْنُ اِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَکَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَکَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً یُوْحٰی اِلَیْہِ وَبِالْمَدِیْنَةِ عَشْرًا وَتُوُفِّیَ وَھُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّیْنَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مکہ میں ۱۳ ر سال رہے جن میں آپ پر وحی نازل ہوتی رہی پھر مدینہ میں دس سال، اور آپؐ کی جب رحلت ہوئی تو ان کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَرِیْرٍ عَنْ مُعَاوِیَةَ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ یَخْطُبُ قَالَ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّیْنَ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَاَنَا ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّیْنَ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ کے دوران فرمایا کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ تریسٹھ سال کے تھے، اور حضرت ابوبکر وعمر بھی اور میں بھی اس وقت تریسٹھ سال کا ہوں۔

تشریح ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ ر سال کی عمر میں وفات پائی، حضرت معاویہ کی عمر جب ۶۳ ر سال کی ہوئی تو خطبہ دیتے وقت کہا کہ آنحضور اور پہلے دو خلفاء حضرت ابوبکر وعمر کی وفات کے وقت ۶۳ ر سال کی عمر تھی، اور میں بھی اب اتنی عمر کو پہونچ گیا ہوں، گویا ان کی خواہش تھی کہ ان ہی حضرات کی اقتدا نصیب ہوجائے اور میں اس سال وفات پاجاؤں لیکن جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ کی وفات ۸۰ ر سال کے قریب ہوئی تھی، اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عمر بھی اسّی سال سے زائد ہوئی تھی۔

(۳) حَدَّثَنَا حُسَیْنُ بْنُ مَهْدِیٍّ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّیْنَ سَنَةً۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو آپ تریسٹھ سال کے تھے۔

اس روایت سے بھی آپ کی صحیح عمر ۶۳ سال کی تقویت ہوتی ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَيَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ حَدَّثَنِي عَمَّارٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّينَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ۶۵ سال کی عمر میں ہوا۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ اَبَانٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي اَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ دَغْفَلِ بْنِ حَنْظَلَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّينَ سَنَةً۔

قَالَ اَبُوعِيسَى وَدَغْفَلٌ لَا نَعْرِفُ لَهُ سَمَاعًا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا۔

حضرت دغفل بن حنظلہ سے بھی یہی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ دغفل کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سننا ثابت نہیں ہے اور آنحضور کے زمانے میں حضرت دغفل موجود ضرور تھے۔

تشریح ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۵ سال ہوئی، آخری حدیث کے بارے میں امام ترمذی کہتے ہیں کہ حضرت دغفل کی چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور سماع ثابت نہیں ہے، اس لئے ان کی روایت زیادہ معتبر نہیں ہو سکتی، مگر اس سے پہلی روایت تو ابن عباس کی ہی ہے، اس طرح ابن عباس سے دونوں طرح کی روایتیں منقول ہیں ۶۳ سال والی بھی اور ۶۵ سال والی بھی، تو اوّلاً

تو ابن عباس کے مقابلے میں زیادہ روایتیں وہ ہیں کہ جن سے آپ کی عمر ۶۳ سال معلوم ہوتی ہے اسی لئے وہی روایتیں قابل حجت ہوں گی اور صحیح قرار پائیں گی، دوسرے یہ کہ ممکن ہے یہاں ابن عباس نے سال ولادت ووفات کو الگ مان کر ۶۵ سال قرار دیا ہو کیونکہ وہ خود ہی تو روایت کرتے ہیں کہ آپ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی ہے۔

(۶) حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِیُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشَرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشَرَ سِنِيْنَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِیْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ نَحْوَهٗ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلعم نہ تو زیادہ لمبے تھے اور نہ کوتاہ قد اور نہ تو بالکل ہی سفید تھے اور نہ گندمی رنگ کے (درمیان درمیان کا رنگ تھا) آپ کے بال نہ بالکل گھنگھر یالے تھے اور نہ ہی مکمل کھلے ہوئے، خدا نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا اسکے بعد آپ دس سال مکے میں رہے اور دس سال مدینے میں اور آپکا وصال ۶۰ کی ابتدا میں ہوا اسطرح آپ کے سر اور ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہیں ہوئے تھے

تشریح یہ حدیث کتاب کی ابتدا میں گذر چکی ہے یہاں عمر کے تذکرے میں مصنف دوبارہ حدیث کو بیان کر رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عمر ۶۰ سال ہی ہوئی ۔ مگر جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہاں حضرت انس نے دہائیوں کا ذکر کیا ہے اور اوپر کے تین سال کا ذکر چھوڑ دیا ہے جیسا کہ گنتی میں کر دیا جاتا ہے انھوں نے فرمایا توفاہ اللہ علی رأس ستین سنۃ یعنی ساٹھ کے شروع میں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ وَفَاۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بیان میں

وفاۃ ۔ بفتح الواو بمعنی موت ماخوذ از دفی یعنی تم ۔ ای توّ اجلہ موت پوری ہوگئی۔

اس باب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت کے واقعات کا ذکر ہے، یہ بات متفق علیہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ماہ ربیع الاوّل دوشنبہ کے روز ہوئی، البتہ تاریخ میں اختلاف ہے۔

اہل سیر واصحاب تاریخ یہ کہتے ہیں کہ آنحضور کا وصال ۱۲ ربیع الاول کو ہوا، اور محدثین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ۲ ربیع الاوّل کو انتقال ہوا، محدثین کہتے ہیں کہ تمام اصحاب حدیث و تفسیر وسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سال عرفہ کا دن یعنی ۹ ذی الحجہ جمعہ کا دن تھا، گویا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ جمعرات کے دن تھی، اب اس کے لحاظ سے ذی الحجہ، محرم اور صفر کے تینوں مہینوں کا حساب لگایا جائے تو کسی بھی صورت میں ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن قرار نہیں پاتا، خواہ تینوں مہینے ۲۹ دن کے مان لئے جائیں یا تینوں ۳۰ دن کے یا اختلاف کے ساتھ، لامحالہ ایک دن کا فرق آئے گا، یعنی اگر تینوں مہینے ۳۰ دن کے ہی ہوئے تو بھی ۱۲ ربیع الاول اتوار کا دن پڑجاتا ہے، دوشنبہ کا نہیں، اسلئے محدثین کی جماعت یوم وفات ۲ ربیع الاوّل کو قرار دیتی ہے۔

اصحاب سیرت وتاریخ کہتے ہیں کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپ کا وصال ۱۲ تاریخ کو ہوا البتہ دنوں کا جو اختلاف ہو رہا ہے اس کے حل کی ایک صورت نکلتی ہے، وہ یہ کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کافی فاصلہ ہے اور ان دنوں چاند دیکھنے میں مطلع بھی ایک قرار نہیں دیا جاسکتا تھا، اس طرح مکہ والوں نے ذی الحجہ کا چاند ایک دن پہلے دیکھ لیا ہوگا یعنی جمعرات کو پہلی تاریخ اور

مدینہ والوں نے اگلے دن دیکھا تو پہلی تاریخ جمعہ کی ہوئی اور عرفہ کا دن مکے والوں کے حساب سے جمعہ کو
۹ تاریخ کو ہوا مدینہ والوں کی تاریخ کے حساب سے ایک دن پہلے، پھر تینوں مہینے ۳۰ ر دن کے ہوئے
تو مدینہ والوں کے حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو لازمی دوشنبہ کا دن پڑیگا، اس لحاظ سے آپ کی
وفات پیر کے دن ہی درست پاتی ہے جو ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وصال کے متعلق خدا کی جانب سے بتادیا گیا تھا، اسی بنار
پر آپ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے احکام معلوم کرلو، ممکن ہے میں اب تم لوگوں
سے اگلے سال نہ مل سکوں۔

مختلف روایتوں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ نبی کی روح اس وقت تک
قبض نہیں کی جاتی تا وقتیکہ وہ جنت میں اپنی جگہ نہ دیکھ لے، پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے۔

چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وصال کے بارے میں اطلاع ہو چکی تھی، آپ نے خدا سے
ملنا اختیار فرمالیا تھا اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر اشارہ بھی فرمادیا اسی لئے لوگوں نے یقین کرلیا کہ آپ
کا یہ حج وداعی حج ہے، پھر جب آپ مدینہ واپس تشریف لے گئے تو کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کو
بیماری لاحق ہوئی جو پہلے دردِ سر سے شروع ہوئی، اس دن آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے
میں تھے مرض بڑھ گیا اور اگلا دن حضرت میمونہ رضؓ کے یہاں آپ کے قیام کی باری تھی، پھر جوں جوں
مرض بڑھتا گیا آپؐ نے تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے مکان پر ہی وفات
تک قیام فرمایا، یہ مرض الوفات ۱۲ یا چودہ دن پر مشتمل رہا۔

اس باب کے تحت ۱۴ ر حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اٰخِرُ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشَفَ السِّتَارَةَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فَنَظَرْتُ اِلٰى وَجْهِهٖ كَاَنَّهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ خَلْفَ اَبِىْ بَكْرٍ فَكَادَ النَّاسُ اَنْ يَّضْطَرِبُوْا فَاَشَارَ اِلَى النَّاسِ اَنِ اثْبُتُوْا وَاَبُوْبَكْرٍ يَؤُمُّهُمْ وَاَلْقَى السِّجْفَ وَتُوُفِّيَ مِنْ اٰخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ آخری مرتبہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے تو اس وقت جب آپ نے دوشنبہ کے دن حجرے کا پردہ اٹھایا، میں نے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھا ایسا محسوس ہوا جیسے کسی تقدیس کتاب کا روشن ورق ہو اس وقت لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے ایسا لگا کر لوگ حرکت کریں گے (پیچھے ہٹیں گے یا نمازیں ختم کریں گے) تو آنحضورؐ نے لوگوں کو اشارے سے بتایا کہ اسی حالت میں رہو (اور نماز پوری کرو) درانحالیکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کر رہے تھے، پھر آپؐ نے پردہ گرا دیا اور اسی دن آپؐ کا وصال ہو گیا

تحقیق

السِتارۃ :- بکسر السین، پردہ۔ کشف الستارۃ یعنی حین کشف ورفعھا۔
مُصحف :- بضم المیم وھو الافصح وبکسر المیم ایضاً، کتاب، صحیفہ، قرآن۔

یَضطرِبُوا : ای تحرکوا، او قطعوا صلاتھم

اثبتوا :- امر بمعنی ثابت رہو، جمے رہو نماز کی ہی حالت میں رہو

السِجف بکسر السین وفتحھا، پردہ۔

تشریح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے کچھ قبل جب آپ پر غشی کی سی کیفیت رہی ہے نماز کی امامت کے لئے آپ نے حضرت ابوبکر کو متعین فرمایا ہے، آخری روز جب وہ نماز پڑھا رہے تھے تو آپ نے اپنے حجرہ سے جو مسجد سے متصل تھا اور صرف پردہ درمیان میں حائل تھا وہ پردہ اٹھایا اور مسجد میں جھانکا، لوگوں نے محسوس کر لیا یا گوشۂ نظر سے دیکھا تو بے اختیار ہو پڑے سب خوش ہو گئے کہ آپؐ صحت یاب ہو گئے ہیں اور آپؐ ہی نماز پڑھائیں گے، آپؐ مسکرائے بھی تھے، اس لئے ان میں کچھ حرکت بھی پیدا ہوئی جیسے وہ پیچھے ہٹ جائیں گے یا نماز درمیان میں چھوڑ دینگے تو آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی نماز ابوبکرؓ کی امامت میں پوری کرو اس کے بعد آپؐ نے حجرے کا پردہ ڈال دیا۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ مُسْنِدَةً النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى صَدْرِي أَوْ قَالَتْ إِلَى حِجْرِي فَدَعَا بِطَسْتٍ

يَبُوْلَ فِيْهِ ثُمَّ بَالَ فَمَاتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (آخر وقت میں) میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے پر یا اپنی گود میں سہارا دے رکھا تھا، آپؐ نے ایک طشت منگوایا اور پیشاب سے فراغت حاصل فرمائی پھر آپ کا وصال ہوگیا۔

تشریح جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا وقت ہوا تو آپ صحیح روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرے میں قیام فرما تھے اور روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ نے آپؐ کو اپنے سینے یا گود میں سہارا دے رکھا تھا، آخری وقت میں پیشاب کی حاجت ہوئی تو ایک برتن منگوایا اور اس میں فراغت حاصل کی پھر آپؐ کا انتقال ہوگیا۔

(۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُوْسَى بْنِ سَرْجِسَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيْهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ اَوْ قَالَ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال کے وقت دیکھا ان کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا، آپ اس پیالے میں اپنا ہاتھ داخل فرماتے اور چہرے پر پھیر لیتے پھر یہ دعا کرتے کہ خدا موت کی پریشانی پر میری مدد فرما۔

تشریح منکرات الموت اور سکرات الموت کا ایک ہی مطلب ہے موت کے شدائد وفات کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی اور سخت تکلیف کا عالم طاری تھا، اس وقت آپ پانی لے کر اپنے چہرۂ انور پر ہاتھ ملتے ہوئے دعا کر رہے تھے کہ خدا میری مدد فرما ۔ تکلیف کے موقع کے لئے آپ خدا سے استدعا فرما رہے تھے، یہ تعلیم بھی ہے کہ آخری وقت میں

خدا کی جانب رجوع ہونا چاہئے اور اس سے اپنی پریشانی اور تکلیف کم کرنے کی دعا کرنی چاہئے

(۴) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَا اَغْبِطُ اَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِىْ رَاَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى سَاَلْتُ اَبَا زُرْعَةَ فَقُلْتُ لَهٗ مَنْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَاءِ هٰذَا قَالَ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ موت کے وقت شدت تکلیف جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھی اس کے بعد کسی کی آسان موت پر مجھے رشک نہیں ہوتا۔

تشریح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں کہ موت کے وقت سہولت کی طلب انسان میں ہوتی ہے اس لئے ممکن تھا کہ کسی کی آسان موت پر میں رشک کرنے لگتی مگر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف اور شدت ان کی وفات کے وقت دیکھی تو یقین ہوگیا کہ شدت درجہ بھی اچھی علامت ہے اور یقین ہوگیا کہ آسان موت کوئی ایسی خوبی نہیں کہ اسمیں رشک کروں ان کے قول کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی موت کے وقت تکلیف کو غلط نہیں مان سکتی، اور نہ میں کسی کی آسان موت پر رشک کرسکتی ہوں، شدتِ موت منذرات میں سے نہیں اور سہولتِ موت کرامات میں سے نہیں ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ هُوَ ابْنُ الْمُلَيْكِىِّ عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوْا فِىْ دَفْنِهٖ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيْتُهٗ قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِى الْمَوْضِعِ الَّذِىْ يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ، اُدْفُنُوْهُ فِىْ

مَوْضِعِ فِرَاشِهِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو صحابہ میں آپ کی تدفین کے مقام پر اختلاف ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی جو اب تک بھولا نہیں ہوں، آپؐ نے فرمایا تھا کہ نبی کی وفات اسی جگہ ہوتی ہے جہاں وہ دفن ہونا پسند کرتے ہیں، لہذا ان کو ان کے مقام رحلت ہی میں دفن کرو۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے مسئلے ایسے تھے جن میں صحابہ کی رائے میں اختلاف ہوا تھا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے ہی صائب اور درست تسلیم کی گئی چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب صحابہ میں اختلاف رائے ہوا کہ ان کی تدفین کہاں اور کس جگہ کی جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سن رکھا تھا کہ انبیاء کی موت جہاں ہو وہیں ان کی تدفین ہونی چاہیئے، آنحضورؐ کو بھی ان کے آخری وقت کی جگہ پر ہی دفن کیا جائے۔

حضرت یوسفؑ کی تدفین کے بارے میں آیا ہے کہ اولاً جہاں ان کی رحلت ہوئی یعنی مصر میں وہیں ان کو دفنایا گیا تھا مگر بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا جنازہ وہاں سے منتقل کر کے فلسطین میں دفن کیا تھا، تو یہ واقعہ حدیث مذکور کے منافی نہیں ہے، البتہ حضرت موسیٰؑ کا عمل وحی من اللہ پر محمول ہوگا۔

(۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَعَبَّاسُ الْعَنْبَرِيُّ وَسَوَّارُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا مَاتَ ۔

حضرت ابن عباس و عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضور ؐ کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا

(۷) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْعَطَّارُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابَنُوسَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَابَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهِ فَوَضَعَ فَمَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى سَاعِدَيْهِ وَقَالَ وَانَبِيَّاهُ وَاصَفِيَّاهُ وَاخَلِيلَاهُ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اپنا منھ آنحضور ؐ کے دونوں آنکھوں کے درمیان رکھ دیا (بوسہ دیا) اور اپنے ہاتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو پر رکھ کر فرمایا ہائے نبی، ہائے صفی، ہائے خلیل ۔

تحقیق وتشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے ہیں تو تبرکاً انھوں نے آنحضور ؐ کی پیشانی کا بوسہ دیا ہے (انھیں کے اقتدا میں حضرت عثمان بن مظعون نے بھی بوسہ دیا ہے) اور اپنے غایت تعلق وعقیدت کو بغرض نوحہ کے ظاہر فرماتے ہوئے کہا اے نبی برحق! اور خدا کے برگزیدہ اور خلیل وانبیاہ کے اخیر میں ہائے ساکن ہے اور الف کو آواز بڑھانے کے لئے تاکہ مندوب منادی سے ممتاز ہوجائے۔

(۸) حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَمَا نَفَضْنَا أَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو وہاں کی ہر چیز منور ہو گئی تھی، اور جس دن آپ کا وصال ہوا ہے تو ہر چیز تاریک ہو گئی تھی، اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے بعد ہاتھوں سے مٹی جھاڑ بھی نہیں پائے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں تغیر محسوس کیا تھا۔

تشریح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ میں روشنی پھیل گئی اور ہر چیز منور ہو گئی، مگر جب آپ کی رحلت ہوئی تو مدینہ تاریک ہو گیا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روشنی معنوی تھی اور تاریکی بھی، یعنی آپ کی آمد پر نور اور روشنی کا احساس ہوا تھا اور وفات پر جیسے نور ہی ختم ہو گیا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ روشنی اور تاریکی دونوں چیزیں ظاہری طور پر ہوئی تھیں اور یہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا، مگر علماء کہتے ہیں کہ یہ مطلب درست نہیں ہے، روشنی اور تاریکی معنوی تھی کیونکہ کسی صحابی سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے روشنی یا تاریکی دیکھی تھی، محسوس ہونا الگ چیز ہے جو یقیناً پائی جا رہی تھی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے بعد راوی کے بقول ہمارے دلوں کی کیفیت بھی بدل گئی تھی نہ ؤہ رقت اور خلوص تھا نہ برکت جو آنحضورؐ کی صحبت سے ہمیں حاصل تھی۔

(۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا تھا۔

(۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فَمَكَثَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ وَلَيْلَةَ الثُّلَاثَاءِ وَدُفِنَ مِنَ اللَّيْلِ، قَالَ سُفْيَانُ وَقَالَ غَيْرُهُ يُسْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِيْ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ ۔

حضرت باقر (تابعی) سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت دوشنبہ کے دن ہوئی تھی، تو وہ دن اور منگل کی رات اس طرح گذری پھر رات کے وقت تدفین عمل میں آئی، دوسری روایت میں ہے کہ اخیر وقت میں پھاوڑوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

(۱۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ.
قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

حضرت ابو سلمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ کے دن ہوا اور منگل کے روز تدفین ہوئی۔

تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن میں تمام روایتوں کا اتفاق ہے کہ دوشنبہ کے روز صبح کے وقت ہوئی مگر تدفین کب ہوئی تو روایتیں مختلف ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ منگل کی رات، اور بعض سے منگل کا دن اور زیادہ تر روایتوں میں آیا ہے کہ منگل کا دن گذرنے کے بعد بدھ کی رات کو تدفین ہوئی۔

جہاں منگل کے دن کا ذکر ہے جیسے کہ مذکورہ روایت میں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تجہیز و تکفین کی ابتدا منگل کے دن ہی سے شروع ہو گئی تھی اور رات کو تدفین مکمل ہوئی، اس سے پہلی والی روایت میں دفن من اللیل کا لفظ ہے کس دن کو ہوا، یہ صریحاً نہیں ہے مگر ثابت ہے کہ بدھ کی رات کو تدفین ہوئی۔

پیر کے دن صبح کو وصال ہوا وہ دن اور اگلا دن بھی انتظامات میں گذرا تب جاکر بدھ کی رات میں دفن کیئے گئے۔ اس تاخیر کی وجوہات بہت سی ذکر کی گئی ہیں اہم ترین وجہ تو تمام صحابہ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور امیر المؤمنین کے منتخب کرنے کا مسئلہ تھا جو ان دو دنوں میں طے ہوا، پھر تجہیز و تکفین کا کام ہوا۔

(۱۲) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ قَالَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ نُبَيْطٍ أَخْبَرَنَا نُعَيْمُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ عَنْ نُبَيْطِ بْنِ شَرِيطٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ أُغْمِيَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ فَأَفَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالُوا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ أَوْ قَالَ بِالنَّاسِ ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَأَفَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَالُوا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ إِنَّ أَبِي رَجُلٌ أَسِيفٌ إِذَا قَامَ ذَلِكَ الْمَقَامَ بَكَى فَلَا يَسْتَطِيعُ فَلَوْ أَمَرْتَ غَيْرَهُ قَالَ ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَأَفَاقَ فَقَالَ مُرُوا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ أَوْ صَوَاحِبَاتُ يُوسُفَ قَالَ فَأُمِرَ بِلَالٌ فَأَذَّنَ وَأُمِرَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ خِفَّةً فَقَالَ انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَتَّكِئُ عَلَيْهِ فَجَاءَتْ بَرِيرَةُ وَرَجُلٌ آخَرُ فَاتَّكَأَ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَنْكُصَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ يَثْبُتَ مَكَانَهُ حَتَّى قَضَى أَبُو بَكْرٍ صَلَاتَهُ ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ فَقَالَ عُمَرُ وَاللَّهِ لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ إِلَّا ضَرَبْتُهُ بِسَيْفِي هَذَا، قَالَ وَكَانَ النَّاسُ أُمِّيِّينَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ نَبِيٌّ قَبْلَهُ فَأَمْسَكَ النَّاسُ قَالُوا يَا سَالِمُ انْطَلِقْ إِلَى صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادْعُهُ فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَتَيْتُهُ أَبْكِي دَهِشًا فَلَمَّا رَآنِي قَالَ لِي أَقُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ إِنَّ عُمَرَ يَقُولُ لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ إِلَّا ضَرَبْتُهُ بِسَيْفِي هَذَا قَالَ لِي انْطَلِقْ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَجَاءَ هُوَ وَالنَّاسُ قَدْ دَخَلُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْرِجُوا لِي فَأَفْرَجُوا لَهُ فَجَاءَ حَتَّى أَكَبَّ عَلَيْهِ وَمَسَّهُ فَقَالَ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ثُمَّ قَالُوا

يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ فَعَلِمُوا اَنْ قَدْ صَدَقَ قَالُوا يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوا وَكَيْفَ قَالَ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيَدْعُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ ثُمَّ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَدْعُوْنَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَدْخُلَ النَّاسُ قَالُوا يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَيُدْفَنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوا اَيْنَ قَالَ فِي الْمَكَانِ الَّذِيْ قَبَضَ اللّٰهُ فِيْهِ رُوْحَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَقْبِضْ رُوْحَهُ اِلَّا فِيْ مَكَانٍ طَيِّبٍ فَعَلِمُوا اَنْ قَدْ صَدَقَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يُغَسِّلَهُ بَنُوْ اَبِيْهِ، وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُوْنَ يَتَشَاوَرُوْنَ فَقَالُوا انْطَلِقْ بِنَا اِلٰى اِخْوَانِنَا مِنَ الْاَنْصَارِ نُدْخِلُهُمْ مَعَنَا فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ مِنَّا اَمِيْرٌ وَمِنْكُمْ اَمِيْرٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ لَهٗ مِثْلُ هٰذِهِ الثَّلَاثِ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا مَنْ هُمَا قَالَ ثُمَّ بَسَطَ يَدَهٗ فَبَايَعَهٗ وَبَايَعَهُ النَّاسُ بَيْعَةً حَسَنَةً جَمِيْلَةً ۔

حضرت سالم بن عبید جو صحابی ہیں وہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مرض میں جس میں آپ کی رحلت ہوئی غشی ہوئی اور جب افاقہ ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ نماز کا وقت ہو گیا یا نہیں لوگوں نے جواب دیا ہاں، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال کو اذان دینے کو کہو (یا یہ کہ نماز کی تیاری کرنے کو کہو) اور ابو بکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھا دیں، اس کے بعد آپ پر پھر غشی طاری ہو گئی، اور جب دوبارہ افاقہ ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا نماز کا وقت ہو گیا؟ لوگوں نے کہا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا بلال سے کہو نماز کی تیاری کریں اور ابو بکرؓ سے کہو نماز پڑھائیں، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرے والد (ابو بکرؓ) رقیق القلب اور غمزدہ

شخص ہیں اگر وہ نماز پڑھانے لگے تو رو پڑیں گے اور نماز نہیں پڑھا سکیں گے، اگر
آپ اور کسی کو فرمادیں تو زیادہ بہتر ہوگا، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ پر بیہوشی
طاری ہوگئی، اور پھر افاقہ ہوا تو فرمایا بلال تیاری کریں اور ابو بکر نماز پڑھائیں، تم تو
یوسف علیہ السلام کے واقعہ والی عورت بن رہی ہو، اس کے بعد حضرت بلال کو بتادیا
گیا تو انھوں نے اقامت کہی اور حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھانی شروع کی، اتنے میں
جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑا آرام ملا تو فرمایا کوئی ہے جس کا سہارا لے سکوں
تو حضرت بریرہؓ (حضرت عائشہؓ کی باندی) اور ایک آدمی آئے، آپ نے ان دونوں
کا سہارا لیا اور مسجد کی جانب چل پڑے تو جب ابو بکرؓ نے آپ کو آتا ہوا دیکھا تو
ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹ جائیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا کہ وہ اپنی
جگہ کھڑے رہیں یہاں تک کہ حضرت ابو بکر نے نماز پوری کرادی۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کھڑے ہوکر کہنے لگے اگر میں نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
انتقال ہوگیا ہے تو اپنی اس تلوار سے اسے ختم کردوں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ لوگ
عام طور پر اُمّی (ان پڑھ) تھے اور نہ کوئی نبی ان میں پہلے گذرا جن کا تجربہ ہوتا اسلئے
حضرت عمر کی بات پر سب چپ ہو رہے اور لوگوں نے مجھ سے کہا کہ سالم تم جاؤ جاکر
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی ساتھی ابو بکرؓ کو بلا لاؤ، چنانچہ میں حضرت
ابو بکرؓ کی خدمت میں روتا پیٹتا اور دہشت زدہ حاضر ہوا وہ مسجد میں تھے انھوں
نے مجھے دیکھتے ہی دریافت کیا کہ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، میں نے
کہا کہ حضرت عمرؓ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر کسی نے آنحضورؐ کی وفات کی بات بھی کی تو
اس کی گردن اس تلوار سے اڑادوں گا، حضرت ابو بکرؓ نے کہا میرے ساتھ آؤ، میں ان
کے ساتھ چل پڑا، وہ جب آئے ہیں تو لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مجمع
لگا رکھا تھا، انھوں نے کہا مجھے راستہ دو، وہ اندر گئے اور جھک کر دیکھا اور آنحضو
کو بوسہ دیا اور یہ آیت پڑھی انک میت وانھم میتون یعنی آپ بھی وفات پائینگے

اور وہ دشمن بھی مریں گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے صاحب رسول! کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں، تب لوگوں کو یقین ہوگیا، پھر صحابہؓ نے ان سے پوچھا کہ اے رفیق رسول اللہ کیا ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ کہا کہ ہاں پوچھا گیا کہ کس طرح؟ تو فرمایا کہ اس طرح کہ ایک جماعت داخل ہو اور نماز پڑھ کر نکل جائے پھر دوسرے لوگ جائیں اور نماز پڑھیں اس طرح سب ہی الگ الگ نماز جنازہ ادا کریں، صحابہ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ کیا آپ دفن بھی کئے جائیں گے، انھوں نے کہا یقیناً پوچھا کہ کہاں تو جواب دیا کہ اس جگہ پر جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے اس لئے کہ خدا نے آپ کی وفات یقیناً پاکیزہ جگہ میں ہی مقرر کی ہوگی، لوگوں کو یقین ہوگیا کہ جو کچھ وہ فرما رہے ہیں درست ہے، پھر ابوبکرؓ نے آپؐ کے اہل خاندان کو غسل دینے کا حکم فرمایا، اس پر مہاجرین جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے اور کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو جائینگے اور ایک امیر تم میں سے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کون شخص ایسا ہے جس کے لئے یہ تین فضیلتیں بیک وقت ہوں، ابوبکرؓ ہی ہیں جو غار میں آپؐ کے ساتھ تھے اور کوئی نہیں تھا، جب آنحضور صلی اللہ علیہ نے اپنے رفیق سے کہا تھا لاتحزن ان اللہ معنا۔ وہ دونوں کون ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، اسکے ساتھ ہی حضرت عمر نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر تو تمام صحابہ نے ابوبکرؓ کو امیر تسلیم کرتے ہوئے برضا و رغبت بیعت کی۔

تحقیق

اُغمی علیٰ: بے ہوش ہونا، اغمی علی المریض: غشی طاری ہونا

افاق:۔ افاقہ ہوا، ہوش میں آئے، حدیث سے ثابت ہوا کہ انبیاء پر غشی طاری ہو سکتی ہے، جنون نہیں، اور یہ اغماء بھی انبیاء کے لئے بہت مختصر ہوتا، یہ عام انسانوں کی طرح طویل نہیں ہو سکتا۔

حضرت الصلاۃ: ہمزۂ استفہام مقدر ہے اُحضرت یعنی کیا نماز کا وقت ہوگیا ہے

آسیف: غمزدہ، رقیق القلب۔

صَوَاحِبِ یوسف :۔ یہ خطاب گو کہ جمع سے ہے مگر مراد صرف حضرت عائشہ رضؓ ہیں، اور ان کو حضرت زلیخا سے تشبیہ دی گئی ہے، کہا گیا کہ تم بھی وہی کردار ادا کرنے کی صورت اپنا رہی ہو جو زلیخا نے کیا تھا کہ عورتوں کو دعوت دی اپنے گھر اور مقصد تھا حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کا دیدار کرنا، تاکہ وہ عورتیں ان کی محبت پر ملامت نہ کریں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد تھا امامت اپنے والد کے علاوہ کسی کے سپرد کرنا تاکہ ابوبکر سے نحوست کا وسوسہ نہ ہو۔

خِفَّۃ :۔ ہلکاپن، آرام، افاقہ۔

اَتَّکِی :۔ جس کا سہارا لوں اور مسجد تک جاسکوں۔

فَجاءت بَرِیرَۃ :۔ بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی ہیں، گویا ایک طرف وہ کھڑی ہوئیں اور دوسری طرف کوئی مرد مگر صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ دو مرد تھے جن کے سہارے آپ کھڑے ہوئے تھے اور بخاری و مسلم کی روایتوں کے مطابق حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ نکلکر آئے تھے سہارا دینے۔

لِیَنکِصَ :۔ النکوص: پیچھے ہٹنا، واپس لوٹنا۔

اُمِّیِّین :۔ امی وہ شخص ہے جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو، ضروری نہیں کہ وہ علم سے بھی نابلد ہو۔

اَمسَكَ :۔ اپنے آپ کو روک لیا یعنی صحابہ نے بغیر کسی تبصرہ کے خاموشی اختیار کرلی۔

ابکی دھشا :۔ گھبراہٹ کی حالت میں روتا ہوا۔

افرجوا :۔ افراج: کشادگی پیدا کرنا، گنجائش چھوڑنا۔ راستہ دینا۔

اَکَبَّ علیه :۔ متوجہ ہونا، جھک کر دیکھنا، غور سے دیکھنا۔

یُکَبِّرُون ویَدعُون ویُصَلُّون :۔ نماز جنازہ ادا کریں، کہ چار تکبیرات کہیں اور دعا و صلاۃ جو نماز جنازہ کا حاصل ہے۔

فَبَایَعَہٗ :۔ حضرت عمر نے ابوبکر رضؓ سے بیعت کی، ہ ضمیر کا مرجع ابوبکر ہیں۔

تشریح و تفصیل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ربیع الاوّل میں دوشنبہ کے دن ہوا، اس میں کسی

کا کوئی اختلاف نہیں اور مشہور قول کے مطابق مہینے کی ۱۲ تاریخ تھی، مگر اس سے قبل آپ مرض الموت کی حالت میں رہے ہیں، وصال سے پہلے بیماری کا عارضہ شروع ہو گیا تھا، ابتدا درد سر سے ہوئی اور اس مرض میں کبھی شدت آئی تو کبھی افاقہ بھی ہوا، جب آپ بہتر حالت میں رہے اس وقت مسجد میں نماز آپ نے ہی پڑھائی، اور جب غشی کی کیفیت رہی اس وقت امامت آپ کے یارِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمائی، آپ کے وصال کے بعد اصحاب پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، بالآخر انھوں نے حضرت ابو بکر رض کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے خلیفہ اور امیر المؤمنین متعین ہوئے، ان واقعات کی ترتیب وار تفصیل پیش ہے۔

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ماہ صفر کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کی تدفین کے بعد بقیع سے واپس تشریف لائے تو آپ کے سر میں ہلکا ہلکا درد شروع ہو گیا اس وقت آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما تھے، مگر ابھی مرض اس درجے میں نہیں تھا کہ کوئی تشویش ہوتی۔

البتہ جس روز آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے تو مرض الموت کا عارضہ شروع ہو گیا، اس بنا پر روایتوں کا اختلاف پایا جاتا ہے کہ مرض الموت کی ابتدا کب ہوئی اور کس کے گھر سے ہوئی، گویا حقیقی ابتداء تو حضرت عائشہ رض کے گھر سے ہوئی، مگر اشتدادِ مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رض کے گھر سے ہوئی، اور جب مرض بڑھ گیا تو آنحضور ص نے دیگر ازواج مطہرات سے اجازت چاہی کہ حضرت عائشہ رض کے مکان میں قیام فرمائیں، سبھوں نے اجازت دیدی، تو آپ ص نے دو افراد کا سہارا لیا اور حضرت عائشہ کے مکان پر قیام فرمایا۔

اسی بنا پر یہ اختلاف بھی ہے کہ آپ کا یہ مرض کتنے دنوں کا تھا، بعض روایتوں سے ۱۳ ر بعض سے ۱۴، بعض سے دس، حتیٰ کہ بعض سے صرف سات دنوں کا پتہ چلتا ہے، مگر مشہور قول کے موافق جب سے مرض کی ابتدا ہوئی ۱۴ ر دنوں کا عارضہ رہا ہے۔ اختلافِ روایت مرض کی شدت کے لحاظ سے یا حضرت عائشہ رض کے مکان میں قیام کے حساب سے ہوا ہے۔

اس مرض کے دوران آپ ص نے لوگوں کے سامنے ایک طویل خطبہ بھی دیا ہے، جس میں صحیح روایتوں کے مطابق آنحضور ص نے حضرت ابو بکر کو افضل بھی قرار دیا ہے۔ یہ خطبہ وفات سے پانچ

روز پہلے دیا ہے۔

اس دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بٹھا کر کچھ فرمایا تو وہ رو پڑیں پھر کچھ فرمایا تو مسکراتی ہیں، اس کے متعلق روایت ہے کہ آپؐ نے اپنی وفات کے بارے میں فرمایا تو رونے لگیں، پھر آپؐ نے فرمایا تم اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے ملوگی تو آپ ہنسی ہیں،

اس مرض میں آپ پر کبھی غشی کی کیفیت ہوتی اور کبھی افاقہ ہو جاتا، اس لئے جب آپؐ نے فرمایا تھا کہ لاؤ تم لوگوں کے لئے کوئی تحریر لکھ دوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے مرض کی شدت دیکھتے ہوئے آپ کو معمولی زحمت سے بھی محفوظ رکھنے کے لئے فرمایا تھا کہ آنحضورؐ پر تکلیف کا غلبہ ہے اس وقت کچھ لکھوانا مناسب نہیں ہے۔

جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے جا سکتے تھے اس وقت تک برابر تشریف لے گئے اور امامت فرمائی اور جب غشی کی کیفیت بڑھ گئی اور مرض بہت شدید ہو گیا ایسے میں جب افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا کہ کیا نماز کا وقت ہو گیا، لوگوں نے عرض کیا ہاں تو آپؐ نے فرمایا کہ بلال سے کہو اذان دیں اور ابو بکر سے کہو نماز پڑھا دیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آخری وقت قریب آ چکا تھا اور اس کے بعد آپؐ دوبارہ مسجد تشریف نہیں لے جا سکے، اس سے پہلے کئی دفعہ آپنے ابو بکرؓ صدیق سے امامت کرائی تھی۔

حضرت سالم جو اس روایت کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ آپؐ نے ایک دفعہ فرمایا پھر غشی طاری ہو گئی اور لوگ آپ کے افاقے کا انتظار ہی کرتے رہے، دوبارہ آپؐ نے یہی فرمایا تو حضرت عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہ میرے والد رقیق القلب ہیں وہ نماز پڑھانے لگے تو رو پڑیں گے بہتر ہو گا کسی اور کو حکم فرما دیں، اتنے میں آپ پر غشی ہوئی اور پھر افاقہ ہوا تو فرمایا کہ ابو بکر ہی نماز پڑھائیں، تم عورتیں حضرت یوسف کی ساتھیوں کی طرح ہو، اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کو اطلاع دی گئی تو آپ نے نماز پڑھانی شروع فرما دی، درمیان میں افاقہ ہوا تو آپؐ نے مسجد میں تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا اور سہارا طلب کیا تو دو افراد نے سہارا دیا، آپؐ نے پردہ ہٹایا تو لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، لگا جیسے وہ اپنی نمازیں توڑ دیں گے، حضرت ابو بکرؓ نے بھی محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے تا کہ آپؐ آ کر

نماز پڑھادیں مگر آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے نماز پوری کرائی اور تاحیات انھوں نے امامت فرمائی۔

حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ آپؐ کسی اور کو حکم دیدیں اس کی وضاحت خود حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے ہوجاتی ہے کہ ہم بار بار آنحضورؐ سے کہہ رہے تھے کہ ابو بکرؓ کو امامت کیلئے نہ فرمائیں اس کی وجہ یہ تھی کہ جو شخص آنحضورؐ کی جگہ کھڑا ہوگا اس کو صحابہ پسند نہیں کریں گے اور منحوس کہیں گے۔

دوسری بات اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی باندی بریرہ اور حضرت اسامہ نے آپ کو سہارا دیا، آپ کو سہارا دینے کے سلسلہ میں مختلف روایتیں ہیں، کہیں حضرت عباس وعلی، تو کہیں فضل بن عباس اور اسامہ اور کہیں کوئی اور نام ہے، محدثین ان کی تطبیق یوں دیتے ہیں کہ مرض کے دوران بارہا آپ نے دو فرد کا سہارا لیا ہے اسلئے مختلف اوقات میں مختلف افراد ہوسکتے ہیں فلا تعارض فی الروایات۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی ایک روایت کے مطابق جب آپؐ کا وصال ہوا تو آپؐ کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا، آپؐ کے وصال سے لوگوں میں عجیب کیفیت طاری ہوئی، کوئی اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا، لوگ امّی تھے، سمجھتے تھے کہ نبیٔ آخر الزماں کا وصال نہیں ہوگا اس کیفیت کے شکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ اگر کسی نے بھی کہا کہ آپؐ کی وفات ہوگئی ہے تو اس کی گردن اڑادوں گا۔

اور جس وقت آپؐ کا انتقال ہوا، حضرت ابو بکرؓ وہاں موجود نہیں تھے آنحضورؐ ہی کی اجازت سے وہ مسجد نبوی سے ایک میل کی دوری پر اپنی زوجہ کی تیمارداری میں لگے تھے، اس لئے آپؐ کے وصال پر لوگوں کی ہیجانی کیفیت کو قابو میں کرنے والا کوئی نہیں تھا، دوسری طرف حضرت عمرؓ کا وہ انداز، تمام صحابہ نے راوی حضرت سالم سے کہا کہ جاؤ اور حضرت ابو بکر کو بلا لاؤ وہی آنحضورؐ کے رفیق ہیں صحیح رائے اور مشورہ دے سکیں گے، سالم روتے ہوئے ابو بکرؓ کے پاس گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے معاملہ بھانپ لیا اور پوچھ لیا کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے؟ جواب دیا کہ ہم کیا کہیں حضرت عمرؓ تو تلوار لئے یہ فرما رہے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ ان کو لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ پر تشریف لائے تو مجمع لگا ہوا

تھا، آپ نے راستہ طلب کیا اور اندر داخل ہوئے۔ غور سے آنحضورؐ کو دیکھا بلکہ جھکے اور آپؐ کے بازو پر ہاتھ رکھا، یقین ہو گیا کہ آنحضورؐ کا انتقال ہو چکا ہے تو انھوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور آیت پڑھی انک میت وانھم ملیتون پھر وہ باہر نکلے تو لوگوں نے پوچھا کیا آپؐ کا وصال ہو گیا، جواب دیا، ہاں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا، ان کو ہوش آیا تو اپنے کلمات سے رجوع کیا، اس سخت تر موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی توفیق استقامت حاصل تھی، یہ بھی ایک بنیاد تھی اس بات کی کہ وہی آنحضورؐ کے خلیفہ ہو سکتے ہیں۔

پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین و تجہیز کا مسئلہ سامنے آیا حضرت ابو بکرؓ نے اہل بیت کے افراد کو غسل دینے کو کہا، حضرت علی وعباس و دیگر اہل بیت نے اس طرح غسل دیا کہ آپ کے جسد اطہر کا کوئی حصہ کوئی نہ دیکھ پائے، انہی کپڑوں میں غسل دیا گیا اور جہاں وفات ہوئی تھی وہیں تدفین طے پائی، نماز جنازہ کے بارے میں لوگوں نے دریافت کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا لوگ آتے جائیں تکبیر کہیں اور صلوٰۃ وسلام کے بعد نکل جائیں باضابطہ نماز جس میں امامت بھی ہو نہیں ہوئی۔

جب تجہیز و تکفین کا سلسلہ جاری تھا مسئلہ کھڑا ہوا آنحضور کے خلیفہ ہونے کا اور امیر المومنین متعین کیے جانے کا، اس پر مہاجرین وانصار نے مشورے کیے۔ انصار نے کہا ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہو جائے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت صدیق اکبر کی فضیلتیں شمار کرانی شروع کر دیں اور خاص طور پر کہا کہ بتاؤ ایک آیت میں کس شخص کے لئے بیک وقت تین فضیلتیں ذکر ہیں۔ اذ ھما فی الغار الخ آنحضورؐ کے رفیق صرف ابو بکر رہے اور خدا نے آنحضورؐ کے ساتھ ذکر کیا تو صرف ابو بکر کا۔ اور کون ہے جو ان سے افضل ہو سکتا ہے، سب نے اقرار کیا تو پہلے حضرت عمرؓ نے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد تو متفقہ طور پر لوگوں نے حضرت ابو بکر کو اپنا واحد امیر تسلیم کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی

(۱۳) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِیٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الزُّبَیْرِ شَیْخٌ بَاھِلِیٌّ قَدِیْمٌ بَصْرِیٌّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ الْبُنَانِیُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَرْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَاكَرْبَاهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا كَرْبَ عَلَى اَبِيْكِ بَعْدَ الْيَوْمِ، اِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ اَبِيْكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ اَحَدُ الْوَفَاةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات کی تکلیف اور شدت محسوس فرمائی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کتنی تکلیف ہے! آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا آج کے بعد تمھارے والد کو کوئی تکلیف اور کرب نہیں ہوگا تمھارے باپ کو آج موت کی صورت میں جو چیز لاحق ہے اس سے قیامت تک کسی کو چھٹکارا نہیں

تحقیق

ما وجد :۔ ما موصول بمعنی الذی، یعنی جو تکلیف اور شدت محسوس فرما رہے تھے۔

واکرباہ :۔ میرے والد کو کتنی تکلیف ہے۔ بفتح الکاف وسکون الراء مندوب ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صیغۂ مندوب سے غم کا اظہار جائز ہے۔

الوفاۃ: یہ ما کا بیان ہے اور ما حضر کا فاعل

یوم القیامۃ :۔ منصوب بنزع الخافض یعنی الی یوم القیامۃ۔

(۱۴) حَدَّثَنَا اَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ بَارِقٍ الْحَنَفِيُّ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّيْ اَبَا اُمِّيْ سِمَاكَ بْنَ وَلِيْدٍ يُحَدِّثُ اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ قَالَتْ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ فَاَنَا فَرَطٌ لِاُمَّتِيْ لَنْ يُصَابُوْا بِمِثْلِيْ .

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے جس کے دو بچے ذخیرۂ آخرت بن جائیں خداوند تعالیٰ ان دونوں کی

بدولت اس شخص کو جنت میں داخل کر دیگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اگر کسی کا ایک ہی بچہ ذخیرۃ بنا ہو تو اس کا کیا حکم ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اس کو بھی بخشدیا جائیگا خدا کی نیک بندی! اس پر حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ اگر کسی کا کوئی بچہ نہ گذرا ہو اس کا کیا ہوگا تو آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کے لئے ذخیرۃ آخرت ہوں گا کیونکہ میری امت کو میرے وصال کا غم سب سے زیادہ ہوگا۔

تحقیق فَرَط :- بفتح الفاء والراء، یعنی آگے ہونے والا، یہاں مراد وہ بچہ ہے جو بچپن میں اپنے والدین سے پہلے انتقال کر گیا، وہ جنت کا ذخیرہ ہوگا اپنے والدین کے لئے۔

مُوَفَّقَۃ :- حضرت عائشہؓ کو مخاطب کیا جا رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ خدا کی جانب سے جسے توفیق دی گئی دین کے کام بتانے کی نیک کاموں کی یا موجودہ سوال کی۔

لن یصابوا بمثل :- یعنی میری جدائی کا غم ان پر تمام مصائب سے زیادہ ہے اس پر اجر ملے گا۔

تشریح اس روایت میں امت محمدیہ کیلئے عظیم ترخیر کی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ امت کے فرد کو اجر ملیگا، اگر کوئی اولاد نہ مری ہو جس کے غم کے بدلے جنت کا وعدہ ہے تو کم از کم میری وفات اور جدائی کا غم تو ہر امتی کو ہوگا، اور جسے ہوگا اس کے لئے خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ذخیرۂ آخرت ہوں گے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی

مِیرَاثِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا بیان

میراث دراصل مصدر ہے مگر بمعنی مفعول موروث۔ جو مال وجائیداد چھوڑ کر آدمی مرے جس میں وراثت جاری ہوتی ہے اور ورثہ اپنا حق پاتے ہیں۔

امام ترمذی نے اپنی اس کتاب کی ابتدا کی تو سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک ذکر کیا جو ظاہری طور پر کسی بھی شخص کو نظر آتا ہے، اس کے بعد آنحضورؐ کے جملہ اوصاف، عادات، خصائل اور شمائل کا ذکر کرنے کے بعد آپ کی زندگی کے آخری ایام کی حالت بھی بتائی، اسکے بعد آنحضور کے وصال کا ذکر ہوا، اس طرح کتاب تمام ہوئی مگر وفات کے بعد مورث کے مال وجائداد کی وراثت کا مسئلہ ہوتا ہے جو ظاہر ہے متوفی ہی کی ملکیت سے متعلق ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مسئلہ یہ تھا کہ آپ کے مال وجائداد کا کیا ہوا، کون وارث ہوا یا کس کو حق ملا اور کس کو نہیں ملا۔ اس لئے میراث رسول اللہ کا باب قائم کرکے احادیث کی روشنی میں اس کی صراحت بھی فرمادی۔

اس باب کے تحت روایت کردہ احادیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مال متروکہ مروجہ میراث کی شکل میں نہیں تھا جس پر وراثت جاری ہوتی بلکہ آپ کی جملہ ملکیت ماسوائے نفقۂ عیال مسلمانوں کے لئے صدقہ تھی، گویا وقف تھا مسلمانوں کے مصالح اور ضرورت مندوں کے لئے، اور یہ بات مختلف روایتوں سے واضح ہے، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت سب سے مشہور ہے کہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا ہم انبیاء کی وراثت جاری نہیں ہوتی، جو بھی مال چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

اور یہ حکم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص تھا یا تمام انبیاء کے لئے ہے، جمہور کا مسلک یہ ہے کہ یہی حکم تمام انبیاء کے مال متروکہ کا ہے، اور جہاں کسی نبی کے بارے میں قرآن میں وراثت جاری ہونے کا بیان ہے وہاں مراد علم و معرفت ہے جو ظاہر ہے مال نہیں ہے۔

البتہ بہت سے صحابہ اور اہل بیت یا آل نبی کے بہت سے افراد کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا اس لئے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے وراثت کا دعوی کیا ہے۔ تصفیہ لے کر حضرت ابوبکر رض کے پاس پہونچے ہیں تو انھوں نے واضح طور پر فرمادیا کہ آنحضور ؐ نے کیا ارشاد فرمایا تھا، البتہ انھوں نے کہا کہ میں اسبات کا مکلف ہوں کہ اہل خاندان کو تا حیات ان کے اخراجات ادا کردوں، ان کی کفالت کردوں، وہ ہمارا فریضہ ہے، وہ ہر امیر المومنین کا فریضہ ہے پورا کریگا اسکے علاوہ اور کچھ نہیں۔

اسی طرح بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم جاؤ اور اپنے والد سے ہمارا حق ہمیں دلواؤ، اس پر حضرت عائشہ رض نے کہدیا کہ شاید آپ لوگوں کو یاد نہیں رہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، ہمارے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہوگا پھر سب خاموش ہوگئیں اور دوبارہ وراثت طلب ہی نہیں کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اموال متروکہ میں سے کچھ ہتھیار، سواری اور زمینیں تھیں بعض زمینوں کو امہات المومنین کے نان و نفقہ و اخراجات کے لئے مختص فرمادیا تھا جو ان کا حق تھا اور آپ کی زندگی ہی میں ان کی ملکیت ہوگئی تھی۔

اس باب کے تحت مصنف نے سات حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اِسْرَائِيلُ عَنْ اَبِي اِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَخِي جُوَيْرِيَةَ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ مَا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَتَهُ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً ۔

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو بن الحارث جو صحابی بھی ہیں روایت

کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات پر کوئی چیز نہیں چھوڑی سوائے ہتھیار اور اپنی سواری (دلدل) کے اور زمینوں کے جنھیں آپ نے پہلے ہی صدقہ کر دیا تھا

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ اِلَى اَبِىْ بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَتْ مَنْ يَّرِثُكَ فَقَالَ اَهْلِىْ وَ وَلَدِىْ فَقَالَتْ مَالِىْ لَا اَرِثُ اَبِىْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ وَلٰكِنِّىْ اَعُوْلُ عَلٰى مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْلُهُ وَاُنْفِقُ عَلٰى مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائیں اور کہا کہ آپؓ کی وفات کے بعد آپ کے مال متروکہ کے وارث کون ہوں گے تو انھوں نے جواب دیا میرے اہل و عیال اور اولاد، اس پر حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ میں اپنے والد کی وارث نہیں ہو سکتی، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہماری وراثت جاری نہیں ہوا کرتی، لیکن میں ان تمام لوگوں کی کفالت کروں گا جن کی کفالت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اور ان لوگوں پر خرچ کروں گا جن کے اخراجات آنحضور پورے فرماتے تھے۔

تحقیق لا نورث :۔ بسکون الواو و فتح الراء، مجہول کا صیغہ، لَا نُوْرَثُ یعنی ہماری وراثت جاری نہیں ہوا کرتی، کوئی ہمارا وارث نہیں ہوتا، اور دوسری لغت لَا نُوْرِثُ یا نُوْرِثُ معروف کا صیغہ یعنی ہم وارث نہیں بنایا کرتے، وراثت نہیں دیتے۔

اعول: بمعنی انفق عیال سے ماخوذ، جن کا خرچ برداشت کیا جائے

تشریح :۔ انبیاء کے مال میں وراثت نہیں ہوتی اس کی کئی مصلحتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) تاکہ لوگوں کو یہ گمان نہ ہو کہ نبوت مال حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔
(۲) دنیا کی ہر چیز خدا کی ملکیت ہے، انبیاء صرف متولی ہوتے ہیں۔
(۳) انبیاء کے مال میں وراثت جاری ہوتی تو ورثہ آپس میں وراثت کے لئے لڑائی کرتے اور نعوذ باللہ کوئی وارث نبی کی ہلاکت کے درپے بھی ہو سکتا تھا۔
(۴) مال تو ایک میل ہے اور ظاہر ہے انبیاء کی ذات اس سے محفوظ ہے۔
(۵) نبی تمام امت کے لئے باپ کے درجے میں ہیں تو اس میں سب کا حصہ ہوتا وغیرہ وغیرہ

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيْرٍ الْعَنْبَرِيُّ اَبُوْ غَسَّانَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِي الْبَخْتَرِيِّ اَنَّ الْعَبَّاسَ وَعَلِيًّا جَاءَا اِلٰى عُمَرَ يَخْتَصِمَانِ يَقُوْلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ اَنْتَ كَذَا، اَنْتَ كَذَا فَقَالَ عُمَرُ لِطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدٍ اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ اَسَمِعْتُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مَالِ نَبِيٍّ صَدَقَةٌ اِلَّا مَا اَطْعَمَهُ اِنَّا لَا نُوْرَثُ، وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

حضرت ابوالبختری سے روایت ہے کہ حضرت عباس اور علی رضی اللہ عنہما حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کے پاس آئے اور وہ دونوں کسی معاملہ میں ایک دوسرے پر اعتراض کرتے ہوئے کہہ رہے تھے، تم نے یہ کیا اور تم ایسے ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کہا کہ آپ حضرات سے خدا کے واسطے پوچھتا ہوں، بتائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی کا مال صدقہ ہوا کرتا ہے سوائے ان اموال کے جو آپ نے عیال کے اخراجات کے لئے عطا کر دیا ہو، ہم تو کسی کو وارث نہیں بناتے
(یہ حدیث آگے آرہی ہے وہاں تفصیل سے بحث ہوگی)

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيْسٰى عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ زُهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی ہم جو مال چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقْتَسَمُ وَرَثَتِي دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤْنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ورثاء دینار اور درہم تقسیم نہ کریں، جو کچھ بھی مال اپنے ازواج کے نفقہ اور عامل کے اخراجات کے بعد چھوڑوں وہ سب صدقہ ہے۔

تشریح اس کا دو مطلب ہو سکتا ہے ایک یہ کہ میں اپنے اہل وعیال اور عاملین کے اخراجات کے بعد جو مال متروکہ چھوڑوں گا اس کو میرے ورثہ تقسیم نہ کرنے لگ جائیں وہ سب صدقہ علی المسلمین ہے، گویا یہ نہی ہے، ممانعت فرما دی۔

دوسرا مطلب یہ کہ میرا کوئی مال ایسا ہوگا ہی نہیں دینار ودرہم میں سے جسے میرے ورثہ بطور وراثت لے سکیں گے، ہم تو مال وراثت کے لئے چھوڑتے ہی نہیں وہ سب صدقہ ہوا کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر عائد اہل وعیال کے نفقہ کے لئے کچھ زمینیں اور جائداد مخصوص فرمادی تھیں جن سے ان کی کفالت تاحیات ہوتی رہے، چنانچہ آپ کی زندگی ہی میں یہ ان کے تصرف میں آچکی تھیں اس پر آنحضورؐ کی ملکیت ہی باقی نہیں رہی، تو اس پر وراثت کیسی۔ اسکے علاوہ آپ نے فرمایا مؤنتہ عاملی، اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ میرے بعد امیر المؤمنین کی حیثیت سے کام کرنے والے کا خرچ بھی متعین ہے، یا یہ مطلب کہ جن افراد کو میں نے عامل علی الارض یا عامل علی الصدقہ مقرر کیا ہے ان کے اخراجات بھی انھیں

جائداد سے پورے کئے جائیں گے۔ اور ایک مطلب یہ بھی بتایا جاتا ہے کل عامل للمسلمین۔

(۶) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَطَلْحَةُ وَسَعْدٌ وَجَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ لَهُمْ عُمَرُ أَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ فَقَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثان کہتے ہیں کہ میں ایک روز امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے پاس معزز صحابہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، طلحہؓ تشریف لائے، تھوڑی دیر میں حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہم کسی بات پر جھگڑتے ہوئے آئے تو حضرت عمرؓ نے پہلے سے موجود صحابہ سے کہا میں آپ لوگوں کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے اشارہ پر زمین و آسمان قائم ہیں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لا نورث ما ترکناہ صدقۃ تو ان حضرات نے کہا یقیناً، حدیث میں طویل واقعہ ہے۔

تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ میں حضرت عباسؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھے، حضرت فاطمہ صاحبزادی ہیں اور حضرت عباسؓ چچا ہیں، حضرت علی نے اپنی زوجہ فاطمہ بنت النبیؐ کا حصہ طلب کیا ہے، ایک بیٹی کا حصہ نصف ہوا کرتا ہے اور باقیماندہ بحیثیت عصبہ کے چچا کو ملتا ہے، اس طرح دونوں حضرات نے نصف نصف کا مطالبہ کیا تھا۔

اور یہ وراثت تھی ان خاص زمینوں کے سلسلہ میں جو زندگی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فیٔ حاصل ہوئیں، ان میں اراضیٔ بنونضیر، فدک کی زمین، وادی القریٰ اور خیبر کی کچھ زمینیں تھیں، یہ سب آنحضورؐ کے مالکانہ تصرف میں تھیں اس پر آپؐ نے کبھی کسی کو تصرف اور قبضہ کا اختیار نہیں دیا، ان میں جن زمینوں کو آپ نے عیال کے نفقات کے لئے خاص کردیا

تھا، ان کو نفقات ملتے تھے، اس کے بعد آپ بقیہ مسلمانوں پر اور مصالح عام پر صرف فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسلم میں مروی ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے خیبر، فدک اور مدینہ کی اراضی میں سے جو رسول اللہ کی ملکیت تھیں اپنا حصہ طلب کیا، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ انبیاء کے متروکہ میں وراثت نہیں ہوتی، وہ جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے، البتہ جس جس کا نفقہ اس میں مقرر ہے وہ اسی طرح رہے گا اور جن جن کاموں میں آپ خرچ فرماتے تھے میں بھی انھیں کاموں میں خرچ کروں گا۔

یہاں مذکورہ روایت مالک بن اوس بن حدثان سے منقول ہے، اخیر میں امام ترمذیؒ نے کہدیا کہ واقعہ طویل ہے، اس کے بعد حدیث کا وہ واقعہ چھوڑ دیا، اس روایت کو امام ابوداؤد نے بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

مالک کہتے ہیں میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ امیر المؤمنین ہیں ان سے میری کچھ بات ہو رہی تھی کہ حضرت عمرؓ کا خادم آیا اور کہا چند معزز صحابہ آپ سے ملاقات چاہتے ہیں، انھوں نے اجازت دی تو حضرت عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر، سعد بن ابی وقاص (بعض روایتوں میں طلحہ کا ذکر بھی ہے) آئے اور بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں حضرت عباس اور حضرت علی اندر آئے، دونوں حضرات گرم ہو رہے تھے وہ دونوں آئے تو حضرت عمر سے کہا کہ آپ آج ہمارا فیصلہ کر دیں، دونوں کے درمیان تند کلامی بھی ہوئی اور جو جلیل القدر صحابہ پہلے آئے تھے اس سے میں یہ سمجھ گیا کہ وہ لوگ سفارش کے لئے آئے ہیں۔

حضرت عمر نے ان پانچوں صحابہ سے کہا آپ کو خدا کی ذات کا واسطہ آپ بتائیں کہ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہمارے مال میں وراثت نہیں ہوتی، ان سبھوں نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا تھا، پھر حضرت عمر ان دونوں صحابہ عباس و علیؓ کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا آپ لوگ بھی اس سے واقف ہیں، آپ دونوں حضرات میرے پیشرو امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور وراثت کا مطالبہ کیا تھا تو انھوں نے آنحضورؐ کا ارشاد نقل کر دیا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، البتہ انھوں نے آپ لوگوں کے اخراجات ادا کئے اور عیال کی کفالت کی، ان کا انتقال ہوا تو میں نے آنحضور کے اموال فئی میں

وہی طرز برقرار رکھا جو انھوں نے اپنایا تھا، پھر آپ دونوں میرے پاس دوبارہ آئے اور نصف نصف مال کا مطالبہ کیا میں نے ارشاد نبوی کی روشنی میں عمل کیا، ساتھ ہی تم دونوں کو مشترکہ طور پر ان زمینوں کا متولی متعین کردیا۔ اور اب پھر یہی قضیہ لے کر میرے پاس آئے ہو اور آپس میں جھگڑ بیٹھے ہو، خدا کی قسم میں پہلے فیصلے کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کروں گا، اگر تم لوگوں کو منظور ہو تو اسی طرح متولی رہو اور اپنے عیال کے اخراجات پورے کرو، اور اگر تم لوگ اس سے عاجز ہو گئے ہو تو میں کوئی دوسرا انتظام کر لوں گا۔ انتہیٰ۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت علی و حضرت عباس کو مسئلہ معلوم تھا، اور حضرت ابوبکر نے حدیث سنادی تھی تو پھر دوبارہ حضرت عمر کے پاس لڑتے ہوئے کیوں آئے تھے؟

دراصل صورت حال یہ ہوئی کہ پہلے حضرت عمر نے دونوں کو مشترکہ طور پر متولی مقرر کردیا اور وہ دونوں غالباً یہی چاہتے تھے مگر پھر آپس میں اختلاف ہوا، تو دونوں کی خواہش ہوئی کہ تولیت بھی زمین تقسیم کرکے الگ الگ کردی جائے مگر حضرت عمر نے زمینوں کا بٹوارہ اس طرح روا نہیں سمجھا کہ مبادا آگے چل کر یہ گمان ہونے لگے کہ الگ الگ حصہ بطور وراثت ہی حاصل ہوا ہے اس لئے فرمایا کہ تم دونوں اسی طرح متولی رہو گے جس طرح میں نے انتظام کیا ہے اور اگر تم لوگ اس پر عمل نہیں کرسکتے تو چھوڑ دو میں تولیت خود کر لوں گا یا کسی اور کے حوالے کردوں گا، البتہ آپ حضرات کی کفالت ہوتی رہے گی۔

اس واقعہ میں دونوں حضرات کے مابین وجہ اختلاف اور مخاصمت وغیرہ کے بارے میں تفصیل ہے جو یہاں ذکر نہیں کی جارہی ہے من یشاء ان یطالع فلیراجع من کتب الشروح علی صحیح البخاری ومسلم وسنن ابی داؤد۔

(۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيْرًا قَالَ وَاَشُكُّ فِي الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ۔

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں نہ تو دینار و درہم چھوڑے اور نہ بکری اور اونٹ ، راوی کہتے ہیں کہ مجھے تردد ہے شاید فرمایا تھا نہ غلام اور باندی ۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی رُؤْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا بیان

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، حالات و عادات یہاں تک کہ وفات کے بارے میں بیان ہو چکا، اس کے بعد میراث کا ذکر بھی ہو گیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کے دیدار کا سلسلہ ختم ہو گیا، مگر ایک ذریعہ ہے جس سے رؤیت ممکن ہو سکتی ہے اور وہ ہے خواب، اس کے بارے میں مصنف نے یہ باب قائم کیا ہے، جس کے تحت ۷ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

خواب کیا چیز ہے، خواب کی حقیقت کیا ہے اور خواب کی کتنی نوعیتیں ہیں؟ یہ سب سوالات مفصل بحث کا تقاضہ کرتے ہیں، یہاں مختصر طور پر ان کے بارے میں چند چیزیں پیش کی جا رہی ہیں۔

رؤیۃ: کے معنی دیکھنے کے ہیں اور رؤیا کے معنی خواب میں دیکھنے کے، اس لحاظ سے رویت عام ہے اور رؤیا خاص، یہاں وضاحت کر دی رُؤیۃ فی المنام۔

خواب کے بارے میں ایک جماعت فلاسفہ اور متکلمین کی کہتی ہے کہ یہ تخیلات ہیں اور انتزاعات، اس کے برعکس فقہاء کہتے ہیں کہ خواب ایک حقیقت ہے جو کبھی خیر ہوتی ہے اور کبھی شر اور کبھی مبشر اور کبھی منذر۔

مازری کہتے ہیں کہ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ خواب دراصل خدا کی جانب سے کچھ نظریات و خیالات کی صورت میں سونے والے کے دل میں ڈالنے کا نام ہے، خدا جس طرح جاگتے میں دل میں کوئی بات ڈال سکتا ہے، اسی طرح بحالت نوم بھی القاء کر سکتا ہے۔

خواب کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

۱:۔ ایک تو اس فرشتے کے تصرف سے ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہوتا ہے اور یہ حق ہوتا ہے۔
۲:۔ شیطانی اثر سے بھی ہوتا ہے، یعنی شیطان اپنے تصرف سے کچھ مثالیں اور چیزیں پیش کر دیتا ہے۔
۳:۔ قوت متخیلہ کے تصرف سے بھی ہوتا ہے، یعنی نفسانی خطرات اس کا سبب بنتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ خواب کو حقیقت غیر محصلہ مانتے ہیں، وہ مؤخرالذکر دو صورتوں کے اعتبار سے کہتے ہیں، اور جو اس کو حقیقت مانتے ہیں وہ پہلی قسم کو مراد لیتے ہیں، اسی لئے کہا گیا ہے الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان۔ حاصل یہ کہ نہ ہر خواب حقیقت ہے اور نہ ہر خواب باطل۔

اور پہلی قسم جو حقیقت کہلاتی ہے اس کے بھی درجات ہیں کبھی تو وہ ہو بہو پیش آجاتی ہے جس کو خواب تام کہتے ہیں، اور جہاں بدلی ہوئی صورت ہوتی ہے وہ تاویل کی محتاج ہے اس کی وضاحت کو ہی تعبیر کا نام دیا جاتا ہے، اس کے لئے وہی افراد موزوں ہوتے ہیں جو اس میں مہارت تامہ رکھتے ہوں، جیسے امام ابن سیرینؒ اس فن کے امام مانے جاتے ہیں۔

یہاں باب قائم کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے بارے میں، آیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا ممکن ہے یا نہیں، اور جیسا کہ تمام احادیث میں آرہا ہے خود آنحضورؐ نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو سمجھو صحیح دیکھا، اور مزید معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت شیطانی تصرف سے محفوظ رہتی ہے، جیسے بحالت حیات شیطان آپ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا، اسی طرح خواب میں بھی نہیں، گویا آنحضورؐ کا خواب میں دیکھنا شیطانی قسم اور قوت متخیلہ کے تصرف سے بالاتر ہے، تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔

مگر یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ جس کسی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اسی حلیۂ مبارک میں دیکھا جو روایتوں سے ثابت ہے تو گویا خود دیکھنے والے کی سعادت، مگر جس نے حلیۂ مبارک میں تبدیلی کے ساتھ دیکھا، یا ان اوصاف سے متصف جو آپؐ کے شایان شان نہیں تو یہ دیکھنے والے کی ایمانی کمی یا عملی کجی ہوگی، یہ ایسے ہوگا جیسے آئینہ ہوتا ہے، اس پر دیکھنے والا اپنی ہی صورت میں پائے گا، اگر کسی میں خلاف شرع کوئی بات پائی جاتی

ہو تو آنحضورؐ کے دیدار کے وقت آپؐ کے حلیہ مبارک میں فرق نظر آسکتا ہے۔

گویا خواب میں ذات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نظر آتی ہے مگر آپ کی ذات اقدس کے ساتھ جو احوال واوصاف نظر آتے ہیں وہ خواب دیکھنے والے کے ادراک کا ا ہے کہ جس قسم کے احوال دیکھنے والے کے ہوں گے ویسے ہی صفات کے ساتھ زیارت نصیب ہوگی۔

آنے والی روایتوں کا حاصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جس نے خواب میں دیکھا اس نے حقیقۃً مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت یا مشابہت اختیار نہیں کرسکتا۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو یقیناً مجھکو ہی دیکھا، اسلئے کہ شیطان میری صورت نہیں اپنا سکتا۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي حَصِيْنٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَصَوَّرُ أَوْ قَالَ لَا يَتَشَبَّهُ بِي۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شبیہ اختیار نہیں کرسکتا۔

(۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي۔

قَالَ أَبُو عِيسَى وَأَبُو مَالِكٍ هٰذَا هُوَ سَعْدُ بْنُ طَارِقِ بْنِ أَشْيَمَ وَطَارِقُ بْنُ أَشْيَمَ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ وَسَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ حُجْرٍ يَقُولُ قَالَ خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا غُلَامٌ صَغِيرٌ.

طارق ابن اشیم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعتہً مجھے ہی دیکھا۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ طارق ابن اشیم اصحاب رسول میں سے ہیں انھوں نے آنحضورؐ سے کئی روایتیں بیان کی ہیں، مزید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ علی بن حجر کو یہ کہتے سنا کہ ان کے استاذ خلف بن خلیفہ نے بیان کیا کہ میں نے ایک صحابی عمرو بن حریث کو دیکھا ہے جب میں چھوٹا سا تھا، اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی کے اساتذہ علی بن حجر اور قتیبہ دونوں تبع تابعین میں سے ہیں، گویا امام ترمذی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین راویوں کا فرق ہے، یہ دراصل سند عالی ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُنِي قَالَ أَبِي فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ قَدْ رَأَيْتُهُ فَذَكَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَقُلْتُ شَبَّهْتُهُ بِهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّهُ كَانَ يُشْبِهُهُ۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے درحقیقت مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری مشابہت اختیار نہیں کرسکتا۔ کلیب (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بتائی اور ان سے کہا کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے. اور اس وقت میرے دل میں حسن بن علی کا خیال آیا، اس طرح میں نے آنحضورؐ کو حضرت حسن کے بہت مشابہ پایا تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ حضرت حسنؓ واقعی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے۔

تشریح راوی حضرت کلیب نے ابوہریرہؓ سے حدیث سنی اور ابن عباسؓ سے جاکر بیان کیا، ساتھ میں یہ بھی کہا کہ میں نے آنحضورؐ کو خواب میں دیکھا اور میرے خیال میں وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مشابہ نظر آرہے تھے، ابن عباسؓ نے کہا صحیح ہے، کیونکہ حضرت حسنؓ آنحضورؐ کے بہت مشابہ تھے۔

اور مختلف احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ حضرت حسن آنحضورؐ سے بہت مشابہ تھے ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حسنؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سینے سے اوپر سر تک زیادہ مشابہ ہے اور حسینؓ آنحضورؐ سے اسفل جسم اطہر سے زیادہ مشابہ ہے

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَوْفُ بْنُ أَبِي جَمِيلَةَ عَنْ يَزِيدَ الْفَارِسِيِّ وَكَانَ يَكْتُبُ الْمَصَاحِفَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ زَمَنَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَتَشَبَّهَ بِي فَمَنْ رَآنِي فِي النَّوْمِ فَقَدْ رَآنِي هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَنْعَتَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّوْمِ قَالَ نَعَمْ أَنْعَتُ لَكَ رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ جِسْمُهُ وَلَحْمُهُ أَسْمَرُ إِلَى الْبَيَاضِ أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ حَسَنُ الضَّحِكِ جَمِيلُ دَوَائِرِ الْوَجْهِ قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مَا بَيْنَ

هٰذِهٖ إِلَى هٰذِهٖ قَدْ مَلَأَتْ نَحْرَهُ قَالَ عَوْفٌ وَلَا أَدْرِي مَا كَانَ مَعَ هٰذَا النَّعْتِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَوْ رَأَيْتَهُ فِي الْيَقْظَةِ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَنْعَتَهُ فَوْقَ هٰذَا ۔

قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى وَيَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ هُوَ يَزِيْدُ بْنُ هُرْمُزَ وَهُوَ أَقْدَمُ مِنْ يَزِيْدَ الرَّقَاشِيِّ، وَرَوٰى يَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَحَادِيْثَ وَيَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ لَمْ يُدْرِكِ ابْنَ عَبَّاسٍ وَهُوَ يَزِيْدُ بْنُ أَبَانَ الرَّقَاشِيُّ وَهُوَ يَرْوِي عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَيَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ وَيَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ كِلَاهُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ وَعَوْفُ بْنُ أَبِي جَمِيْلَةَ هُوَ عَوْفٌ الْأَعْرَابِيُّ حَدَّثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمٍ الْبَلْخِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ قَالَ قَالَ عَوْفٌ الْأَعْرَابِيُّ أَنَا أَكْبَرُ مِنْ قَتَادَةَ ۔

حضرت یزید الفارسی قرآن شریف لکھا کرتے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت ابن عباس رضؓ کے زمانہ میں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں نے ابن عباسؓ سے خواب دیکھنے کا تذکرہ کیا تو انھوں نے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا تو جس نے مجھے خواب میں دیکھا حقیقۃً مجھے ہی دیکھا، پھر ابن عباس نے پوچھا کہ کیا تم نے خواب میں جو شخصیت دیکھی ہے ان کا حلیہ بیان کر سکتے ہو تو میں نے کہا ہاں! میں ان کا حلیہ بیان کرتا ہوں وہ میانہ قد تھے بدن بھی معتدل، سفیدی مائل گندمی رنگ، سرگیں آنکھیں، خندہ دہن، خوبصورت گول چہرہ، ان کی داڑھی یہاں سے وہاں تک (یعنی پورے چہرۂ انور کو) گھیرے ہوئے، عوف راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں ان صفات کے ساتھ اور کیا بیان کیا تھا، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر تم آنحضور کو بحالت بیداری بھی دیکھتے تو بھی اس سے بہتر وصف بیان نہیں کر سکتے تھے۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ جو راوی ہیں یزید الفارسی یہ یزید بن ہرمز ہیں اور انھیں کے یہاں کے رہنے والے ایک یزید الرقاشی بھی ہیں، مگر انھوں نے حضرت

ابن عباس کو نہیں دیکھا ہے گو کہ دونوں اہل بصرہ میں سے ہیں۔

اسی طرح سند میں جو راوی ہیں عوف بن ابی جمیلہ وہ عوف الاعرابی کہلاتے ہیں اور قتادہ سے بڑے ہیں۔

تحقیق تنعت :۔ نعت (ن) صفت بیان کرنا، اوصاف حسنہ بیان کرنا

رجل بین رجلین :۔ یعنی لمبے اور کوتاہ قد کے درمیان، دو مختلف قدوالے کے مابین۔

جسمہ ولحمہ : یہ مبتدا مؤخر ہے بین رجلین اس کی خبر، یا پھر ظرف کا فاعل۔

ملأت نحرہ :۔ ان کے سینے تک آئی ہوئی تھی۔

تشریح حضرت یزید کلام اللہ شریف لکھتے تھے اسی کی برکت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوئی، اور واقعۃً وہ آنحضورؐ ہی تھے تصدیق چاہی حضرت ابن عباس سے تو انھوں نے کہا کہ یہ آنحضور کا ارشاد ہے کہ میں ہی خواب میں نظر آؤں گا میری صورت میں شیطان متشکل نہیں ہوسکتا، البتہ تم نے خواب میں جو حلیہ مبارک دیکھا ہے ذکر کرو تو حضرت یزید نے وہی حلیہ بیان کیا جو انھوں نے دیکھا تھا اور یہ حلیہ وہی ہے جو روایتوں سے ثابت ہے، تو ابن عباس نے کہا کہ یہ تو ہو بہو آپؐ کا نقشہ ہے، تم اگر ان کی حیات میں دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ یہی حلیہ تھا، اس سے بڑھ کر اور تم بیان نہیں کر سکتے تھے۔

(٦) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ زِیَادٍ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَخِیْ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ یَعْنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ

حضرت ابو قتادہ رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے امر واقعی دیکھا (سچا خواب دیکھا)

(٧) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا مُعَلَّی بْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَخَیَّلُ بِیْ وَ رُؤیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّۃٍ وَاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّۃِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا، اور ارشاد فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جز ہے۔

تشریح یہاں رویاء مومن کی قید ہے ورنہ بخاری کی روایت میں رویاء صالح کی قید بھی ہے۔

یہاں روایت میں ہے کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے، دیگر روایتوں میں تعداد میں اختلاف ہے بعض میں چالیسواں آیا ہے، بعض میں پچاسواں، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ ان اعداد سے مقصود کثرت ہے، تحدید نہیں، جو دیکھنے والے اور حالات کے مطابق ہو سکتے ہیں۔

اس جزء ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اس کے سلسلہ میں علماء نے بڑی تفاصیل بیان کی ہیں مگر ملا علی قاری اور علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ اس میں کلام سے احتراز ہی مناسب ہے اور چونکہ یہ جزء علوم انبیاء میں سے ہے اس لئے ان کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے اس پر قیاسات سے احتراز بہتر ہے۔

گویا رویاء صالح ایک بشارت ہے جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک ہے اور یہی چیز باعث برکت وسعادت ہے اور گویا نبوت ختم ہو گئی مگر اس کے اثرات باقی ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ کسی چیز کا جز ہونا اس چیز کا بعینہ ہونے کو مستلزم نہیں ہوا کرتا جیسے نماز کا کوئی جزو ہو تو اس کو مکمل نماز نہیں کہا جا سکتا۔

خاتمۃ الکتاب

کتاب ختم ہونے کے بعد امام ترمذی نے دو روایتیں بیان کی ہیں جو اثر ہیں یعنی یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہیں مگر اپنی جگہ مہتم بالشان نصیحتیں ہیں جس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم حدیث کی روایت بڑی احتیاط کے ساتھ صرف ثقہ افراد سے ہونی چاہئے اور یہ کہ کسی چیز پر حکم اپنے اندازے سے نہیں بلکہ احادیث کی روشنی میں لگانا چاہئے

پہلے اثر سے امام ترمذی یہ نصیحت کرنا چاہتے ہیں کہ دین کا مدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر ہے لہٰذا ہر فیصلے میں آپ ہی کی اتباع ضروری ہے۔

دوسرے اثر میں یہ نصیحت ہے کہ دین ہر کس و ناکس سے حاصل نہ کرو بلکہ اس کا اعتقاد اور علم و عمل بھی جانچو، اس دوسرے اثر میں باب سے مناسبت بھی ہے کہ خواب کی تعبیر بھی ایک فیصلہ ہے، عالم و متقی اور پرہیزگار اور سنت رسول اللہ کا واقف کار ہی تعبیر دے تعبیر اس کی معتبر ہوگی جو عالم اور متدین اور مہارت رکھنے والا ہو۔

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ يَقُوْلُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ اِذَا ابْتُلِيْتَ بِالْقَضَاءِ فَعَلَيْكَ بِالْاَثَرِ.

حضرت عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں کہ اگر کبھی فیصلہ دینے کی آزمائش میں پڑو تو آثار واخبار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپناؤ، اور ان کا اتباع کرو۔

فعلیک بالاثر: کا مطلب ہے کہ آنحضورؐ کی روایتوں اور حالات کے ساتھ ساتھ صحابہ سے منقولات کی اقتداء کرو۔

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ اَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْفٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ.

ترجمہ:۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ علم حدیث اور اس کی روایت دین ہے، لہٰذا تم یہ دیکھ لیا کرو کہ دین کس سے حاصل کر رہے ہو، ہر کس وناکس یا ہر فاسق وفاجر سے دین مت حاصل کرو، جو صحیح العقیدہ اور متبع سنت ہو اسی سے حاصل کرو۔

قد تم هذا الكتاب بعون الله وتوفيقه في ليلة

الثالث والعشرين من شهر رمضان المبارك

عام ١٤١٧ من الهجرة النبوية على صاحبها

الصلوة والسلام ـ وانا المؤلف

العبد الضعيف، محمد اسلام القاسمي

ادعو الله سبحانه وتعالى

ان يتقبله ويجعله

لي ذخراً وان

يوفقنا

جميعًا

لما يحبه

ويرضاه

محمد اسلام القاسمی

خادم التدریس بالجامعۃ الاسلامیۃ دار العلوم (وقف) دیوبند

جدید عربی میں خط لکھئے

مصنف : مولانا محمد اسلام قاسمی

استاذ ادب عربی دار العلوم وقف دیوبند

عربی میں خط وکتابت کے لئے ایک جامع رہنما کتاب، مدارس عربیہ، کالج اور عصری تعلیم گاہوں کے طلبہ کے لئے بے حد ضروری کتاب، عربی زبان وادب سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کی ضرورت جس میں مختصر مختصر عربی خطوط اور ان کا اردو ترجمے شامل ہیں۔

اس کتاب میں تین باب ہیں :

۱۔ گھریلو اور افراد خاندان کے نام خطوط

۲۔ دوست احباب کے نام مکاتیب

۳۔ تجارتی خطوط اور ہر قسم کی درخواستیں

ہر خط ایک صفحہ میں مکمل اور اس کے سامنے ہی اس کا اردو ترجمہ بھی۔ اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عرب ممالک کی یونیورسیٹیوں اور اسلامی تنظیموں کے نام خطوط اور درخواستیں بھی لکھی گئی ہیں، علمی رابطہ، تجارتی یا ثقافتی تعلق قائم کرنا ہو تو اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری مفید ہے۔

زکریا بک ڈپو دیوبند کی مایۂ ناز پیشکش، روایتی معیار کے مطابق عمدہ کتابت وطباعت اور خوبصورت ٹائٹل۔

صفحات : ۱۶۰ قیمت :

ملنے کا پتہ :

۲۴۷۵۵۴

زکریا بکڈپو دیوبند سہارنپور، یوپی